ہماری ویب ای بُک

عینی نیازی

AINEE NIAZI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Ainee Niazi"
at Hamariweb.com

طوطا اور کوا

کسی شخص نے ایک طوطے اور ایک کوے کو ایک ساتھ پنجرے میں بند کر دیا، طوطا گبھرا گیا وہ نفرت سے بار بار کہتا " الہیٰ یہ کیسی بری کالی کلوٹی بھدی شکل، بھونڈی صورت اور سراپا نفرت مورت ہے اسے میرے سرپر بٹھا دیا ہے کیا مصیبت ہے میں اس کے ساتھ کیسے گزارا کروں گا " یہ تو طوطے کا حال تھا مگر عجیب بات کہ کوا بھی طوطے کی ہم نشینی سے سخت خائف اور تنگ آیا ہوا لاحول پڑھتا اور زمانے کی گردش پر حسرت اور افسوس سے ہاتھ ملتے ہوئے کہتا جاتا " خدایا مجھ سے ایسا کون سا گناہ سرزد ہوا جس کے بدلے میں ایسے نابکار، بے وقوف اور بے ہودہ جنس کی صحبت میں قید کر دیا گیا ہوں میرے مناسب حال تو یہ تھا کہ کسی چمن کی دیوار یا محل کی منڈیر پر اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سیر کرتا پھرتا لیکن اف! صد افسوس یہ کیسا عذاب میرے سر مسلط کر دیا ہے، اس حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر دانا کو نادانوں سے نفرت ہوتی ہے اسی قدر ناداں کو داناؤں سے وحشت ہوتی ہے طوطا اور کوا پنجرے میں بساط بھر ایک دوسرے سے عاجز، بے زار اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کا بازار گرم کیے ہوئے تھے کم وبیش یہی صورت حال ہمارے ملک کے سیاسی لیڈروں اور نمائندوں کی ہے ہر ایک اپنی اپنی بولیاں بولنے، دھمکیاں، الزامات،

بڑھکیں ، بہتان تراشی میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں لگے ہوئے ہیں اس مچھلی با
زار میں پتہ نہیں لگ رہا کون کوے کی طرح کائیں کائیں کر رہا ہے یا کون طوطے کی
طرح ٹرٹر کر رہا ہے سیا سی لیڈرز اور نمائندے کسی بھی ملک میں عوام کے لیے.بڑی
عزت اور احترام لیے ہوئے پیشے سے ہوتے ہیں ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ
عوام کے لیے مشعل راہ بن جاتے ہیں مگر ہماری بد قسمتی اس وقت ہمارے سیا سی قائد
ین اپنے عزت واحترام کو بالائے طاق رکھ کر سب کی زبانیں اپنی اپنی مخالف پا رٹیوں
کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہے تازہ زہر افشانی میں چند آپ کے لیے پیش
خدمت ہے

زرداری ہوش کے ناخن لیں نیب کے چیر مین کے عہدہ پر دیدار حسین شاہ کی تقرری پر
ہم لانگ مارچ کریں گے ان کا چئیر مین بننا انصاف کے منہ پر طمانچہ ہے ۔ وزیر اعلیٰ پنجا
ب

وہ لانگ مارچ کریں ہم استقبال کریں گے وہ ہیلی کا پٹر سے آئیں یا پر اڈو پر۔ وزیر
، قانوں بابر اعوان

زرداری جیسا عاجز اور مسکین صدر نہ آیا ہے نہ آئے گا۔ وزیر ریلوے غلام بلور

نواز شریف نے صرف ایک اچھا کام کیا ہے جو مجھے چیف آف آرمی اسٹاف بنایا۔ سابق جنرل اور صدر پرویز مشرف

پنجاب حکومت سے پیپلز پارٹی کو نکالا گیا تو حکومت نہیں چلنے دوں گا پیپلز پارٹی کے پیچھے عوام کھڑی ہے سعودیہ سے نہیں شاہی قلعہ سے گورنر ہاؤس تک پہنچا ہوں ۔ گورنر پنجاب سلمان تاثیر

جیل کے مچھروں سے نہیں ڈرتا بے نظیر کو بھی چمک نے تنگ کی اور مجھے بھی چمک تکلیف دے رہی ہے سیاسی اداکار عوام کی خدمت سے خائف ہو کر ہمارے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ صدر آصف علی زرداری

بزرگوں کی اس نصیحت کہ پہلے ' تولو پھر بولو' مگر سیاست داں تو بس بولتے جاتے ہیں تولنے کا وقت کس کے پاس ہے تمام وزیر اور سیاست دان گڑھے مردے اکھیڑنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف ہیں عوام کی فلاح اور بہبود سے متعلق کسی منصوبے پر اتنی توجہ نہیں جتنی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر ہے حکومت اور اپوزیشن کے درمیاں جس قسم کے اختلافات، بیانات اور ماضی کی کہانیاں سامنے آرہی ہیں اس سے

معلوم یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور نہ ہی حال اور مستقبل کے حوالے سے ملک و قوم کی کوئی خدمت کر سکیں گے ایک طرف حکومت اپنی ضد پر قائم ہیں دوسری طرف اپوزیشن جماعتوں کے اپنے تحفظات اور مفادات ہیں۔ یہ کیسی مجبوری ہے کہ ملک میں جمہوریتی نظام ہے، سینٹ بھی ہے، اسمبلیاں بھی ہیں مگر فیصلے آمرانہ انداز میں سامنے آرہے ہیں گویا جمہوریت کے نام پر آمریت قائم ہے عوام کو فائدہ پہنچانے کے بجائے اپنی کرسی اپنے عہدوں کی فکر میں لگے ہیں تمام توجہ کا مرکز اخباری بیانات، ٹی وی ٹاک شوز اور عوامی خطابات کا مرکز این آر او،نیب کی تقرری، پرویز مشرف، اٹھارویں ترمیم اور حکومت ختم ہونے کی ڈیڈ لائن پر ہے این آر او کیس اور نیب کے حوالے سے سیاسی جماعتوں کے جو تند و تیز بیانات اور بولیاں سامنے آرہی ہیں وہ عوام سمجھ رہے ہوں یا نہ سمجھ رہے ہوں مگر ہمارے چیف جسٹس صاحب ان کی بولیاں خوب سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بدھ تیرہ اکتوبر کو ہونے والی سماعت میں حکومتی وکیل لطیف کھوسہ سے خفیہ سوئس اکاونٹس، نیب چیرمین کی تقرری اور عدنان خواجہ کو او جی ڈی سی ایل کا ایم ڈی بنانے پر سختی سے جرح کی عدلیہ کی کوششوں پر کسی کو شک نہیں مگر جب عمل درآمد کی رفتار سست یا نہ ہونے کے برابر ہو تو کیا کیا جا سکتا ہے اس کی ایک مثال چینی کا مصنوعی بحران اور قیمتیں ہمارے سامنے ہیں۔

چیف جسٹس افتخار چوہدری کی کوشش ہے کہ جلد از جلد تمام مقدموں کا نمٹایا جاسکے مگر حکومت کی جانب سے تاخیری حربے اس کام میں رکاوٹ ہیں عوام کو ان تمام الزامات ،اختلافات اور بیانات پر کوئی بحث نہیں انھیں صرف اس بات سے غرض ہے کہ بہتر تعلیم ، بجلی ، صاف پانی اور روزگار کے مواقع موجود ہوں تاکہ یہ دو وقت کی روٹی باعزت سے کما سکیں امن وامان کی صورتحال بہتر ہو گھر سے نکلنے والے بحفاظت واپس صحیح سلامت گھروں کو لوٹ سکیں یہ الزامات ، بیانات ، بڑھکیں اور بہتان تراشیاں پاکستان کے صرف دو فیصد بھرے پیٹ لوگوں کے مشغلے ہیں کہ فارغ دماغ شیطان کے کارخانے میں ہمہ وقت کوئی نیا شوشہ نیا بیان چھوٹتا رہتا ہے، ورنہ یقین کیجیے ! پاکستان کی سترہ کروڑ عوام کے لیے ان بیانات الزامات کی اہمیت کوے کی کائیں کائیں اور طوطے کی ٹرٹر سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

کرکٹ کے ڈکٹیٹرز

پاکستانی عوام کسی لفظ کے معنی اور مفہوم سے واقف ہوں یا نہ ہوں لیکن لفظ ڈکٹیٹر کے مفہوم سے اچھی طرح واقف ہوں گے یہ لفظ پاکستانی قوم کی جڑوں سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ عوام جمہوریت اور ڈکٹیٹر کا فرق بھی بھول چکے ہیں ڈکٹیٹروں کی چار دھائی سے زائد محیط عرصے نے عوام کے ذہنوں، مزاجوں اور رویوں کو اس انداز سے تبدیل کر دیا ہے کہ اب تو ہر ادارے، محکمے، تعلیم گاہوں حتیٰ کہ کھیل کے میدان بھی اس کی حکمرانی سے محفوظ نہیں رہے ہیں اس کا تازہ شاہکار آپ کو بھارت کے کامن ویلتھ گیمز میں سلمان شاہ کا پاکستانی باکسر کے ہاتھوں سے پرچم چھین کر لہرانا اور ہاتھ ہلانا یاد ہو گا جو اسی ڈکٹیٹرز ذہنیت کی ایک ادنیٰ مثال ہے اگر عوام کو ہر محکمے کے سربراہ میں ایک ڈکٹیٹر نظر آتا ہے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے اور جب تمام نظام پر آقائیت چھائی ہو تو پھر ایسے میں پاکستان کرکٹ بورڈ کیسے اس کی چھتر چھاؤں سے بچ سکتا ہے۔

پاکستان کرکٹ بورڈ کے موجودہ ڈکٹیٹرز کے زمانے میں جتنی جگ ہنسائی اور رسوائی پاکستان کے حصے میں آئی اتنی کسی دور میں نصیب نہ ہوئی، میچ

فکسنگ ، بال ٹیمپرنگ ، سٹہ بازی ، کھلاڑیوں کے بابت غلط فیصلے ،اقرباء پروری اور تعصب کی شاندار مثالیں قائم ہوئی اور ہر گزرتے پل اس ریکارڈ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ پی سی بی کے عہدیدار اپنی کرسی بچانے کے لیے ہر قسم کے حربے اپنانے کو تیار ہیں کبھی کسی کھلاڑی پر تاحیات پابندی اور جرمانہ عائد کیا جاتا ہے پھر کچھ دنوں بعد اس کھلاڑی کے سارے گناہ اور جرائم معاف کرکے ٹیم میں واپس لے لیا جاتا ہے جس طرح کہ ہم آج محمد یوسف اور رانا نوید کے معاملہ میں پی سی بی کے فیصلے کو دیکھ رہے ہیں یہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرنے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں اور رکھنا بھی چاہیے کہ ایک ڈکٹیٹر کو ہر آئین ہر قانون ہر پابندی کو توڑنے کا مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے وہ جب چاہے این آر او جیسے قوانین بنا سکتا ہے اور جسے چاہیں عام کھلاڑی کی طرح ٹیم میں شامل کریں یا بلکل نہ کریں اور اگلے دورے پر جانے والی ٹیم میں اسی کھلاڑی (مصباح الحق) کو کپتان بناکر روانہ کردے اس ادارے کی اپنی مرضی ہے کہ پہلے ٹیم کے کھلاڑیوں کا اعلان کرے یا کیپٹن کا اعلان کرے جس طرح کی روش آج کل پاکستان کرکٹ بورڈ نے اپنا رکھی ہے پھر ان تمام جدوجہد اور محنت کا حکومت کی جانب سے کروڑوں روپے کی آمدنی اور مشاہرہ حاصل کرنا بھی ان کا ذاتی حق ہے نیز بیرونی دوروں سے حاصل معاوضے اور مشاہرے اس کے علاوہ ہیں۔

پاکستان قرضوں اور دوسرں کے امداد سے پلنے والا غریب ملک ہے پاکستان میں لا کھوں لوگ ایک روٹی اور سر چھپانے کے لیے سائبان نہ ہونے پر کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں وہاں ان نام نہاد کرکٹرز اور بورڈ کے ذلتوں بھرے دوروں پر کروڑوں روپے ضائع کیے جانا کسی طرح مناسب نہیں اس پر طرح یہ کہ ان دوروں میں آئے دن ایک نئی کہانی اور اسکینڈل بورڈ اور کرکٹرز کے حوالے سے آنے کے بعد پاکستانیوں کے لیے خفت اور شرمندگی کا باعث بنتا ہے پاکستان کرکٹ بورڈ کے سفارشوں اور اقرباء پروری سے سلیکٹ کیے ہوئے کھلاڑی جس قدر آج اسکینڈلز اور کرپشن کے جال میں پھنسے ہوئے نظر آتے ہیں اتنا پہلے کبھی دنیا میں اسکینڈلز زبا ن زد عام نہ تھے اگر ہم بر وقت سزائیں دیتے تو بات اتنی آگے نہ بڑھتی کرکٹ بورڈ نے ان کھلاڑیوں کو سزا نہ دے کر مزید دوسرے کھلاڑیوں کو اس راہ پر چلنے کی تر غیب دی ہے اس کا تدارک کرنا ہوگا چلیں آج سے سہی ! اچھے کام کی شروعات جلد کر دی جائے کہ ہزار سال نرگس کی بے نوری پر رونے کے بجائے چند سال محنت کر لی جا ئے تو کھلاڑیوں میں دیدہ ور پیدا ہونے لگیں۔

اگر ماضی کی جانب نگاہ دوڑائیں تو ماضی کے کرکٹرز کو یاد کرکے ہم

فخر محسوس کرتے ہیں کہ ان جیسے تعلیم یافتہ، ایماندار اور با صلاحیت کھلاڑی پاکستان کرکٹ ٹیم کا حصہ رہے ہیں جن میں عبدالحفیظ کارادار، امتیاز احمد، فضل محمود، جاوید برکی، ماجد خان، وقار حسن، جاوید میاں داد اور ظہیر عباس جیسے کھلاڑی شامل تھے مگر آج کوئی کھلاڑی ان جیسا تعلیم یافتہ اور با صلاحیت نہیں نظر آتا ہے یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ سنئیر کھلاڑی سدا ٹیم کے ساتھ نہیں رہ سکتے عہد شباب میں کھیل کے میداں میں اترنے والے ہر کھلاڑی کو ایک نہ ایک دن آنے والے کھلاڑیوں کے لیے جگہ خالی کرنی پڑتی ہے مگر انکے اچھے کام اور نام سدا لوگوں کے ذہنوں میں روشن رہتے ہیں اسی طرح کسی بھی محکمے میں اچھے کام کرنے والوں کا نام اس کی کارکردگی دوسرں کے لیے مشعل راہ رہتی ہے۔

انہی روشن مثالوں میں ایک نام ائیر مارشل نور خان کا ہے جنھوں نے پاکستان کرکٹ بورڈ کی سربراہ کے طور پر ۱۹۸۷ء میں ورلڈکپ کی میزبانی کی جن کی پرعزم منظم اور اعلی صلاحیتوں کی وجہ سے پوری ٹیم نے یکسوئی سے اپنی پرفارمنس پر توجہ دی اور پاکستان کو فتح سے ہمکنار کیا۔ کرکٹ میں پاکستانی کھلاڑیوں کی جیت پر پوری قوم کی خوشی قابل دید ہوتی ہے یہ چند خوشی کے لمحات زخم زخم پاکستانی عوام کے لیے بڑے قیمتی ہوتے ہیں ان لمحات کو دوبارہ واپس لانے کے لیے ائیر مارشل نور خاں جیسی با صلا

حیت شخصیت کو پاکستان کرکٹ بورڈ کی ذمہ داری سونپی جانی چاہئے اس وقت ایسی قائدانہ صلاحیتوں کے حامل عمران خان کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں جنھوں نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا اسے انجام تک پہنچایا وہ خواہ ورلڈکپ ہو یا شوکت خانم اسپتال یا پھر نمل کی درس گاہ۔ ہو سکتا ہے عمران کے سامنے سیاست کے روشن امکانات کی دنیا موجو د ہو لیکن حقیقت یہی ہے کہ انکی پہچان کرکٹ ہے اور کرکٹ کی پہچان عمران خان ہیں جس نے عمران خان کو سپر اسٹار بنایا پہچان دی آج وہی کرکٹ بورڈ ڈکٹیٹرز کے ہاتھو ں یرغمال بنا جگ ہنسائیوں رسوائیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جارہا ہے اب عمران خان پر منحصر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر جناب آصف علی زرداری پر منحصر ہے کہ وہ عمران خان جیسی کسی شخصیت کو یہ اہم قومی فریضہ سونپتے ہیں یا نہیں؟ کہ اس فیصلے کا اختیار تو صرف اور صرف انھی کے پاس ہے۔

فاقہ، قبر اور کفن

پاکستان کی تاریخ میں جس جمہوری سیاسی لیڈر کو سب سے زیادہ شہرت، عزت اور پذیرائی حاصل ہوئی وسابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو تھے ان کی تقریروں میں عوام کو سنہرے مستقبل کی نوید سنائی دیتی تھی وہ سنہرے خواب جو کبھی تعبیر نہ بن سکے بھٹو صاحب کے مشہور زمانہ 'نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان نے انھیں اقتدار کی مسند پر
بٹھایا،پاکستان کی غریب عوام نے انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھا مگر بد قسمتی سے بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد نعرہ ہی رہا غریب عوام، غریب ہی رہے جو کھلے آسمان تلے رہتا تھا اس کا سر اسی طرح بے سایہ ہی رہا جس کو تن پر کپڑا میسر نہ تھا وہ بد ستور ننگا ہی رہا جو بھوکے پیٹ سونے پر مجبور تھا وہ اسی طرح سونے پر مجبور رہا ہاں ! البتہ بھٹو صاحب کے جانے کے بعد انکے نعرے نے ان کی پارٹی کے سیاست دانوں پر کامیابی کے دروازے کھول دیے انھیں عوام کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کا فن آگیا سو بھٹو صاحب کے بعد جو بھی سیاست دان آیا اس نے عوام کو' ووٹ دو خواب لو' کے مصداق خوب استعمال کیا مگر روٹی کپڑا اور مکان ہر دور کی طرح آج بھی عوام کی پہنچ سے دور ہے آج بھی عوام زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔

بھٹو صاحب اس دور حکومت میں ہم سب کو اس لیے بھی زیادہ یاد آتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں جس پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی وہ آج پاکستان میں برسر اقتدار ہے بھٹو سے زندگی نے وفانہ کی مگر ان کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کرنے والی موجودہ حکومت نے انکے نعرے کو الیکشن میں خوب استعمال کیا اور الیکٹ ہونے کے بعد حسب دستور کرپشن لوٹ کھسوٹ، اقرباء پروری اور بے قاعدگی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کی کہ عقل دنگ ہے پیپلز پارٹی ہر وہ کام کر گزرنا چاہتی ہے جس سے عوام میں اسکے خلاف نفرت اور اشتعال بڑھتا جائے اس کی درجنوں مثالیں انکے ڈھائی سالہ دور حکومت میں منظر عام پر آتی رہی ہیں جس میں ایک نئی مثال کا اضافہ حکومت نے پیر کو ملک بھر میں پٹرولیم مصنوعات میں ایک بار پھر زبردست اضافہ کرکے کیا ہے جس کے مطابق نئی قیمتوں میں ہر پٹرولیم مصنوعات پر چھ سے سات روپے تک اضافہ کیا گیا ہے ایک طرف عوام مہنگائی کے بوجھ سے پہلے ہی پریشان تھے ان پر ایک نیا بوجھ لادا جا رہا ہے دوسری جانب پٹرول پمپ مالکان جن کو قیمتیں بڑھنے کی سن گن پہلے ہی تھی انھوں نے اپنے پٹرول پمپ پہلے ہی کئی دنوں سے بند کئے رکھا تاکہ قیمتیں بڑھنے کے بعد زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں اس بارے میں چھوٹا سا واقعہ یاد آیا کہ چند دن قبل میری والدہ بڑی فکر اور تشویش کے ساتھ ہاسپٹل سے ایک رشتہ دار کی عیادت کے بعد گھر واپس آئیں فرمایا' 'بیٹا لگتا ہے آج پھر شہر کے حالات ٹھیک نہیں پٹرول پمپز بند

ہیں کہیں کوئی ہنگامہ کوئی حادثہ تو نہیں ہوا مجھے اپنی بھولی اماں کو سمجھانا پڑا' اماں فکر نہ کریں اللہ کا شکر ہے حالات درست ہیں دو دن بعد حکومت پٹرول کی قیمتوں میں اضافہ کرنے والی ہے اس لیے پمپز مالکان نے پٹرول پمپ بند کر دیے ہیں یہ ہمارے "کرپٹ معاشرے میں ذخیرہ اندوزی کی ایک قسم ہے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب بھی بین الاقوامی مارکیٹ میں تیل کی قیمتیں بڑھتی ہیں تو حکومت بھی تیل کی قیمت ایک دم سے چھ سے سات روپے تک بڑھا دیتی ہے مگر جب قیمتیں کم ہوتی ہیں تو حکومت بمشکل پینتیس پیسے سے پچاس پیسے تک کم کرکے عوام پر احسان عظیم کرتی ہے اس کے ساتھ ایک اور مذاق جو ہماری عوام گزشتہ کئی دہائیوں سے جھیلتے آ رہے ہیں جب بھی عوام کی مفاد میں کوئی مسئلہ ہو تو اس پر تمام سیاسی جماعتیں تنقیدی بیانات اور واک آوٹ کی حد تک تو عمل در آمد کرتی ہیں مگر آج تک کوئی سیاسی جماعت عوامی مفاد کے فیصلوں کو منوانے میں کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ اس سے سیاست دانوں کا کوئی ذاتی مفاد وابسطہ نہیں ہوتا اسی لیے مہنگائی پر آج تک کوئی بل، کوئی قرار داد کوئی لانگ مارچ نہیں ہوا اس بار حکومت نے اپنی لمبی چوڑی کابینہ کا پیٹ بھرنے کے لیے نیا ٹیکس لگانے کے بجائے تیل کی قمیتوں میں اضافہ کرکے عوام سے رقم اکٹھی کرنے کی ٹھانی ہے اس

طرح حکومتی ہدف بھی پورا ہو گا اور نئے ٹیکسوں کا شور بھی نہ ہو گا لیکن اس سے عوام کو جو پریشانی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس کی تکلیف کا اندازہ حکومت کرنے کے بلکل موڈ میں نہیں عوام ہی مہنگائی اور پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں سے متاثر ہوتے ہیں پیٹرولیم مصنوعات کو مہنگے ہونے کا اثر ضروریات زندگی کی ادنی سے ادنی اشیائے ضرورت پر پڑتا ہے ذرائع نقل و حمل مہنگے ہوں گیں تو سبزی منڈی سے سبزی فروش کو اپنی دکان تک سامان لانے، پھل فروش، پولٹری ،دودھ ،اور تمام ضروریات زندگی میں شامل اشیاء کی نقل و حمل پر اٹھنے والے اخراجات از خود مہنگے ہو جائیں گیں سب سے بڑھ کر ٹرانسپورٹرز پر اسکے اثرات ہوں گے تو وہ کرایوں کی مد میں اضافہ کر دیں گیں جس کا تمام بوجھ ایک عام آدمی اپنی جیب سے ادا کرئے گا طالب علموں کے کر ائے میں اضافے کے بعد و والدین کی پریشانی میں اضافہ ہو گا آج کل ایسے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو صرف کرایہ نہ ہونے کے سبب با قاعدگی سے اپنے تعلیم گاہ جانے سے قاصر ہیں۔

پیپلز پارٹی کی حکومت بر سر اقتدار آنے سے ہمیں کوئی آئیڈل حکومت کی توقع نہ تھی لیکن اتنی امید ضرور تھی کہ ایک جمہوری پارٹی ہونے کے ناطے اسے عوام کے دکھ درد کا کچھ تو اندازہ ہو گا مگر آج حکومت کے اس ڈھائی سالہ دور حکومت میں مہنگائی میں تیس سے پینتیس فی صد ریکارڈ اضافہ ہوا ہے

بجلی گیس اور دیگر چیزوں میں ہر چند مہینے بعد نئے اضافے منی بجٹ کی صورت میں
عوام پر نازل ہوتے رہے ہیں عوامی مسائل میں نا قابل حد تک اضافہ ہو چکا ہے صیح
معنوں میں اگر کہا جائے تو پٹرولیم مصنوعات میں اضافہ حکومت کے گزشتہ تمام
بحرانوں میں شدید بحران ثابت ہوا ہے جس سے حکومتی ساکھ کو نقصان بھی پہنچ سکتا
ہے اور موجودہ پٹرولیم اضافہ بہت بھاری پڑ سکتا ہے اس وقت تمام پاکستانی قوم کے
دل میں ایک ہی سوال ہے کہ کوئی ہے جو حکومت سمیت تمام سیاسی جماعتوں سے پوچھ
سکے حکومت اس اضافے سے کتنا کما رہی ہے ان سب کے مفادات کبھی ختم بھی ہوں
گیں ؟کیا کبھی ان کا پیٹ اور نیت سیر بھی ہو گی یا یوں ہی عوام کی کھال کھینچتے رہیں گے ؟
مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگر حکومت کے یہی کرتوت جاری رہے تو وہ دن دور نہیں جب
صدر مشرف جیسے غاصب آمر لوگوں کے ہیرو کہلائیں گیں اور بھٹو کا وہ خواب جو رو
ٹی کپڑا اور مکان کی صورت میں عوام کو دکھایا گیا تھا اب صرف فاقہ ، کفن اور قبر بن
کر رہ جائے گا۔۔

موجودہ حالات اور اقبال کے نظریات

۹ نومبر شاعر مشرق، مصور پاکستان، حکیم الامت، علامہ اقبال کا یوم پیدائش ہے۔ علامہ اقبال علم و حکمت کا ایک روشن چراغ ہیں جسے ہم بر صغیر میں دانشوری کی نئی روایت کا نقطہ عروج بھی کہہ سکتے ہیں دانشوری کی اس نئی روایت کا آغاز اس دور میں ہوا جب ہم تصور میں لکیر کے فقیر تھے ماضی کے اندھیروں میں بے عملی کی چادر اوڑھے گہری نیند سونا ہمارا شعار ہو گیا سر سید احمد خان نے ہمیں خواب غفلت سے جگا نے کی کوشش کی تو ہم نے آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا لیکن خواب کی لذت ہمیں اس قدر عزیز تھی کہ ہم سوچنے کے عوض بیداری کی مشقت کیوں مول لیتے لیکن بیداری کا نقیب بھی اپنی دھن کا پکا تھا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو بیدار کرتا رہا نیند بھی تو ایسی نیند تھی کہ اس کو ٹوٹنے میں مدت درکار تھی یہ علامہ اقبال کی آمد تک جا کر پوری ہوتی محسوس ہوتی ہے علامہ اقبال نے اپنی قوم کی بدحالی کو دیکھا اس کے اسباب کو دریافت کرنے میں پورے انہماک سے کام لیا۔ علامہ اقبال کی زندگی پر بہت سی کتابیں پڑھنے کو ملی ہیں جن کے تناظر میں مجھے اور آپ میری بات سے اتفاق کریں گیں کہ وہی مسائل اور وہی حالات مسلمانوں اور بالخصوص ہم پاکستانیوں کے آج بھی قائم ودائم ہیں جو سو سال پہلے تھے آج بھی علامہ

اقبال کی فکر، خودی اور رہنمائی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ سو سال پہلے تھی ان کی زندگی میں مسلمانوں کے جو حالات زندگی تھے ان کے چند خاکے پیش خدمت ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میری یہ سوچ کتنی درست ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی زبوں حالی کی ساری وجہ مسلمانوں کا دین سے بے بہرہ ہونا ہے بے عمل ہونا سمجھا ہے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اس میں عمل اور اسلامی اوصاف برائے نام ہوتے ہیں یہی صورت حال آج کے دور میں بھی نظر آتی ہے علامہ کے نزدیک یقین ، عمل اور محبت تعمیر خودی کے لازمی اجزاء ہیں خودی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اللہ نے انسان کو بے شمار امکانات کے ساتھ پیدا کیا اور ان امکانات میں اس کی تقدیر پوشیدہ ہوتی ہے ان امکانات کو بروئے کار لا کر وہ اپنی تقدیر بناتا ہے انھوں نے خودی کو اس کائنات کی بنیادی حقیقت کہا ہے جس کو ہم ذہن اور شعور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں ذہن یا شعور موجود ہے وہاں وہاں زندگی موجود ہے لیکن اس سلسلے میں یہ فرق ضرور ذہن نشین رہنا چاہیے کہ انسان خودی سے آگاہ اور حیوان اس سے محروم ہوتا ہے اس لیے علامہ فرماتے ہیں کہ جب انسان اس حقیقت کو فراموش کر ڈالتا ہے تو کائنات کی اشیاء اس کی حاکم بن جاتی ہیں اور ان کے حصول کے لیے خود کو گنوانے پر مجبور ہو جاتا اور

بھول جاتا ہے کہ یہ سب اس کی عظمتوں کے آگے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی علامہ اقبال نے خودی کے لیے زندگی اور حیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی کچھ آج کے دور میں بھی ہو رہا ہے کہ ہم اپنی قومی وقار کو ختم کرکے دوسروں کے آگے بھیک مانگنے پر تلے ہوئے ہیں۔

علامہ اقبال نے اجماع اور اجتہاد پر بھی بہت زور دیا ہے انکے نزدیک علما، سیاسی رہنما، قانونی ماہرین کے علاوہ مختلف علوم وفنون اور شعبہ ہائے زندگی کے افراد جمع ہو کر اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں مگر قیام پاکستان کے بعد جس طرح جمہوریت کی مٹی پلیت ہوئی ہے اور رکن اسمبلی جس طرح جاہ طلبی، خود غرضی اور خرد بازاری میں مبتلا رہے ہیں خواہ حکمراں منتخب ہو کر آئیں یا غضب کے راستے سے آئیں انھوں نے لوٹ کھسوٹ اور فضول خرچی کے نئے ریکارڈ بنائے ہیں سرکاری وسائل بڑے پیانے پر ہڑپ یا ضائع کئے جاتے ہیں علامہ اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو ہماری قانون ساز اسمبلیوں کی ایسی افسوس ناک کارکردگی دیکھ کر سخت مایوس ہوتے کیونکہ موجودہ حالت میں پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ بد عنوانی ہے جو ہر سطح پر موجود ہے آج پاکستان کا شمار دنیا کے کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے زندگی کی حقیقت اسکے معنی اور سیاسی حالت پر نظر ڈالنے کے بعد علامہ اقبال مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلمانوں کا لہو

مست تو ہے کہ تیرا دل نہیں دانا راز

جاگیر دارانہ نظام حکومت کی سختی سے مخالفت اقبال کے فکر میں نظر آتی ہے ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی نوعیت اور حقیقت یہ نہیں کہ لوگ بے رحم اور سفاک ہو گئے ہیں اور قتل و غارت گری ان کی فطرت کا تقاضا بن گئی ہے بلکہ اس کے پس پردہ جاگیر دارانہ نظام اور مراعات یافتہ طبقے کے اپنے مفادات ہیں جن کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ طبقہ خود ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کا لازمی نتیجہ تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ طبقہ خود ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کا لازمی نتیجہ تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اقبال انسان کی انسان پر حکمرانی کو کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیا اپنی نظم طلوع اسلام میں کہتے ہیں۔

ابھی تک آدمی یہ زبوں شہریاری ہے

قیامت ہے کہ انسانی نوع انسان کا شکاری ہے

علام اقبال مغرب نظام کی فریب کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہل مغرب خواہ کتنے ہی بڑے۔بڑے دعوے کیوں نہ کریں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ طاقت ہی کا نا روا کھیل کھیلنے میں مصروف ہے آج کے تناظر میں اقبال ہو

تے تو کیا کرتے یہ ایک الگ بحث ہے مگر واضح بات یہ ہے کہ فکر اقبال زندہ اور مستحکم شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اسلامی بصیرت پر مبنی فکر اقبال ہماری بہترین رہنمائی کر سکتا ہے کیونکہ سو سال پہلے مسلمانوں کو کامیابی کے لیے جو نسخہ اقبال دے گئے تھے ہم آج بھی انہی مسائل میں گھری ہوئی قوم ہیں اور ہماری نجات اقبال کے افکار میں پنہاں ہیں۔

قربانی کی حقیقت

رسول للہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا "کہ اے خدا کے رسول ﷺ یہ قربانیا ں کیا ہے " آپ ﷺ نے فرمایا" تمھارے باپ حضرت ابرہیمؑ کا طریقہ کہ اللہ کی راہ میں بلاچوں وچرا کسی حیل و حجت کے اپنا مال جان اور قیمتی سے قیمتی شۓ اللہ کی راہ میں قربان کرنے عہد، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید الاضحیٰ کی حقیقت کیا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کو علامتی طور پر اپنا کراس کو عملی طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا عہد کر لینا، ہر مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سنت ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی خوشنودی ورضا کی خاطر قربانی پیش کرنے کی کو شش کرتا ہے عید الاضحیٰ ہر سال ذوالحج کی مخصوص تاریخوں میں منائی جاتی ہے اور حج جو حضرت ابرہیمؑ اور ان کے خاندان کی زندگیوں کی آزمائش کے مختلف پہلوؤں کا اعادہ کرتا ہے اسی کا ایک حصہ قربانی کی شکل میں عید الاضحیٰ کے دن منایا جاتا ہے حضرت ابرہیمؑ اور ان کے خاندان نے اپنی پوری زندگی اللہ کی رضا کے لیے وقف کر دی۔

۶۸ سالہ برگزیدہ پیغمبر حضرت ابرہیمؑ جنھوں نے خدا کی جانب سے دی گئی ہر آزمائش میں کامیابی کا امتحان پاس کیا ہو بھلا اللہ تعالیٰ انکی

دعا کیسے رد کر سکتے تھے حضرت ابر ہیم علیہ سلام جو اولاد کی نعمت سے محروم تھے آپؑ نے اولاد کے لیے پر ور دگار ر عالم سے دعا کی جو منظور ہوئی اور بی بی حاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا فرشتے کی بشارت کے مطابق اس بچے کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا، یہ چونکہ آپؑ کی اکلو تی اولاد تھی اس لیے آپؑ حضرت اسماعیلؑ سے بے حد محبت کرتے تھے ہر وقت انھیں ساتھ لیے پھرتے انھیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے او جھل نہ ہونے دیتے تھے خدا کو ان کا امتحان لینا مقصود ہوا تو حکم ہوا کہ اپنے شیر خوار بچے اور اہلیہ کو مکہ کے بیا باں صحرا میں چھوڑ دو " آپؑ کی فرشتہ صفت اہلیہ کو جب معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو انھوں نے سر اطاعت خم کیا آپؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اپنے رب سے ان کی حفاظت اور امن و اطمینان کی دعا کرتے ہوئے انھیں عرب کے لق ودق صحرا میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اکیلا چھوڑ دیا حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بی بی حاجرہؑ کی صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر دیوانہ وار سعی کو پرور دگار عالم نے ایسا قبول کیا کہ یہ بے بس خاتون اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل ایک عظیم شہر آباد ہوا اور آج اہل مکہ ان کے طفیل ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی عمر مبارک جب سات سال ہوئی تو یکم ذوالحج کو حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں اپنی سب سے عزیز چیز قربان کرنے کا حکم ہوا

مسلسل نو راتوں کو ایک ہی خواب دیکھنے پر آپؑ نے بیٹے کو جب یہ بات بتائی تو بیٹے نے کہا ابا جان آپ مجھے ہر آزمائش میں کامیاب پائیں گے آپ کو جو حکم ملا ہے کر گزریے۔
ارشاد نبوی ﷺ ہے لوگوں میں انبیا کی آزمائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے پھر جو انبیاء کے لیے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی زیادہ سخت ہوگی جس وقت بیٹے کی قربانی کا حکم آیا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی اور کوئی اولاد نہ تھی آپؑ بیٹے کو لے کر قربانی کے لیے نکلے تو شیطان نے کئی مرتبہ روکنے کی کوشش کی آخر آپ نے اسے کنکریاں مار کر بھگایا حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹایا اور قربانی کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسی لمحے حضرت جبرائیلؑ آسمان سے خوشخبری لے کر اترے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ قربانی قبول کی اور آپ ایک بڑی آزمائش سے سرخرو ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک تمام صاحب حیثیت مسلمان پر اسے قائم کر دیا گیا ایک روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں دیے گئے مینڈھے کے سینگ حجاج بن یوسف کے زمانے تک محفوظ تھے مگر جب حجاج بن یوسف کے حکم پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حراست میں لیے جانے کے لیے خانہ کعبہ کو مسمار کیا گیا تو اس دوران وہ بے مثل یادگار بھی ضائع ہو گئے۔
ذوالحج کے موقع پر ابراہیمی عمل میں جو قربانی دی جاتی ہے وہ دراصل ا•

جسمانی قربانی کی صورت میں اس با مقصد قربانی کے عزم کو دہرایا جاتا ہے قربانی کے وقت جب یہ دعائیہ کلمات ادا کیے جاتے ہیں کہ " بے شک میری نماز اور میری قر بانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہو گا" تو در حقیقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت کی آباد دنیا میں جو ایثار، عبادت اور اطاعت انجام دیں اسی طرح آج تمام مسلمان اپنے خدا کی پکار پر لبیک کہنے اور اپنے اندر کی روح ایمانی کو زندہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا عزم لیے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ادا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے جان ومال کی قربانی اللہ کے نز دیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے مگر بد قسمتی سے آج قربانی کی یہ مقدس روایت بھی اسٹیٹس سمبل کے بھینٹ چڑھ گئی ہے لوگ باگ فخریہ جانوروں کی تعداد اور قیمتیں بتا کر بلکہ جتا کر نام ونمود کے لیے قربانی کی رسم ادا کرتے ہیں طرح طرح کے فضول رسوم میں مشغول ہیں اپنے انفرادی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اس سال وطن عزیز میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث مستحقین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے کیا ہی اچھا ہو کہ اس بار قربانی کا گوشت زیادہ سے زیادہ سیلاب متاثرین میں تقسیم کیا جا ئے تاکہ وہ بھی ایک وقت سیر ہو کر اس نعمت خداوندی سے لطف اندوز ہو سکیں۔

آج کے دن قربانی کی سنت کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ قربانی کی اصل روح

کو سمجھنے کی ضرورت ہے حج اور قربانی کا صحیح مفہوم فرمانبرداری، خلوص اور ایثار ہے اور آج کا دن ہمیں اپنے دین اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل جل کر آپس میں محبت و ایثار کا درس دیتا ہے۔

بیت اللہ کے مہمانوں کا فغاں وفریاد

مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " غلطیاں اگر سدھاری نہ جائیں تو تیزی سے انڈے اور بچے دینے لگتی ہیں " گزشتہ ۶۳ سالوں میں پاکستان کی باگ دوڑ سنبھالنے والوں نے اپنی پہلی غلطی کو آخری سمجھ کر کبھی اسے سدھارنے کی کوشش نہیں کی لہذا وہ غلطیاں آکاس بیل کی مانند بڑھتے بڑھتے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں جکڑتی چلی گئی آج اس آکاس بیل کی گرفت میں جکڑے عوام الناس کو سانس لینے تک کی آزادی نصیب نہیں۔ اگر قیام پاکستان کے بعد عدلیہ، پولیس، تعلیم، سیاست اور بیوروکریسی میں کرپشن، اقرباء پروری اور لوٹ کھسوٹ کے گھوڑے کو لگام دے دی گئی ہوتی تو آج حالات اس نہج پر نہ ہوتے جس تباہی کے دہانے پر ہم آج کھڑے ہیں نہایت افسوس ناک بات تو یہ کہ ہم کرپشن کے دلدل میں اس حد تک دھنس چکے ہیں کہ ہم نے حج پر جانے والے اللہ کے مہمانوں سے بھی لوٹ مار اور بے ایمانی سے باز نہیں آئے ہمارے حکمران اور حج انتظامیہ کی نااہلی، بدانتظامی، بدعنوانی کے باعث پاکستان سے جانے والے عازمین حج کو بے پناہ مصائب اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ساری دنیا میں ہماری عزت کے تابوت میں آخری کیل سعودی مذہبی امور کے وزیر کا خط ثابت ہوا ہے جو انھوں نے چیف جسٹس

کے نام لکھا ہے اس قدر ذلت ، رسوائی یہ ایک دن کا ثمر تو نہیں اس ذلت کی آبیاری کو ہماری قوم کے کرتا دھرتاؤں نے برسوں کی محنت ، لگن اور عرق ریزی سے سینچا ہے۔شاہ خالد مرحوم کے صاحبزادے پرنس بندر بن خالد نے چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری کو خط لکھا ہے جس میں شکایت کی گئی ہے کہ عازمین حج کے لیے رہائشیں حاصل کیے جانے کے معاملہ میں بدعنوانی کی گئی ہے پاکستانی حجاج کرام کو دی جانے والی رہائش گاہیں ۳۵۰۰ سے ۳۶۰۰ ریال فی حاجی کے حساب سے مہیا کی گئی جب کہ حجاج کرام کو جو رہائش مہیا کی گئی وہ حرم سے کئی کلومیٹر کے فاصلے پر تھیں جن کا کرایہ ۱۵۰۰ سے زیادہ نہ تھا ان سودوں میں مالی بدعنوانی اور کرپشن کے شواہد موجود ہیں پرنس بندر بن خالد نے چیف جسٹس سے اس کا از خود نوٹس لینے اور تحقیقات کی التجا کی ہے۔

آپ میری اس بات سے بھی متفق ہوں گے کہ حج انتظامات میں جس قدر حکومتی کنٹرول بڑھتا ہے اسی قدر بدعنوانی ، بدانتظامی اور دوسری خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں اگر ہم حاجیوں کی آمد ورفت سے شروع کریں تو اس کرپشن کی کہانی حاجیوں کے جہاز میں سوار ہونے سے شروع ہو جاتی ہے پاکستان کے زیر انتظام چلنے والا پی آئی اے کا ادارہ جس کا عام دنوں میں کرایہ ۳۵ ہزار ہے عمرے کے سیزن میں ۵۰ ہزار سے رمضان میں ۵۶ ہزار حج میں ۸۰ سے ۹۰ ہزا

رتک اور آخری عشرے میں سوا لاکھ تک جا پہنچتا ہے مزید جہاز کی کئی کئی گھنٹوں کی تا خیر سے مسافروں کو جو کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی کہانی ایک الگ کالم کی متقا ضی ہے۔

بیت اللہ کے دیدار شوق میں صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے جب زائرین وہاں پہنچتے ہیں اپنی زندگی کی پونجی سے پائی پائی جوڑ کر بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ میں حا ضری کے خواب کو شرمندہ تعبیر بنانے کی تمنا لیے جب بدانتظام ، بدعنوانوں کے ہا تھوں لٹتے ہیں تو کیسے نہ جھولی بھر بھر کر بد دعائیں دیں تو کیوں نہیں فغان وفریاد کریں ان حجاج کرام کے لیے حرم اور منیٰ سے کافی دور رہائش کے انتظامات کیۓ گئے جن میں ہزاروں لوگوں کو سرے سے خیمے ہی میسر نہیں آئے نہ بجلی ،نہ پانی ،نہ ٹرانسپورٹ کی سہولت میسر کی گئی ہزاروں حاجی بھوکے پیاسے ننگی زمین پر لیٹتے رلتے رہے المناک خبر یہ کہ بہت سے عازمین حج راستہ بھٹک گئے اور حج نہ کرسکے کمانے والے آٹھ ارب روپے کھا گئے ان سب کے ذمہ دار وفاقی وزیر حامد کاظمی کا سارادھیا ن اپنے علاقے کے خصوصی عازمین حج، رحمان ملک اور دیگر وزراء کے عزیزو اقارب پر مبذول رہی ان لوگوں نے شاہی مہمان نوازی کا بھرپور لطف بھی اٹھایا۔ وی آئی پی حج کا مزہ لوٹ کر ایک ہی صف میں کھڑے محمود وایاز، نہ کوئی بندہ ،نہ بندہ نوازِ جیسے علامہ اقبال کے

نظریے کو بلکل غلط ثابت کر دیا۔
اس تمام مہمان داری آؤ بھگت پروٹوکول کے بعد ہمارے وزیر مذہبی امور نے حاجیوں کے جانب برتی جانے والی بد نظمی ، بدعنوانی اور لاپروائی کا سارا ملبہ سعودی حکومت پر ڈال دیا ہے حرجانے کا دعویٰ بھی کر دیا ہے پاکستان کی تریسٹھ سالہ تاریخ میں کبھی کسی دور میں سعودی حکومت پر برہمی اور بے اعتباری کا اندیشہ ظاہر نہیں کیا گیا کیونکہ سعودی حکومت نے ہر مشکل وقت میں پاکستان کو تنہا نہیں ہونے دیا دامے درمے سخنے ہر طرح پاکستان کی مدد کرتا رہا ہے آج بھی سیلاب زدگان کی مدد میں پیش پیش ہے دوسری جانب خادمین حرمین شریفین شاہ عبداللہ نے حاجیوں کو پیش آنے والی مشکلات کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی بنا دی ہے جو معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہو گی ہمارا مشورہ وفاقی وزیر حامد سعید کاظمی صاحب کے لیے یہی ہو گا کہ وہ اس معاملے میں جو کوتاہی برتی گئی ہے اسے سعودی حکومت پر ڈال کر پاکستان اور سعودی حکومت کی مثالی تعلقات کو خراب نہ کریں۔
سابق وزیر مذہبی امور اعجاز لحق سے جب ان کی رائے پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ " اس معاملہ میں بہت بڑا اسکینڈل پوشیدہ ہے یہ حکومت کے جانے

کے بعد یا پھر حج ڈائریکٹر راؤ شکیل خود جوڈیشل انکوائری میں بتا دیں کہ ان کا پارٹنر کون کون ہے " قوم کو تذبذب میں رکھنا بھی گناہ عظیم ہے ۲۰۰۹ حج کرپشن میں بڑے پیمانے پر ہونے والی کرپشن اور بدانتظامی کے بارے میں اس وقت وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کو آگاہ کیا تھا لیکن انھوں نے ان ارباب ختیار کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی آج پھر ۲۰۱۰ حج آپریشن میں پہلے سے بھی زیادہ بڑے پیمانے پر بدانتظامی اور کرپشن کے الزامات سامنے آئے ہیں ۔ایف آئی اے وزیر برائے مذہبی امور حامد سعید کاظمی ، سکیرٹری وزیر مذہبی امور آغا قزلباش اور سابق ڈی آئی جی راؤ شکیل سے تفشیش کر رہی ہے یہاں یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ یہ تینوں افراد حج آپریشن کے بھی ذمہ دار تھے اربوں روپے کے اس کرپشن میں فی الحال تو ۲۰۰۹ وزیر موصوف سمیت تمام رفقاء کار ایک دوسرے کو ناقص انتظامات کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں ۔ ہماری دعا ہے کہ اس کرپشن کے کرتا دھرتا ضرور اپنے انجام تک پہنچے ورنہ بقول مولانا مودودی گناہ اور غلطیاں اسی طرح انڈے اور بچے دیتی رہیں گیں۔

تہذیب وثقافت کی حفاظت کا دن

دوسری جنگ عظیم میں جب یورپ کے شہروں پر بمباری شروع ہوئی تو صدیوں پر انے مصوری کے اعلیٰ نمونے، قدیم گھڑیاں، قیمتی مرتیاں اور برتن میوزیم کے تہ خانوں میں انتہائی حفاظت سے چھپا دیے گئے ایک طرف خوراک، دواؤں کی قلت تھی لوگ روٹی کے ایک لقمہ کو ترس رہے تھے ان حالات میں لوگ بھوک مٹانے کی خاطر کوئی بھی قیمت لگانے کو تیار ہو سکتے تھے یورپی اقوام کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی مگر وہ اپنی جان دینا تو قبول کر سکتے تھے مگر اپنی تہذیب و ثقافت کا سودا کرنا قبول نہ تھا انھیں اس بات کا ذمہ دارانہ احساس بھی تھا کہ وہ اپنی اگلی نسل تک اپنے تہذیب وثقافت اپنے تاریخی ورثے کو منتقل کرنے کا کام بھی پورا کرنا ہے آج یورپی شہروں میں آباد میوزیم، فن وثقافت سے بھرپور آرٹ گیلریاں انھی عظیم لوگوں کی قربانیوں کا ثمر ہیں جنھوں نے اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے اپنے ورثے کی حفاظت کی اسے اپنی اگلی نسلوں کے لیے محفوظ کیا زندہ قومیں اپنی تہذیب و ثقافت کی حفاظت میں ہمیشہ کمربستہ رہتی ہیں ان سے وابستگی کا اظہار زندہ قوموں کی نشانی ہے وہ قومیں بہت خوش قسمت ہوتی ہیں جن کا ایک مضبوط کلچر، تاریخ اور ثقافت روایات ہو۔

پاکستان اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ملک ہے جس کے چاروں صوبے اپنی روایات کلچر، فن و ثقافت کی دولت سے مالا مال ہے۔ ۴ دسمبر کو صوبے سندھ نے فن و ثقا، فت کے حوالے سے منانے کا فیصلہ کیا ہے صوبہ سندھ تاریخی حوالے سے ہزاروں برس پرانی روایات اور لوک داستانوں کی تاریخ رکھتی ہے موئن جو دوڑو اور ہڑپہ کے آثار سے لے کر آج کے سائنسی دور تک اس سرزمین پر بہت سے بادشاہ، فاتح اور حکمراں گزرے جنھوں نے اپنے اپنے ادوار میں عوام پر اور ان کے دلوں پر فتح حاصل کرنے کو ششیں کی مگر ناکام ہوئے حقیقی فتح بزرگان دین اور صوفیا کرام کو نصیب ہوئی آج بھی لوگوں میں سماجی بیداری اور شعور پیدا کرنے میں مزار عرس اور خانقاہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے شاہ عبدالطیف بھٹائی، سچل سرمست، عنایت شاہ اور سامی جیسے بزرگوں نے اس کی تہذیب وتمدن میں اہم کردار ادا کیا میلے ٹھیلے، مزار، عرس خانقاہوں کے صوفیانہ ماحول دلوں کے کدورت دور کرنے میں پیش پیش رہے آج کی تہذیب و ثقافت سے سندھی شعراء کرام کو الگ کرکے نہیں دیکھا جا سکتا موجودہ زمانے میں بھی شاہ لطیف کا پیغام سندھ کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے سندھ کی تہذیب وثقافت کا اہم حصہ اس کے مایہ ناز ادیب بھی ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں اور لوک داستانوں میں اس سرزمین کی روایات اور تہذیب کو زندہ رکھا ہوا ہے وہ خواہ سوبھو گیان چندانی ہوں شیخ ایاز

اور امر جلیل یا دیگر ہوں۔

۴ دسمبر یوم ثقافت منانے کا اعلان جس کی تیاریاں زور و شور سے جاری وساری ہیں اس کا مقصد سندھ کی تہذیب وثقافت کو اجاگر کرنا ہے اس موقع پر مختلف سماجی اور سیاسی جماعتیں ثقافتی پروگرام منعقد کریں گی سندھی اجرک اور ٹوپیاں جو سندھی تہذیب کا خاص حصہ ہیں بڑے پیانے پر تقسیم کی جارہی ہیں پچھلے سال جب یہ دن منایا گیا تھا تو ریکارڈ تعداد میں سندھی ٹوپیاں اور اجرک فروخت ہوئیں تھیں ایم کیوایم سمیت دیگر جماعتوں نے سندھ سے اظہار یکجہتی اور محبت کے لیے ٹوپی اور اجرک پہنی اور تحفہ میں بھی دیں سندھ کی روایات کے مطابق جب کوئی مہمان سندھو دیش میں قدم رکھتا ہے تو اس کی عزت وتکریم کے لیے بطور تحفہ سندھی ٹوپی اور اجرک دی جاتی ہے سندھی ٹوپی کی خوبصورت بناوٹ اس میں لگائے گئے شیشے، ستارے اور موتی کے ساتھ باریک کام کی بنائی میں جو عرق ریزی بلکہ دیدہ ریزی درکار ہے وہ اسے دیگر صوبوں سے ممتاز کرتی ہے اس کا سارا کام ہاتھوں کی محنت کا ثمر ہے سندھی اجرک کے بارے میں سندھ کی مایہ ناز مصنفہ کہتی ہیں کہ " اگر کوئی نہیں جانتا کہ ہماری تاریخ اور تہذیب میں اجرک کی قدامت کتنی ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے تو اس کی ناواقفیت کے بارے میں صرف افسوس کیا جاسکتا ہے سندھو کے کنارے کپڑا بننے اور اس کی

چھپائی کی شہادت کا قدیم ثبوت دجلہ وفرات کی کھدائی میں نکلنے والی گائے اور بیلوں کے مجسموں پر پڑے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے پر بھی ہمارے موئن جو ڈرو کے راج پروہت کے شانے سے لپٹی ہوئی شال پر چھپا ہوا سہ رگے کا نمونہ دکھائی دیتا ہے ہزاروں برس پہلے سندھو کے میٹھے پانی نے کپاس کو سینچا عورتوں نے کپاس چنی مردوں اور عورتوں نے مل کر چرخے پر سوت کاتا اور اجرک کا تاریخی سفر شروع ہوا اور پھر " یہ سلسلہ ڈھاکہ کہ ململ اور سوسی کے تھانوں تک دراز ہوتا گیا

اجرک سوتی کپڑے سے بنائی جاتی ہے جس تیاری میں سندھو دیش کی زرخیز مٹی، پانی، گوند، گوبر، نیل اور دیگر اجزا کی آمیزش شامل ہے پھر اسے دنوں دریا میں ڈبویا جاتا ہے موئن جو ڈرو کی کھدائی کے دوران ایک رنگ ریز حوض بھی دریافت کیا گیا سندھو کے ساحل پر نیل کی کاشت کے آثار بھی ملے ہیں لکڑی کے دیدہ زیب ٹھپوں پر سبزیوں کے قدرتی رنگوں سے سوتی کپڑے پر نقش و نگار سندھ کے ہنر مندوں کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے ان ہنر مندوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شاہ عبدالطیف فرماتے ہیں

چلو تو کوریوں (جولاہوں) کے پاس چلتے ہیں جہاں پیار بنا جاتا ہے
وہ لوگ سارا دن دھاگے جوڑتے ہیں کیوں کہ انھوں نے محبت کا دھاگہ توڑنا

نہیں دیکھا

سندھی ٹوپی اور اجرک منانے کا مقصد پورے ملک میں سندھ کی تہذیب و ثقافت کو جاننے کا موقع فراہم کرنا بھی ہے سندھ کی تہذیب اس کی میٹھی زبان کے بارے میں دیگر صوبوں کو اور خود ہماری نسلوں کو آگاہی دینا ہے وطن سے محبت ایک قدرتی جذبہ ہے انسان جس دھرتی پر پیدا ہوتا ہے اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے پاکستان کے چاروں صوبے ہماری روایات تہذیب وثقافت کا مہکتا گلدستہ ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ تمام صوبوں کے ثقافت و روایات کو منایا جائے کیونکہ ہم سب کو پاکستان کے تمام ثقافتی روایات اور قدروں سے محبت ہے۔

سقوط ڈھاکہ چشم عبرت

١٦ دسمبر کے سیاہ دن میجر جنرل ناگر ایک گولی فائر کیے بغیر ڈھاکہ میں داخل ہو گیا اس کے ساتھ مٹھی بھر بھارتی فوج اور ڈھیر ساری فاتحانہ نخوت تھی عملاً یہ ڈھاکہ کا اختتام تھا اگرچہ اس کو دفن کرنے کی رسم ابھی باقی تھی ڈھاکہ یوں چپ چاپ سو گیا جیسے اچانک حرکت قلب بند ہو گئی ہو وہاں نہ کوئی ہاؤ ہو ہوئی نہ کوئی مار کٹائی ہوئی ، سنگاپور ، پیرس .برلن کے سقوط کی کوئی کہانی نہ دھرائی گئی دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹرن کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر کو سمیٹ لیا گیا دیواروں سے جنگی نقشے اتار لیے گئے ٹیلی فون کی روح قبض کر لی گئی بھارتی ماتحتوں کے لیے پرانے ہیڈ کوارٹر کو جھاڑا پونچھا گیا۔ میجر جنرل جیک اپنے ساتھ ایک دستاویز لائے جسے " سقوط ڈھاکہ کی دستاویز ،، کہا جاتا ہے جسے پاکستانی جنرل امیر عبد اللہ نیازی جنگ بندی کا مسودہ کہنا پسند کرتے تھے تھوڑی دیر میں بھارتی کمانڈر جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے استقبال کے لیے جنرل نیازی ڈھاکہ ائیر پورٹ گئے بھارتی کمانڈر جنرل اپنی فتح کی خوشی میں اپنی شریمتی کو بھی ساتھ لایا تھا جوں ہی یہ میاں بیوی ہیلی کاپٹر سے اترے، لاکھوں بنگالی مردوں اور عورتوں نے اس نجات دہندہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا پھولوں کے ہار پہنائے شکریہ کے

جذبات سے خوش آمدید کہا جنرل نیازی نے سلوٹ کیا یہ نہایت ہی دلدوز منظر تھا فا تح اور مفتوح۔ وہاں سے دونوں جنرل رمنا ریس کورس گراؤنڈ آئے جہاں سر عام جنر ل نیازی سے ہتھیار ڈالنے کی تقریب کا نظارہ کرنے کے لیے لاکھوں بنگالی موجود تھے چھوٹی سی میز پر بیٹھ کر جنرل نیازی نے سقوط مشرقی پاکستان پر آخری مہر ثبت کی۔ اس چھوٹے سے اقتباس کے خالق صدیق سالک اس تمام سانحہ کے چشم دید گواہ ہیں ہماری نئی نسل اور ہمارے قائدین کے لیے ان کی کتاب چشم عبرت سے کم نہیں اس تاریخ کے حقائق کو جاننا ان غلطیوں کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنا ۱۶ دسمبر منانے کی اصل بنیاد ہے۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک گھمبیر اور وسیع موزوں ہے جس کے کئی تاریخی، سیاسی اور معاشی پہلو ہیں مگر بھارت کی جارحیت اور سازش نے اہم کردار ادا کیا شروع دن سے بھارتی سیاست دانوں اور حکمرانوں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا وہ مشرقی پاکستان میں دبی چنگاری کو شعلے میں تبدیل کرنے کی تگ و دو میں لگے رہے ایک طرف تو وہ بنگالیوں میں قوم پرستی کے جذبہ کو ابھار رہے تھے تو دوسری طرف انھوں نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان حائل جغرافیائی فاصلے کو اپنی مفاد میں استعمال کرنے کو ششیں بھی جاری رکھیں بظاہر ۳۰ جنوری کو دو کشمیری نوجوان ہندوستان کا

فوکر طیارہ اغوا کر کے لاہور لانے بعد کی عدالتی تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ ہندوستان کی سازش تھی اس نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر ہندوستان کے اوپر سے گزرنے والی پی آئی اے کی پروازیں بند کر دیں اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں صوبوں میں جو فاصلے دو گھنٹے میں طے ہوتا تھا اب (براستہ سری لنکا) چھ گھنٹے لگتے تھے اغوا کی یہ اسکیم ہندوستان نے بہت پہلے تیار کی تھی مگر اس پر عمل درآمد بھٹو مجیب مذاکرات کی ناکام ہونے پر کیا اس طرح اسے ڈھاکہ سے قریب ہونے کی وجہ سے کھلم کھلا مشرقی پاکستان میں مداخلت کی موقع ملا۔

سقوط ڈھاکہ کے اسباب و واقعات میں غیروں نے تو اپنا کردار ادا کیا ہی تھا اپنوں نے کا کیا حصہ تھا کہاں کہاں اور کیا کچھ سازشوں کے تانے بانے بنے گئے تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں تو اصلاح احوال کی کہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کا ایک حصہ شائع ہو گیا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے اسے بھی شائع کر دیا جائے تا کہ تمام حقائق بے نقاب ہو جائیں اور قوم کو معلوم ہو جائے کہ اصل مجرم اور سازشی کون تھے۔ قیام پاکستان میں مشرقی پاکستان نے اہم کردار ادا کیا ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ اسی صوبے میں قائم ہوئی جب ۱۹۴۰ء میں پاکستان کی قراداد منظور کرنے کے لیے ووٹ ڈالے گئے تو بنگال کے مولوی عبدالحق نے پاکستان کے حق میں ووٹ

دیا قیام پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کے سیاسی کرداروں نے مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے ہتک آمیز سلوک روا رکھا اسمبلیوں میں ان کے کسی مشورہ اور تجویز کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کا فیصلہ بھی اس نفرت میں اضافہ کا سبب بنا بنگالی قومیت کے جذبات کو ابھارا گیا مشرقی پاکستان کے وسائل اور آمدنی مغربی پاکستان پوری طرح استعمال کر رہا تھا اس کے احساس محرومی کا بیج آہستہ آہستہ نفرت کے تناآور درخت میں تبدیل ہو رہا تھا پاکستان میں برابر فوجی حکومتیں طاقت کے زور پر بنگالی عوام کے حقوق غضب کرنے کی کوششیں کرتی رہیں ایسے سنہری موقع سے بھارت نے خوب فائدہ اٹھایا بنگالی عوام کو اپنی ہمدردیوں کے فریب میں جکڑ کر بنگالی بہاری فسادات کرائے گئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الحسن جو وفاقی وزیر بھی رہ چکے تھے ان کا کہنا تھا "کہ مشرقی پاکستان میں فسادات کا اصل سبب مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان وہ غلط فہمیاں ہیں جن سے نفرت پیدا کی جارہی ہے" ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اختلافات ختم کئے جاتے مگر ان سے لاپروائی برتی گئی جنرل یحییٰ خان کی آمریت کے سائے میں ۹ دسمبر ۱۹۷۰ء کو الیکشن کرائے گئے نتائج سامنے آئے تو مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ نے اور مغربی پاکستان سے ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔ ۳ مارچ کو قوانین کے مطابق ڈھاکہ میں اجلاس منعقد

ہونا تھا مگر پیپلز پارٹی نے بیٹھنے سے انکار کردیا ان معاملات کو سلجھانے اور دونوں لیڈروں کو متحد کرنے کی خوبی یحییٰ خان میں نہ تھی ان کی اپنی مصروفیات اور دلچسپیاں تھیں انھیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ پاک فوج کس قدر نامساعد حالات میں مشرقی پاکستان کو سنبھالا دیے ہوئے ہے بار بار کے ٹیلفون اور پیغامات دینے کے باوجود جنرل یحیٰی کوئی جواب نہ دیتے تھے بالاخر شیخ مجیب الرحمٰن کی شرانگیزی اور بغاوت کے باعث پاک فوج اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکی اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا
۔

زندہ قومیں ماضی کے غلط فیصلوں سے سبق سیکھ کر اپنے مستقبل کو بہتر بناتی ہیں لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے ماضی کی غلطیوں سے چشم پوشی کی آج بھی صوبے اپنے وسائل کو استعمال کے لیے وفاق کے دست نگر ہیں آج بھی ہم لسانی قومیتی فسادات کا شکار ہیں ذوالفقار مرزا کا تازہ بیان اس کی نئ مثال ہے آج بھی بھارت وزیرستان اور بلوچستان میں کھلی مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہے ۱۶ دسمبر ہم پاکستانیوں کو چشم عبرت کی دعوت دے رہا ہے۔

پاک چین دوستی - نئی تجدید نئے عزائم

عاشورہ محرم کی سوگوار ساعتوں میں چین کے وزیر اعظم وین جیا باؤ پاکستان تشریف لائے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا گیا ڈھول باجوں سے خیر مقدم نہیں کیا جا سکا کیونکہ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی ملک ہے چین اور پاکستانی دوستی اور تعلقات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں چینی وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ پاکستان ان کا دوسرا گھر ہے ایک بڑی واضع دلیل ہے اگرچہ دونوں ممالک کے عوام مختلف مذاہب و نظریے اصول اور عقیدے کے حامل ہیں چینی سیاست کوئی انتشار نہیں جبکہ یہاں انتشار ہی انتشار نظر آتا ہے وہاں ہر شخص کام کرتا ہے کوئی کسی سے جھگڑتا نہیں حکمرانوں کا رہن سہن بہت سادہ ہے کرپشن، رشوت اور جھوٹ کے بل پر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی جب کہ ہمارے ہاں کامیابی کا یہی معیار بن گیا ہے دونوں قوموں میں سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ امریکہ جو دنیا کا سپر پاور ہے چین کے اربوں روپے کا مقروض ہے جب کہ ہم امریکہ کی غلامی اور ڈالروں کے لالچ میں مبتلا اس کی خوشنودی میں لگے ہوئے ہیں گزشتہ کئی برسوں سے ہم نے اس دیرینہ دوست کو نظر انداز کرکے امریکہ کے آگے دست دراز کیا ہوا ہے یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم امریکہ کے خوف کے آگے چین سے سرمایہ کاری سے بھی گریزاں رہے ہیں اس سب کے باوجود پاک چین دوستی کہیں

زیادہ گہری اور با معنی ہیں۔
چین ہمارے لیے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اقتصادی ترقی اور دفاعی شعبوں میں بے مثال استحکام کے لیے ایک چیلنج اور قابل تقلید مثال کا درجہ رکھتی ہے ہم اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ۱۹۴۸ء سے قبل وہ ایک پسماندہ افیونی قوم سے پہچانی جاتی تھی اسے ہم سے دو سال بعد آزادی نصیب ہوئی اس کے باوجود اس وقت چین دنیا کی ایک بڑی معاشی طاقت کے طور پر ابھر رہا ہے اس کی کامیابی کا ڈنکا چہار عالم میں بج رہا ہے اس وقت چین دنیا کی چوتھی بڑی معشیت ہے چین آبادی اور رقبے کے لحاظ سے دنیا کا بڑا ملک ہے اس کی کثیر آبادی اس کے ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی بلکہ اس قوم کی انتھک محنت اور محب وطن قیادت کا معجزہ ہے کہ اسکے سامنے جاپان اور امریکہ کی مضبوط ترین معیشت بھی ہیچ ہو کر رہ گئی ہے۔ چین آئندہ بھی اپنی اقتصادی اور تجارتی سرگرمیوں کو توسیع دینا چاہتا ہے جس کے لیے وزیر اعظم وین جیاباؤ نے پہلے بھارت اور پھر پاکستان کا دورہ کیا چین کا یہ دورہ پاکستانی قیادت کے لیے سنہری موقع ہے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ ہم چین کے تعاون سے مشترکہ صنعتیں قائم کریں جس کے فائدے سے دونوں ممالک مستفید ہوں گے۔

چینی وزیر اعظم کے تشریف آوری کے بعد پاک چین دوستانہ تعلقات کی تجدید اور مضبوطی میں اضافہ ہوا ہے چینی وزیر اعظم نے پاکستان آمد کے بعد دونوں ممالک کے درمیان ۳۰ ارب ڈالر کے معاہدے پر دستخط کئے توانائی اور ٹیکنالوجی کے لیے تعاون جاری رکھنے کا عزم بھی دھرایا گیا چین کے ایک بڑے بینک (آئی سی بی سی) کو کراچی اور اسلام آباد میں اپنی شاخیں کھولنے کی منظوری اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے دے دی ہے چینی بنک پاکستان میں بینکاری کے شعبے میں نمایاں پیش رفت کا نقیب ہوگا آئی سی بی سی بنک کے کسٹمر کی تعداد پاکستان کی آبادی کے لگ بھگ ہے اس سے پاکستانی ملازمتوں میں بھی اضافہ ہوگا۔

چینی وزیر اعظم نے صدر اور وزیر اعظم کے عشایئے اور ظہرانے میں بھی شرکت کی وہ پاکستانی تاریخ میں چھٹے غیر ملکی لیڈر ہیں جنھوں نے پارلیمنٹ سے خطاب کیا چین میں کہاوتیں نہ صرف مشہور ہیں بلکہ چینی عوام ان کہاوتوں اور نصیحتوں پر سختی سے عمل بھی کرتی ہیں کنفیوشش اور ماوزے تن کے اقوال اور مثل ان کے لیے خضر راہ کا کام دیتی ہیں یہ ان کی روایت کا حصہ ہیں اسی لیے چینی وزیر اعظم نے نہایت خوبصورت کہاوتوں اور ضرب لمثل کا حوالہ دیتے ہوئے پاک چین دوستی کی تجدید کی انھوں نے کہا کہ گھوڑے کی طاقت کا اندازہ لمبی مسافت کے دوران ہی ہوتا ہے صنوبر کے سدا بہار درخت سے دونوں

ملکوں کی دوستی کو تشبیہ دی اپنی ہمسائیگی کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ اچھا پڑوسی دور کے رشتہ دار سے بہتر ہوتا ہے۔ چین نے ہر آزمائش میں اچھے پڑوسی کا حق ادا بھی کیا ہے پاکستان پر جب بھی کوئی آفت پڑی ہے اس نے دل کھول کر امداد کی ہے حالیہ سیلاب میں بھی اس نے اپنے اس کردار کو دھرایا ہے، عسکری آزمائش میں پاکستان کا دلیری اور بہادری سے ساتھ دیا۔ چین جو نہ صرف کشمیر کو متنازعہ علاقہ سمجھتا ہے بلکہ آئے دن کشمیریوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بھی بلند کرتا ہے مقبوضہ کشمیر کے عوام کو بھارتی پاسپورٹ کے بجائے علیحدہ کاغذ پر ویزا پرمٹ جاری کرتا ہے جو سفارتی حقیقت ہے کہ وہ کشمیر کو بھارت کا حصہ نہیں سمجھتا اس سلسلے میں بھارت نے اس پر کئی بار احتجاج کیا کئی بار چین کو اپنے تحفظات سے آگاہ بھی کیا ہے لیکن چین اپنے موقف پر قائم ہے۔

ہماری پاکستانی قیادت کے لیے یہ سنہری موقع ہے کہ چین کی اقتصادی و تجارتی پیشکش سے بھرپور استفادہ کیا جائے چین کا فنی و تیکنکی تعاون نہ صرف پاکستان کو موجودہ توانائی کے بحران سے نجات دلا سکتا ہے بلکہ پورے ملک کو خوشحالی کی نئی بلندیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے چینی قوم کی اپنے وسائل پر انحصار اور خوداری نے آج ان کو ترقی کی انتہائی بلندی پر پہنچا دیا ہے۔ چین جیسی قوم کے لیے کسی سیانے نے کہا ہے کہ 'مبارک ہیں وہ لوگ

جن کے پاس نصیحت کرنے کے لیے الفاظ نہیں اعمال ہوتے ہیں"۔

قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ ایک باہمت پر عزم شخصیت

یہ کہانی ہے ایک ناکام معاشرے کے کامیاب آدمی کی ایک صاحب استقلال کی داستا
ن جو عمر بھر اپنے مقاصد سے جڑا رہا جس نے کبھی اپنی راہ کھوٹی نہیں ہونے دی وہ
آدمی جس نے اپنے طے کردہ ہدف کو حاصل بھی کیا اور اس پر کبھی کسی زعم کا شکار نہ
ہوا، ایک اجلا برتر خواب آدمی کو کیا بنا دیتی ہے قدرت جب کسی کا انتخاب کر لیتی ہے
تو وہ دوسروں جیسا نہیں رہتا قائد اعظمؒ کی پوری زندگی بھی عام لوگوں سے مختلف تھی
انھوں نے اپنے اس قول کی عملی تفسیر بن کر ساری زندگی گزاری " کہ کسی کام کو کر
نے سے پہلے سو بار سوچو کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا ایسا کرنا چاہیے جب تمھارا ذہن
فیصلہ دے کہ ہاں ایسا کرنا درست ہے تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کر
لو اور دم اس وقت لو جب اسے پورا کر لو اس بات سے نہ گھبراؤ کہ راستے میں
مشکلیں آئی گی رکاوٹیں ہوں گی اپنی منزل کی جانب نگاہ کرکے آگے بڑھتے چلے جاؤ
انشاءاللہ کامیابی تمھارے قدم چومے گی ہم جتنی زیادہ تکلیفیں قربانیاں دینا سیکھیں
گے اتنا ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم بن کر ابھریں گے جیسے سونا آگ میں
تپ کر کندن بن جاتا ہے "

اس کندن جیسی شخصیت نے ۵۲ دسمبر ۱۸۷۶ء نیو نھم روڈ کراچی کے ایک گھر میں آنکھ کھولی ۶ برس کی عمر میں مدرسہ اور پھر سندھ مدرستہ اسلام اسکول میں داخل ہوئے جس کے دروازے پر لکھا تھا کہ ' علم حاصل کرنے کے لیے آؤ اور خدمت کے لیے جاؤق زمانہ طالب علمی میں ان کے جوہر کھلنا شروع ہوئے چچازاد بھائی کی بیوہ فاطمہ بائی کا کہنا ہے 'کہ مجھے محمد علی کی صحت کا بڑا خیال رہتا تھا میں اکثر ان سے کہتی کہ اتنی رات نہ جاگا کریں صحت پر برا اثر پڑے گا اس پر محمد علی مسکرا کر کہتے کہ بائی میں اس لیے زیادہ پڑھتا ہوں کہ مجھ کو ایک دن بڑا آدمی بننا ہے کیا آپ پسند نہیں کرتیں کہ میں بڑا آدمی بنوں' دسویں جماعت امتیازی نمبروں سے پاس کی جس کے بعد آپ کی شادی مٹھی بائی سے ہو گئی والد کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے لیکن بیٹے کے مزید تعلیمی شوق کی خاطر انگلستان بھیجنے پر راضی ہو گئے لندن پہنچ کر لنکن اِن میں داخلہ لیا جس کے صدر دروازے پر عظیم ترین قانون سازوں کے نام درج تھے جن میں سر فہرست محمد ﷺ کا نام مبارک تھا۔ لندن میں بڑی محنت سے قلیل مدت میں تعلیم حاصل کی مگر لنکن اِن کی رسم پورا کرنے کے لیے انھیں مزید دو سال وہاں رکنا پڑا آپ انگلستان بار میں شامل ہونے والوں میں سب سے کم عمر تھے قدرت نے آپ کو انگلستان میں دوران قیام لبرل مکتب خیال سے ملنے کا موقع دیا نتیجہ آپ ان کے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھنے لگے قائدا عظمؒ ۱۸۹۶ء کو لندن سے قانون کی اعلیٰ ڈگری لے کر واپس

ہندوستان آئے اس دوران آپ کی شفیق والدہ اور بیوی کا انتقال ہو چکا تھا والد کی طویل علالت کے باعث علاج پر پیسہ پانی کی طرح بہایا دوسری جانب کاروبار پر بھی توجہ نہ دے سکے جس کے باعث کاروبار بھی تباہ ہو گیا گویا کراچی آتے ہی قائداعظمؒ کو گھریلو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ ہمت ہارنا نہ جانتے تھے کراچی کی بعض فرموں نے آپ کو کام کی پیشکش کی قائداعظم کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو اس آفر کو قبول کر لیتا مگر آپ بڑے عزائم لے کر آئے تھے سو بمبئی میں بہتر مواقع کی تلاش میں چل دیے تین سال انتہائی تنگ دستی اور عسرت میں گزارے مگر اپنے کام کو انتہائی تندہی، محنت اور جرات سے کرتے رہے وہ لوگ جنھیں دنیا میں عظیم کام کرنا ہوتے ہیں وہ مشکلات کی پرواکیے بغیر منزل مقصود کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالی بھی ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں پریذیڈینسی مجسٹریٹ کے انتخابات میں بڑ ے بڑے کامیاب وکیلوں کے مقابلے میں آپ کامیاب ہوئے گرچہ یہ ملازمت تین ما ہ کے لیے تھی مگر آپ کی محنت وجانفشانی کو دیکھ کر افسران بالا نے اسے مزید تین ماہ بڑھا دیا محکمہ عدلیہ کے سربراہ سر چارلس اولیو نٹ نے آپکو مستقل اس عہدے کو قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا اب آپ کے مالی حالات پہلے سے بہت بہتر تھے آپ اعلیٰ سوسائٹی میں جانے پہچانے جاتے تھے قائد کا فرمان تھا کہ ’ زندگی ہر شعبے میں کیریٹر کی بلندی ضروری چیز ہے آپ میں احساس

خودی کردار اعلیٰ کے ساتھ ساتھ یہ صنف بھی ہونا چاہیے کہ آپ دنیا میں کسی کے ہاتھ بک نہ جائیں' قائداعظمؒ خود اس قول کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ہر بڑے آدمی کی کچھ خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں قائداعظمؒ میں ایسی بہت سی خوبیاں تھیں آپ کی خوش لباسی ضرب المثل بن چکی تھی آپ کی نشست وبرخاست اور گفتار دیکھ کر ایک امریکی ڈرامہ نویس کو کہنا پڑا کہ "صد افسوس دنیائے اسٹیج نے ایک عظیم آرٹسٹ کو کھو دیا' قائداعظمؒ وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے جس طرح وہ اپنی رائے کا اظہار نہایت بے باکی اور جرات سے کرتے تھے اسی طرح دوسروں سے بھی اس کی امید رکھتے تھے جب کوئی فیصلہ ہو جاتا تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے قائداعظمؒ نے اپنی زندگی میں رتن بائی کو شامل کرنے کا فیصلہ کئی مخالفتوں کے باوجود کیا ۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء کو رتن بائی نے اسلام قبول کیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

قائداعظمؒ کی ذاتی زندگی سے الگ آپ اپنی قوم کی محبت اور ان کی فلاح کے جذبہ سے بھی سرشار تھے دادا بھائی نوروجی کی تربیت نے قائداعظمؒ کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ بھر دیا تھا یہاں سے ایک نئے سفر نئی منزل اور ولولے کا آغاز ہوتا ہے قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کا کاروان آزادی حصول پاکستان کی جانب رواں دواں ہوا ۱۹۴۰ء میں قرار داد پاکستان

کامیاب ہوئی اور صرف سات سال کے قلیل عرصے میں پاکستان معرض وجود میں آگیا اسے معجزہ کہہ لیں یا اس مرد مجاہد کی شب روز کی انتھک محنت کا نتیجہ دنیا کے نقشے پر ایک بڑی اسلامی ریاست بن کر ابھرا ہمارے سیاسی قائدین کے لیے انکی سیاسی زندگی کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ سیاست میں شرکت کے لیے آپ نے اپنی مالی حالت بہتر ہونے کا انتظار کیا حقیقت یہ ہے کہ صرف وہی شخص خلوص سے وطن کی خدمت انجام دے سکتا ہے جو قومی چندے کی فراہمی کا محتاج نہ ہو قائد کی ساری زندگی شاہد ہے کہ انھوں نے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا بانی پاکستان نے قوم کو اتحاد تنظیم اور یقین محکم کا درس دیا بابائے قوم نے اپنی قوم کے لیے تن من دھن کی قربانی دی ایسے لوگ مر کر زندہ وجاوید رہتے ہیں ان کی کامیابی آسودہ کر دیتی ہے۔۔۔

ایم کیو ایم ملاکھڑا کے میدان میں

ایم کیو ایم کی جماعت اپنی کیریر میں کئی معاشی ، ریاستی اور سیاسی ملاکھڑوں سے نبرد آزما ہوئی مگر ۲۵ دسمبر کو اندرون سندھ اپنے سیاسی سرگرمیوں کا آغاز بھٹ شاہ کے ملاکھڑا میدان کا انتخاب کرکے دیگر جماعتوں کو سیاسی ملاکھڑے کی دعوت دے دی ہے اب اس میں جیت اسی سیاسی پارٹی کی ہوگی جو عوام سے زیادہ قریب اس کے مسائل کے حل میں زیادہ فعال ہوگی جس کے وزرااور اسمبلی ارکان عوامی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے جس کے لیڈرز اور عہدیدار کرپشن اور لاقانونیت کے الزام سے.بری ہوں دیگر سیاسی جماعتوں کی بہ نسبت ایم کیو ایم کا دامن ان.برائیوں سے کافی حدتک بے داغ نظر آتا ہے۔

ایم کیو ایم قومی اسمبلی میں چوتھی.بڑی سیاسی جماعت ہونے کی بناء پر حکومت کے دوسرے اہم ستون کی حیثیت رکھتی ہے ایم کیو ایم نے اس دھائی میں اپنا امیج سیاسی لحاظ سے بہت بہتر بنایا ہے مشرف دور حکومت میں کراچی کی نظامت سنبھالنے کے بعد گزشتہ صدی کے کراچی اور موجودہ کراچی میں زمین آسمان کا فرق ہے پورے شہر میں انڈر پاسز، فلائی اوورز اور سڑکوں کا جال بچھا ہے اس کے زیر انتظام پورے شہر میں کچرا اٹھانے کے بہتر

انتظام سے لے کر واٹر سپلائی تک کے منصوبوں کو وسعت ملی ہے۔ کراچی کے ساتھ ساتھ حیدر آباد میں شاندار ترقیاتی کام کیۓ گۓ یقیناً ایم کیو ایم کے پاس عوام کو متاثر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے اس کی تنظیمی صلاحیتیں دیگر جماعتوں سے بہت بہتر ہیں اس نے متوسط طبقے کے کارکنوں کو اسمبلیوں وزارتوں میں بھیج کر نئی مثال قائم کی ہے جب کہ دیگر جماعتوں میں ساری زندگی خدمت کے باوجود بھی کارکنوں کو کوئی بڑی ذمہ داری نہیں ملتی اسمبلی میں جانے کی مثال تو بہت دور کی بات ہے روایتی سیاست میں سب کچھ خاندانی رشتے اور تعلقات سے عہدوں کی بندر بانٹ کی جاتی ہے یقیناً ایم کیو ایم اس سیاسی کلچر کو ختم کر سکتی ہے۔

ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں سچ اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں جب کہ دیگر جماعتیں بہت محتاط بیانات جاری کرتی ہیں اگر ہم سچ بولنے اور سننے کا حوصلہ پیدا کرلیں تو سارے مسائل خود بخود ختم ہو جائیں گے غلط بیانی اور جھوٹ کا سہارا شخصی بنیاد پر ہی نہیں بلکہ قومی اجتماعی اور سیاسی بنیاد پر بھی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے ایم کیو ایم نے حکومت میں رہ کر اپوزیشن کا کردار ادا کیا ہے ا س مخالفت کا تعلق خواہ این آر او سے ہو یا بجٹ میں اشیائے خورد نوش کی قیمتوں سے ہو یا پھر امریکہ کی غلط پالیسیوں پر اسے للکارنے سے ہو

۔۲۲ اگست کو الطاف حسین کے خطاب نے ملکی سیاست میں طلاطم برپا کر دیا تھا جب انھوں نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ "محب وطن جرنیل سیاست دانوں کے خلاف مارشلاء جیسے اقدام کریں" خاص طور پر جاگیردارانہ اور سرمایہ دار جماعتوں کا سیاسی نظام پر قابض ہونے والوں پر ایکشن لینے کی تجویز پر اقتدار کے ایوانوں میں سخت بے چینی پائی گئی جاگیر دار اور سرمایہ دار جائز و ناجائز طریقے سے دولت اکھٹی کرتا ہے اس طرح نہ وہ معیشت کو چلنے دیتا ہے اور نہ ریاست کو، جس دن اسے قرضے اور ملکی دولت رائٹ آف کرانے کے بجائے محنت اور پیداواری طریقے سے ادا کرنے کی توفیق ہو گی اسی دن اس ملک سے کرپشن بھی ختم ہو جائے گی۔پڑوسی ملک جاگیر داری نظام کو مدت ہوئی خیر باد کہہ چکا ہے دنیا میں اداروں کے کردار بدل گئے ھتیاروں کی جگہ اب مضبوط معیشتی طاقت نے لے لی ہے مگر ہمارے حکمراں دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کو ابھی تک قبول کرنے میں پس وپیش کر رہے ہیں وہ آج بھی سامراجی حکمرانوں کے جانشین ہیں اگر ہماری سیاسی جماعتیں من حیث القوم اپنے آپ کو سچائی کے آئینہ میں دیکھنے کا حوصلہ پیدا کرلیں تو پاکستان کی تمام مشکلوں کا باآسانی مقابلہ کیا جا سکتا ہے ایم کیوایم نے ان تمام حقائق کو سمجھتے ہوئے حکومتی اتحادی ہونے کے باوجود آر جی ایس ٹی کی مخالفت میں اسی لیے سب سے آگے رہی ہے کہ ایک طرف تو ملکی خزانے میں صدر وزیر اعظم اور کابینہ کے دوروں کے لیے اربوں روپے موجود ہیں

لیکن غریب آدمی کے لیے ایک پائی نہیں حکومت غریب آدمی کو کفایت شعاری اور سادگی کا درس دیتی ہے مگر ساتھ ہی اپنے اللے تللے میں مزید اضافہ کر دیتی ہے اگر وزیر اعظم اور کابینہ اپنے بجٹ میں نصف کمی کر دے تو بار بار نئے ٹیکس کی ضرورت نہ رہے بھٹ شاہ کے تازہ خطاب میں الطاف حسین نے آر جی ایس ٹی ٹیکس لگانے کے بجائے جاگیر داروں پر زرعی ٹیکس لگانے پر زور دیا سرمایاداری نظام کی مخالفت کا عادہ کرتے ہوئے سندھ کے غریب ہاری کی مظلومیت اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا ذکر کیا اپنی تقریر میں شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے پیغام محبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سندھی اردو بولنے والوں کا مرنا جینا سندھ سے وابسطہ ہے کچھ عناصر سندھ کو تقسیم کرنے اور لسانی فسادات کرانے کی کوششوں میں لگے ہیں انھوں نے آئی ایس آئی کے سربراہ کا امریکہ طلبی کو نامنظور قرار دیا ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو پاکستان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔

سندھ بھر سے ایم کیو ایم کے ہزاروں کارکن اپنے قائد کی تقریر سننے کے لیے ملا کھڑا کے میدان میں قافلے کی شکل میں پہنچے تھے انھوں نے سندھی ٹوپی اور اجرک پہن کر سندھ کی سندھی ثقافت وروایت سے اپنی بھرپور محبت کا ثبوت پیش کیا جس منظم انداز سے یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی اسکی کامیابی دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ آئندہ آنے والے سالوں میں ایم کیو ایم بڑے پیمانے پر

ملکی سیاست میں اثر انداز ہو گی اس نے اپنے پھیلاؤ کا آغاز پہلے پنجاب اور اب اندرون سندھ سے کر دیا ہے ان علاقوں کے ذہین تعلیم یافتہ افراد اس کی تنظیمی پالیسی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے جس سے حکومتی ایوانوں میں پڑھے لکھے قابل لوگ ملکی حالات اور سیاسی ڈھانچہ درست کرنے میں معاون ثابت ہوں گے بلاآخر گزشتہ چھ عشروں سے پاکستانی سیاست پر قابض استحصالی طاقتیں، ادارے، جاگیر دار اور سرمایہ داروں سے ملا کھڑا اپنے منطقی انجام کو پہنچے گا۔

خوف آتا ہے

شہر کراچی کا ہر فرد سہما ہوا ڈرا ہوا دکھائی دے رہا ہے یوں محسوس ہوتا ہے گویا دشمن کے نرغے میں ہیں قابض فوج فاتح کی طرح قتل عام کر رہی ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم اپنے مقدر کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتے کہ آخر دہلی بھی تو سات بار لٹی تھی نادر شاہ نے وہاں پر پانچ روز تک قتل عام کا حکم صادر کرایا تھا۔ لیکن ! یہاں تو اپنے ہی اپنے گھر کو آگ لگانے اپنے ہی گھر کے چراغ ہیں یہ تو ہمارے ہم وطن اور مسلمان ہیں۔

کراچی میں آگ و خون کا کھیل پھر اپنے عروج پر ہے ارباب اختیار اسے روکنے سے قاصر اور بے بس ہیں پھر وہی سیاسی پارٹیوں سے گفت وشنید اور باہمی مفاہمت اور تعاون کی یقین دہانیاں ہیں اس بار حکومت نے کراچی میں جزوی کرفیو کے نفاذ کا فیصلہ کیا ہے اہل کراچی کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں قیام پاکستان کے بعد سے اب تک تیس مرتبہ کراچی پر اس کا اطلاق ہو چکا ہے خدا کرے یہ نسخہ تیر بہ حدف ثابت ہو اور شہر میں دیرپا امن قائم ہو سکے۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا "تم میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مقتول کو خبر نہ ہو گی کہ اسے کیوں قتل کیا گیا"۔آج ایسے ہی زمانے سے ہم گذر رہے ہیں' یہ ہمارے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ' جب انسان کے دلوں سے انسان کا احترام اٹھ جائے تو سمجھ لیجیے کہ

عذاب کا موسم آ پہنچا، ایک ہی ملک کے ایک ہی مذہب کے پیروکار ایک ہی ملت کے امین ایک دوسرے کو خوفزدہ کریں یا ان سے خوف زدہ رہیں تو اس سے بڑھ کر عذاب موسم اور کیا ہو سکتا ہے ،ایک ہی وطن کے لوگ ایک دوسرے کو بری نگاہوں سے دیکھیں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو تو باقی کیا رہ جاتا ہے انسان اپنے ہی دیس میں خود کو پردیسی محسوس کرنے لگے تو عذاب ہے۔ کسی سیانے نے کہا ہے کہ جب زمانہ امن کا ہو اور حالات جنگ جیسے ہوں تو سمجھو عذاب ہے۔جنازے اٹھ رہے ہوں کندھا دینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہو، آنکھیں نم ہوں ارد گرد جشن منانے والے درندے ہوں، دلوں سے مروت نکل جائے ایک دوسرے کا احساس ختم ہو جائے، کیا ہم ظالم قوم ہیں ،کیا ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا یوم حساب نہیں آئے گا مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم واقعی ظالم پاکستانی بے حس قوم ہیں ہماری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھی ہوئی ہے ،کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ ہم اپنے آنے والی نسلوں کے لیے کیسا پاکستان بنا رہے ہیں ہم انھیں کیا جواب دیں گے۔ ہم نسل، زبان علاقے کی بنیاد پر کب تک خون بہاتے رہیں گے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب تعصب کی ہوا چلتی ہے تو پھر انسانیت کوچ کر جاتی ہے۔

کراچی کے بارے میں اب یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسے مختلف لسانی اور قومیت کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے ایک قومیت کے فرد کو دوسرے علاقے میں جا

نے کی اجازت نہیں یا اسکے لیے خطرناک ہے، کراچی ایک آتش فشاں کا روپ دھار چکا ہے جس میں وقفے وقفے سے لاوا ابل کر باہر آتا ہے تباہی مچاتا ہے جانوں کا نظرانہ وصول کرتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے۔

ایک ہفتے میں پچاس سے زائد شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے کیا یہ المیہ نہیں ؟کچھ دن امن رہتا ہے پھر وہی بگڑتی صورتحال، روزانہ گھروں سے کام پر نکلنے والوں کو کوئی امید نہیں ہوتی کہ واپس صحیح سلامت آئیں گے یا خدانخواستہ کسی ان جانی گولی کا شکار ہو جائیں گیں کہیں سے کوئی انسان نما حیوان وارد ہو کر کئی گھروں کے چشم وچراغ گل کرکے غائب ہو جاتے ہیں، پھر لاکھ کوشش کریں قاتلوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لگتا۔خانہ پری کے لیے بے گناہ لوگ پکڑے جاتے ہیں قانون نافذ کرنے والے الگ بے بس ہیں گویا اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگے جا رہے ہیں۔درجنوں لوگوں کی ہلاقتوں کے بعد سرکاری مشنری حرکت میں آتی ہے تصفیہ کے لیے پارٹیوں کو ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے سیاست دان اپنی پارٹی کی مظلومیت میں نعرہ لگاتے ہیں کہ یہ سیاسی نعرے ان کی سیاسی اقتدار کو مستحکم کر تے ہیں ان کے وسائل کاروبار چلتا ہے ان کی فتح کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہماری معصوم عوام نہیں جانتے کہ جس جگہ اور جہاں ان کے مفادات وابستہ ہوں وہ اپنی قوم کو قر بانی کے لیے

آگے کر دیتے ہیں یہ معصوم عوام اپنی قومیت کے زعم میں ماری جاتی ہے۔ کوئی سندھی ہے تو اسے وڈیروں کی بڑائی اپنے اندر محسوس ہوتی ہے، کوئی پنجابی ہے تو گوجر چوہدری سب سے اعلیٰ وارفع نظر آتے ہیں، پشتون ہیں تو اپنے اندر خلجی عظمت کے امین بنتے نظر آتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ پاکستانی ایک قوم بن کر رہنے میں ہماری عظمت اور بھلائی ہے باقی سب باتیں فضول ہیں ہم سب ایک پاکستانی شہری ہیں جو صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارا ہے، جہاں تمام قومیت اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے اس لسانی فسادات میں ہم اپنے ہی مسلمان بھائی خون بہا رہے ہیں ایسی خطرناک صورتحال سے نبٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ان ٹارگٹ کلنگ کے اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے جب تک اصل مسئلہ کو حل نہیں کیا جائے گا یہ سلسلہ جاری رہے گا ٹارگٹ کلنگ کی جو لہر اس شہر میں آئی ہے خدا کرے کہ اس کا خاتمہ ہو سکے۔ افتخار عارف کی یہ نظم ایسا لگتا ہے اسی شہر کے تناظر میں لکھی گئی آپ کی نذر ہے۔

اس شہر و خس خاشاک لبسے خوف آتا ہے
جس شہر کا وارث ہوں اس سے خوف آتا ہے
شکل بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے
نئی مٹی کو چاک سے خوف آتا ہے
وقت نے ایسے گھمائے کہ افق، آفاق کہ بس

محور گردش سفاک سے خوف آتا ہے

یہی لمحہ تھا کہ معیار سخن ٹھہرا تھا

اب لہجہ بے کاک سے خوف آتا ہے

آگ جب آگ سے ملتی ہے تو لہو دیتی ہے

خاک کو خاک کی پوشاک سے خوف آتا ہے

کبھی افلاک سے نالوں کے جواب آتے تھے

ان دنوں عالم افلاک سے خوف آتا ہے

رحمت سید لولاک پہ کامل ایمان

امت سید لولاک سے خوف آتا ہے

وزراء کی فوج ظفر موج

انسانی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنتیں عوام سے ناروا سلوک، وزراء کے غلط مشوروں، دادودہش اور شاہانہ اخراجات سے تباہ ہوئیں انگریزی دور غلامی سے قبل بھی تاج وتخت بادشاہوں کے مرنے کے بعد ان کی اولادوں کے حصے میں آئیں جنھوں نے اپنے اردگرد خوشامدی اور چاپلوس درباری جمع کر رکھے تھے جو بادشاہ کی ہر جائز ناجائز بات میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے دن رات اس کے قصیدے گا گا کر اسے چنے کے جھاڑ پر چڑھا دیتے بادشاہ بیچارہ شخصیت پرستی کے اس پرفریب جال میں اسقدر پھنس چکا ہوتا تھا کہ اس جھوٹی تعریف کو اپنا ذاتی حق سمجھنے لگتا وہ اسی گمان میں زندگی گزار دیتا کہ خدا نے واقعی مجھے اس قدر خوبیوں سے مالا مال کیا ہے۔

موجودہ دور کی بات کی جائے تو پاکستانی سیاست میں بھی آج جمہوریت برائے نام رہ گئی ہے پارٹی کے سربراہوں کے بعد انکی اولادوں کو آئندہ ملک کی باگ دوڑ سنبھالنی ہے اس لیے ان کے پیچھے بھی ایک لاؤ لشکر ایسے افراد کا جمع رہتا ہے جو کرپشن ،لوٹ مار اور دھوکہ دہی کے نئے نئے گر جانتے ہیں ۔جو "کھاؤ اور کھانے دو" پر کامل ایمان پر رکھتے ہیں ایسے

لوگ نہ صرف پارٹی کی بدنامی بلکہ عوام پر بھی بوجھ ہوتے ہیں وفاقی کابینہ کو ان کا پیٹ بھرنے کے لیے نئی نئی وزارتیں اور محکمے بنانے پڑتے ہیں عوام کی خون پسینے کی کمائی سے دیے ہوئے ٹیکس سے نہ ان کا پیٹ بھرتا ہے نہ نیت سیر ہوتی ہے۔

پاکستان بنانے میں جن عظیم لوگوں نے اہم کردار ادا کیا اور اس کے قیام کے بعد جن لوگوں نے اس کی آبیاری میں اپنی محنت خون پسینہ بہایا، دن رات ایک کیا اس کی تفصیل کوئی زیادہ پرانی بات نہیں چھ دہائی قبل اس بے سروسامان وطن کی پہلی کابینہ میں صرف آٹھ وزراء شامل تھے ان آٹھ وزراء کے ماتحت آٹھ فیڈرل سیکرٹری تھے اگر ان میں وزیر اعظم اور گورنر کو بھی شامل کیا جائے تو یہ کل تعداد اٹھارہ بنتی ہے نو زائیدہ پاکستان میں سرکاری دفتر نام کی کوئی جگہ میسر تھی نہ بڑی بلڈنگ تھی نہ اے سی اور نہ ہی بیرون ملک سے درآمد بیش قیمت فرنیچرز سے مہکتا ٹھنڈا کمرہ تھا عہدے موجود تھے لیکن ان عہدوں پر کام کرنے والے اہلکار اور افسر موجود نہ تھے یہ لوگ پرانی عمارتوں میں برآمدوں اور بعض اوقات فٹ پاتھوں پر بھی بیٹھ کر کام کرتے تھے کرسیاں نہ تھیں تو اینٹیں لگا کر کرسی کا کام لیتے، میز کی جگہ فروٹ کے کریٹس متبادل تھے کامن پن نہیں تھی تو اسکی جگہ کیکر کے کانٹے لگا کر استعمال کرتے تھے، کھانے کے لیے کوئی لمبی چوڑی

مینو سے مزین کینٹین کا انتظام نہ تھا تمام وزیروں سے لے کر سیکرٹری تک سب لوگ اپنا اپنا ٹفن گھروں سے لے کر آتے تھے لنچ بریک میں مل کر کھانا کھاتے اور دوبارہ کام میں جٹ جاتے۔ حقیقتاً خزانہ خالی تھا قائد اعظم کی حلف برداری کے لیے گاڑی ادھار مانگ کر لائی گئی تھی، نئے ملک میں کوئی انڈسٹری نہ تھی، بازار، منڈی، ٹرانسپورٹ سب نظام درہم برہم تھا ان حالات میں ان عظیم لوگوں نے خلوص نیت،، دیانت اور محنت سے اس نوزائیدہ ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل کیا۔ قائد اعظم کی محض اس آٹھ رکنی کابینہ نے جس جدوجہد کے بل پر اس پاکستان کی بنیادوں کو تعمیر کرکے کھڑا کیا وہ ہمارے آج کے وزراء کے لیے مثال کا درجہ رکھتی ہے کہ کم وزراء بھی اپنی محنت، دیانت اور خلوص نیت سے ملک کو کامیابی اور ترقی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔

لیکن! اگر ہمارے فوج ظفر موج وزراء فرسودہ ماضی سمجھ کر اسے نہ اپنانا چاہیں اور نئے دور نئے تقاضے کی تقلید کرنا چاہیں تو بھی زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں چین جو آج ڈیڑھ ارب آبادی والا بڑا ملک ہے جس کی اکانومی تیزی سے بڑھ رہی ہے اس ملک میں وزیروں کی تعداد ۵۲ اور تین نائب وزیر ہیں امریکہ جیسی سپرپاور ملک بھی ایک چھوٹی سی کابینہ کے ساتھ پوری دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے دنیا کی قدیم جمہوریہ برطانیہ ہو یا یورپ

کے دیگر ممالک ان ملکوں میں بھی وزراء کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۵۲ سے ۰۳ ہیں۔
ہمارے ۱۷ کروڑ آبادی والے اس ملک میں ۰۲ سے ۵۲ وزراء نظام حکومت بآسانی چلا سکتے ہیں تو پھر ۱۰۰ سے زائد وزیروں مشیروں کی کیا ضرورت ہے ہم دنیا کی تاریخ میں پہلی قوم ہیں جہاں اتنی کثیر تعداد میں کرپٹ اور بد عنوان وزراء وجود میں آئے ہیں پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں جہاں عوام روٹی کو ترس رہے ہیں بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ نے عوام سے روزگار کے مواقع چھین لیے ہیں وہاں حکومت اپنے اتحادیوں کو راضی رکھنے کے لیے اس طریقے پر کاربند ہے کہ سب کو کوئی نہ کوئی عہدہ دے دیا جا ئے خواہ اس پالیسی سے معیشت پر کتنا ہی بوجھ کیوں نہ پڑ جائے حکومت کو عوامی ترقیا تی منصوبوں میں کتنی ہی کٹوتی کرنی پڑ جائے وزراء کی فوج ظفر موج عذاب کی مانند عوام پر مسلط ہیں پیپلز پارٹی دور حکومت کے ساڑھے تین سالہ دور میں بہت سے حکو متی فیصلوں پر تنقید و بحث کی گئی مگر سب سے زیادہ تنقید اسی بات پر ہوئی کہ حکومت وزراء کی تعداد میں کمی لائے اپوزیشن پارٹیاں بھی اس مسئلہ کے حل میں سنجیدہ نظر آتی ہیں مسلم لیگ (ن) نے اپنے دس نکاتی ایجنڈے میں حکومت سے اسی سلسلے میں اقدامات کرنے پر زور دیا ہے حکومت اس بات پر متفق بھی ہو گئی ہے کہ وزراء کی تعداد میں کمی لائی جا

ئے گی صدر اور وزیر اعظم نے باہمی مشاورت سے وفاقی اور صوبائی کابینہ میں ردو بدل کرکے نمایاں کارکردگی کے حامل وزرا کی چھوٹی کابینہ بنانے کا اعلان کیا ہے کابینہ کی تعداد ۰۲ سے ۵۲ تک متوقع ہے کئی وزراء کے قلم دان تبدیل کرنے وزراتوں کو آپس میں ضم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ پنجاب حکومت نے بھی انتظامی امور میں کفایت شعاری کو یقینی بنانے کے لیے پہل کی ہے بیوروکریسی سے گریڈ ۱۲ تک کی ۰۵۵ اسامیوں کو ختم کرنے کا اعلان کیا ہے ان اسامیوں میں سات سپیشل سیکرٹری، درجنوں آئی ڈی اوز، ایس پیز اور ڈی پیز شامل ہیں جس سے حکومتی دعویٰ کے مطابق ۶ ارب کروڑ کی بچت ہوگی دوسرے صوبوں کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے عوام کو ریلف ۱۹ دینے کی جانب انھیں بھی اپنی کابینہ کے ارکان میں کمی لانی چاہیے وزیر اعظم نے اپنے حالیہ بیان میں اپنی حکومت کے بے عملی کا خود اعتراف کیا ہے اب اگر حکومت عوامی مسائل کی جانب سنجیدگی سے کوشش کرے تو یہ اس کے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ مشہور فلاسفر، تاریخ داں ہنری ڈیوڈ تھوریو کا کہنا ہے کہ " بہترین حکومت وہ ہے جو بلکل حکومت نہ کرئے بلکہ خدمت کرے "

تاریخ سے سبق

حضرت محمد ﷺ اس دنیا کی واحد ہستی ہیں جو مذہبی اور دنیاوی دونوں محاذوں پر سو فیصد کامیاب رہے ہیں آپ ﷺ نے نہ صرف دین اسلام کو پھیلایا بلکہ اس کے ساتھ پوری دنیا کو ایک مؤثر سیاسی رہنما بن کر بھی دکھایا آج صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس کے اثرات سمجھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہیں خاص طور پر مسلمانوں کے لیے ان کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط اتنے مربوط اور مکمل ہیں کہ مسلمان حکمرانوں کو کسی اور جگہ صرف نظر کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑ سکتی اس کے لیے لازم شرط یہ ہے کہ وہ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ دین اسلام نے حقیقتاً ایک متحد کر دینے والے عنصر کا کردار ادا کیا ہے کہ ایک مختصر سے عرصے میں فتوحات کا حیران کن سلسلہ قائم کیا کہنے کو تو چنگیز خان اور اسکے ہم عصروں نے بھی فتوحات کا سلسلہ قائم کیا مگر یہ فتوحات عربوں سے کہیں زیادہ وسیع عریض ہونے کے باوجود پائیدار ثابت نہ ہو سکیں آج منگولوں کے قبضے میں صرف وہی علاقے ہیں جو چنگیز خان کے دور میں تھے جب کہ عرب فتوحات کا سلسلہ عراق و مراکش تک عرب اقوام کو ایک زنجیر کی مانند جوڑے ہوئے ہے۔ یہ سب اپنے مشترک عقیدے ہی کے سبب باہم متحد نہیں بلکہ ان فتوحات کے پس پشت موجود اصل طاقت انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ متاثر کن سیاسی

قائدآنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے جنھوں نے اپنے افکار و کردار اور سیرت سے شاہ وگدا کو ایک ہی میزان سے پرکھا، جنھوں نے ذات پات، حسب نسب کی دلیل کو یکسر مسترد کیا۔ مسلمانوں نے جب تک ان کی تعلیمات پر عمل کیا وہ کامیاب رہے لیکن جب ان مسلمان حکمرانوں کے دماغوں میں فرعونیت کا خناس سمانا شروع ہوا۔ من اور صرف من شدم کا خود غرضانہ فلسفہ زندگی میں اپنایا اور اقتدار پر قابض ہو کر عوام کی فلاح و بہبود پر توجہ دینے کے بجائے اپنی عیاشیوں میں گم ہو گئے تو ان ملکوں میں بتدریج عوام میں غم وغصے کی لہر بڑھتی گئی عوام الناس اپنے اور حکمراں طبقے کے درمیان حائل خلیج اور فرق کو کسی طور قبول کرنے کو تیار نہیں۔

مسلمان حکمران اور بالخصوص عرب ممالک میں جمہوری ملکوں نے بادشاہت کا روپ دھار کر جو جو گل افشانیاں کی اس نے انسانیت کو بھی شرمسار کردیا۔آج پوری دنیا کی نگاہیں مشرق وسطیٰ کے ممالک کی جانب لگی ہوئی ہیں جہاں تیونس کے آنے والے انقلاب نے عوام کی سوچوں کے کئی در وا کر دیے ہیں تیونس سے نکلنے والا لاوا ان کی سرحدوں کو بھی پار کر سکتا ہے دنیا کی ۶۵ مسلم ممالک کی اشرافیہ کو اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تیونس میں تیئس سال سے برسر اقتدار رہنے والے مطلق العنان صدر زین العابدین نے اپنی عوام کو سوائے غربت، بے روزگاری، ناانصافی، اور عدم تحفظ کے کچھ نہ دیا اپنے مغربی

آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے لبرل ازم کی ساری حدیں پھلانگ چکے تھے تیونس میں شراب عام تھی ، پردے اور اسکارف پر پابندی تھی، داڑھی رکھنے والے مشکوک سمجھے جاتے تھے اور روزے پر پابندی عائد کرنے کے قانونی مسودے کی تیاری مراحل میں تھی غرض تیونس میں آمریت نما بادشاہت نے اپنی ریاستی قوت سے کسی کو اپنے خلاف آواز اٹھانے نہیں دیا ظلم وجبر سے اقتدار قائم رکھا۔ جوں جوں تیونس میں احتجا ج بڑھتا گیا مشرقی وسطی کے دیگر ممالک جن میں یمن، الجزائر، اردن اور مصر میں بھی لوگ سڑکوں پر نکل رہے ہیں لیبیا کے معمر قذافی بھی طویل عرصے سے اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں لیبیائی عوام میں بھی بے چینی پائی جاتی ہے۔ آج مصر میں صدر حسنی مبا رک کے خلاف ہزاروں مظاہرین کرفیو کی پروانہ کرتے ہوئے سڑکوں پر جمع ہیں وزارت خارجہ سمیت کئی اہم عمارتوں کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ ٹی وی پر یہ مناظر دیکھ کر فیض احمد فیض صاحب کی نظم لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے۔ وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے ۔ جو لوح ازل پہ لکھا ہے۔ ذہن کے دریچوں میں گشت کر رہی ہے اس انقلابی شاعر کی نظم کے صداقت پر یقین اور بھی پختہ ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔

مصر کے بیاسی سالہ صدر حسنی مبارک ۱۴ا اکتوبر ۱۸۹۱ء سے اقتدار کے مزے لوٹ رہے ہیں اپنے تمام مخالفین کو گزشتہ تیس سالوں سے پابند سلاسل کیا ہوا

ہے تمام صحافتی ذرائع پر سخت پابندی ہے۔ عرب کا پہلا ملک جس نے اسرائیل کو تسلیم بھی کیا اور اس کی خوشنودی کے لیے اس کی پالیسی پر عمل پیرا بھی ہے عوام سخت معاشی مسائل کا شکار رہے مصر کر شہر قاہرہ میں انیس جنوری کو ہنگاموں کو سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب ایک شخص نے سماجی و معاشی ناانصافی کے باعث اپنے آپ کو آگ لگا لی لواحقین کو مردہ خانے سے لاش واپس دینے سے حکام کے انکار پر مشتعل لوگوں نے مظاہرہ کیا کئی عمارتوں کو آگ لگا دی کئی پولیس والوں نے بھی یورنیفارم سے دست بردار ہو کر عوام کا ساتھ دینے کو ترجیح دی۔ مصر کے اسلام پسند حکومت وقت کے مظالم اور اسلام مخالف پالیسی سے تنگ آچکے تھے تیونس کے انقلاب نے مصری عوام کے لیے سوچ کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ تیونس کے صدر اپنی بیگم لیلٰی کے ہمراہ سعودی عرب میں سیاسی پناہ حاصل کر چکے ہیں، جب کہ مصر کے صدر حسنی مبارک کے ۵۴ سالہ بیٹے اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ اپنے خصوصی طیارے میں قیمتی سامان اور ۱۰۰ سوٹ کیس سمیت لندن فرار ہو چکے ہیں یقیناً تیونس اور مصر کی مثالیں ان ملکوں کے لیے ایک عبرت ہیں جو اپنے عوام کی زندگیوں میں ترقی و خوش حالی کو تشدد سے مسخ کرتے ہیں عورتیں، بچے اور بڑے مسلسل عدم تحفظ کے احساس میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں حکمران عوام سے آپس میں کوئی رابطہ نہیں کرتے۔

آج پاکستان میں بھی انقلاب کی بازگشت زوروں پر ہے خلق خدا روز روز بم دھما کوں اور ڈرون حملوں ، بے روزگاری ، مہنگائی اور عدم تحفظ سے تنگ آچکی ہے وزراء اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے آئی ایم ایف سے قرضے لے کر عوام پر بجلی گیس پٹرول کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں حکومت کے شاہانہ اخرجات اور کرپشن کسی سے پو شیدہ نہیں عوام میں ان کے خلاف ایک لاوا جنم لے رہا ہے جو کسی وقت بھی آتش فشاں کا روپ اختیار کر سکتا ہے ان انقلاب زدہ عرب ممالک نے اسلامی تاریخ سے کو ئی سبق حاصل نہیں کیا مگر ہمارے حکمران تو اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں ۔

لائسنس ٹو کل

بعض محاورے، کہانیاں، اور فلمیں خاص کسی ملک کی تاریخی، سیاسی، سماجی اور ذہنی سوچ کی عکاس ہوتی ہیں بلکل اسی طرح ہالی وڈ کی ایک مشہور فلم "لائنسس ٹو کل" امریکی نظریے اور سماج کی بھرپور ترجمانی کرتی نظر آتی ہے اس فلم کی کہانی میں دکھایا گیا ہے کہ ہیرو (جیمز بانڈ) اپنے مشن کی تکمیل کے لیے بین الاقوامی قوانین کی پابندی سے آزاد ہے کسی ملک کے قانون کو خاطر میں نہیں لاتا پوری دنیا میں اسے استثنا حاصل ہے کہ وہ پوری دنیا میں بناء کسی پاسپورٹ اور دیگر ضروری ڈاکومینٹس کے ہر جگہ، ہر شہر، ہر علاقے اور ہر شاہراہ پر بناء کسی روک ٹوک آزادانہ گھوم پھر سکتا ہے بغیر کوئی دباؤ کے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہر جائز وناجائز سطحی رویے تک جاسکتا ہے وہ کسی کی بھی جان لے سکتا ہے کہ اسے " لائنسس ٹو کل " کا اختیار حاصل ہوتا ہے یہ اختیار اس کے ملک کا قانون اسے عطا کرتا ہے جو پوری دنیا میں سپرپاور مانا جاتا ہے۔ اگر ہم آج کے تناظر میں اس فلم کو دیکھیں تو یہ پوری فلم امریکی ذہنیت کی مکمل عکاس معلوم ہوتی ہے۔

ماضی میں امریکی مظالم کی تاریخ کافی طویل ہے اپنے مفادات کی تکمیل کے

لیے امریکہ نے پوری دنیا میں تباہ کاریاں کی انسانیت کا قتل عام کیا ہے اس نے ماضی میں جاپان ، ویت نام اور لاطینی امریکہ میں انسانی حقوق کو پامال کیا ہیروشیما ناگاسا کی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو منٹوں میں لقمہ اجل بنا دیا جس طرح آج افغا نستان اور عراق میں تباہ.بربادی قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا ہوا ہے وہ پوری دنیا پر عیاں ہے اب بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے شہری بھی اپنی.برتری کے گھمنڈ میں ہماری شاہراؤں پر آزادنہ ہمارے لوگوں کا قتل عام کرتے پھرتے ہیں کہ انھیں کوئی روکنے اور سزا دینے والا نہیں۔

اس قسم کا ایک افسوس ناک واقعہ ۲۷ جنوری کو لاہور کے شاہراہ پر پیش آیا جب ایک امریکی گورے نے سرعام دو پاکستانی نوجوانوں کو گولی مار کر اور ایک کو گاڑی سے کچل کر ہلاک کر دیا اور فرار ہو گیا اس واقعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم آج بھی قیام پا کستان سے قبل کے غلامی دور میں زندہ ہیں جب ہمارا فرنگی آقا پورے.بر صغیر کو اپنی ذاتی جائیداد سمجھتا تھا اس کا جب جی چاہتا شاہی بگھی سے اتر کر عوام الناس پر چابک .برساتا یا جوتے چاٹنے کا حکم صادر فرماتا اس کی نظر میں بر صغیر کے لوگوں کی ایک اچھوت حقیر شئے سے زیادہ کوئی اہمیت نہ تھی اسی طرح ریمنڈ ڈیوس نے گاڑی سے اتر کر گولیاں چلائی مرتے ہوئے انسانوں کی سفاکی سے مووی بنائی اور

گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا کیا ان مقتولوں کے فیملی ممبر اپنے پیاروں کے مرنے کی اس اذیت کو کبھی بھول پائیں گے؟ اگر اس ملک کو اسی طرح کی غلامی میں رہنا تھا تو پھر تاریخ کو ان لاکھوں انسانوں کی ہجرتوں، جانوں کی قربانی اور بے عصمت ہوتی ماؤں بہنوں کی سچی داستانوں کو رقم کرنے کی کیا ضرورت تھی آج کسی پاکستانی کی جان محفوظ نہیں دہشت گردی کیا یہ کھیل جس کی افتتاح افغان، روس جنگ سے شروع ہوئی اب ہمارے سرحد سے اندر ہماری شاہراؤں تک پہنچ چکی ہے امریکہ اپنے مفادات پورے کرنے کے لیے ہمارے سرعام شہریوں کو قربانی کا بکرا بنائے ہوئے ہے پاکستان اس کے لیے ایک چراگاہ سے کم نہیں۔

امریکہ پاکستان میں جو خطرناک کھیل کھیل رہا ہے اس کے امریکی گورے داڑھی، شلوار قمیض میں ملبوس اردو، پشتو و دیگر علاقائی زبان میں ماہر ہونے کے بعد پورے ملک میں دندناتے پھرتے ہیں درجنوں مرتبہ جعلی نمبر پلیٹس کے ساتھ پکڑے گئے یہ بلا لائسنس اسلحہ لیے آزادانہ ہماری سڑکوں پر گھومتے پھرتے ہیں اسلام آباد سمیت کئی علاقوں میں درجنوں مکانات انکی تحویل میں ہیں یہ کبھی بھی کچھ بھی کر گزرنے کی صلاحیت لیے ہوئے ہیں اگر کوئی قسمت کا مارا سرپھرا ایماندار افسر انھیں گرفتار کرنے کا جرم کر بھی لیتا ہے تو اوپر کے دباؤ میں آکر ان باعزت مہمانوں کو رہا کر دیا جاتا ہے

جس سے ان گوروں کی مزید حوصلہ افزائی ہوتی ہے کئی سالوں سے بلیک واٹر پاکستان میں دندناتے پھر رہے ہیں اس کے شواہد بھی ملے میڈیا نے کافی شور بھی مچایا لیکن ! ہمارے وزیر داخلہ صاحب ہمیشہ سختی سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں پاکستان میں ڈرون حملوں سے بے گناہ شہریوں کی ہلاکتوں پر پوری قوم کا احتجاج بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے امریکی اسلحے کے زور پر ملکی قوانین کو پامال کر رہے ہیں وہ جو مطالبہ چاہتے ہیں امریکی ایڈ کا لالچ دے کر ہمارے حکام سے منواتے ہیں پاکستان کے کسی قانون کا کوئی احترام ان پر لاگو نہیں، ریمنڈ ڈیوڈ کیس میں بھی وہ اہل خانہ کو خون بہا دینے کو تیار ہیں کیا کوئی دولت ان مقتولوں کا نعم البدل ہو سکتی ہے؟ امریکی کونسل خانے کی ڈھٹائی دیکھیے کہ ریمنڈ ڈیوس کی مدد کو آنے والے قونصلیٹ خانے کی گاڑی نے جس نوجوان جو کچل کر ہلاک اور دو کو زخمی کیا اسے اب تک قونصل خانے نے پولیس کے حوالے نہیں کیا جب کہ اسکے خلاف قتل اور ایک شخص کو زخمی کرنے کا مقدمہ بھی درج ہو چکا ہے امریکی کونسل خانے کے اہل کار ریمنڈ ڈیوس کو بچانے کے لیے پوری کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں کہ کسی طرح کسی قانونی منطق کے ذریعے ریمنڈ ڈیوس کو سفارت کار ثابت کر کے اسے ویانا کنونشن کے تحت امریکہ لے جانے کا جواز مہیا ہو جائے۔

امریکی سفارت خانے کا بیان ہے کہ امریکی سفارت کار کو گرفتار کرنا دیا

نا کنونشن کی خلاف ورزی ہے کیونکہ خود پاکستان بھی اس کا پابند ہے امریکہ نے خود کبھی ویانا کنونشن پر عمل درآمد کیا اسے بین الاقوامی قوانین کے احترام کی کیا پروا کہ اس نے یہ کنونشن پڑھا بھی نہیں ہوگا ویانا کنونشن ۱۹۶۳ء کے آرٹیکل ۱۴کے تحت کسی بھی سرکاری اہلکار کو یہ استثنٰی حاصل نہیں کہ دوسرے ملک میں جا کر قتل وغارت گری کرے۔ اب جب کہ یہ مقدمہ پاکستانی عدالت میں زیر سماعت ہے امریکیوں کا مطالبہ کہ وہ امریکی شہری ہے اس لیے یہ مقدمہ امریکی عدالت میں پیش ہونا چاہیے یہ ایک مضحکہ خیز اور بے معنی مطالبہ ہے پاکستانی قوم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ یہ قانون ایمل کانسی اور رمزی کے کیس پر کیوں لاگو نہیں کیا گیا عافیہ صدیقی کیس حوالگی کا جب مطالبہ کیا گیا تو جواب دیا گیا یہ معاملہ امریکی عدالت میں ہے اس بارے میں کوئی فیصلہ امریکی عدالت کے اختیار میں ہے یہ بات درست ہے کہ عام شہری کی نسبت ایک سفارت کار کو دوسرے ملک میں کئی قانونی استثناء حاصل ہوتی ہے اقوام متحدہ کے تمام رکن ویانا کنونشن کے پابند بھی ہیں مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ سفارت کار کو' لائنسس ٹو کل 'کا اختیار دے دیا جائے ایسا کوئی قانون کسی ملک کے قوانین میں شامل نہیں۔

میرے خیال میں اس قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے پڑوسی ملک ایران کی

مثال ہمارے سامنے ہے چند دن قبل ایک یورپی ملک کی خاتون کو منشیات کی اسمگلنگ میں سزائے موت دی گئی وہاں فیصلے نمٹانے اور انصاف کی فراہمی کا عمل تیز تر ہے جو کئی مسائل کا حل ہے۔

یکجہتی کشمیر کا دن

کشمیر کے چنار رنگ شہیدوں کے لہو سے سرخ ہیں اس میں سات دھائیوں کا طویل سفر اور تین نسلوں کا خراج شامل ہے جو اس بے نظیر وادی کو آزادی کی قیمت ادا کرتے نہیں تھکتے اور آزادی دلانے تک نہ کبھی تھکیں گے ، پانچ لاکھ بھارتی افواج نے اس جنت نظیر وادی کو اپنے غاصبانہ قبضے سے جہنم بنا رکھا ہے مگر کشمیریوں کے حوصلے بلند ہیں اور وہ بھارت کی ظلم و ستم کا شکار اپنی آزادی کی جنگ میں اپنے لہو کا نذارانہ پیش کر رہے ہیں۔

۵ فروری کو پاکستانی قوم اپنے کشمیری بھائیوں سے اظہار یکجہتی کے طور پر مناتی ہے اس دن کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ عالمی طاقتیں تحریک آزادی کشمیر کی طرف متوجہ ہوں اور اسکی بھرپور حمایت کریں تاکہ جنوبی ایشیاء میں امن کی ضمانت فراہم ہوسکے ۔ ہم سب کی بحثیت مجموعی یہ ذمہ داری ہے کہ قومی اور سیاسی قوتیں متحد ہو کر اسکی حمایت کریں اور اسکی آزادی کی اہمیت کو پوری دنیا میں اجاگر کریں تاکہ بھارت کے غاصبانہ قبضے سے جلد از جلد رہائی حاصل ہوسکے۔

مارچ ۱۹۴۶ء کو ایک غلامی کے طوق سے دوسری غلامی اس کا مقدر بنی، جس وقت ۱۶ انگریزوں نے اس جنت ارض وطن کو ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھوں محض ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپیہ کے فروخت کیا، اس وقت کے حساب سے باشندوں کی قیمت سات روپے فی کس پڑی، ڈوگرہ راج میں مسلمانوں کی زندگی ایک گائے کا درجہ بھی نہ پا سکی، شروع میں گاؤ کشی کی سزا موت تھی، ملزم کو رسیوں سے ہاتھ باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جاتا اور سرعام پھانسی پر لٹا دیا جاتا، عید الضحیٰ کے موقع پر بھیڑ اور بکریوں کی قربانیوں کے لیے باقاعدہ حکومت سے اجازت حاصل کرنا پڑتی جو کبھی ملتی کبھی نا منظور ہو جاتی، گلاب سنگھ کا جانشیں رنبیر سنگھ بھی باپ کی طرح ان پڑھ جاہل سخت نکما اور نا اہل تھا۔ تقسیم کے بعد اس نے ریاست کو بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا، ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جموں کشمیر کا قیام عمل میں آیا جسے بٹوارے کے بعد پاکستان میں شامل ہونا تھا مگر بد قسمتی سے اس وقت کے وائسرائے اور ہندو لیڈروں کی شاطرانہ منصوبہ بندی نے اس کو غلامی کا طوق پہنا دیا۔ بھارت نے کشمیر پر قبضہ جمانے کے لیے جس مجرمانہ غفلت، مکاری اور سازشی جارحیت کا ارتکاب کیا اس کی حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہے۔ اس حکومت کے قیام کے بعد سے ہی مجاہدین ڈوگرہ حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف رہی شروع میں مجاہدین نے کامیابیاں حاصل کی۔ بھمبر، میرپور، کوٹلی، راجوری، مینڈورا اور نوشہرہ کو آزادی

دلائی، پونچھ کا طویل محاصرہ بھی کیے رکھا مگر ائیر پورٹ پر قبضہ نہ ہونے کے سبب بھا رتی افواج کو وہاں سے اتر کر حملہ کرنے کا موقع مل گیا جس کے بعد بھارتی مسلح افواج نے فوراً کشمیر پر اپنا قبضہ جما لیا۔جس سازشی جارحیت سے بھارتی فوج نے وہاں اپنا قبضہ جمایا اس کی حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہو گئی اس پر پردہ ڈالنے کے لیے پنڈت جو اہر لال نہرو نے بین الاقوامی سطح پر یہ جھوٹے وعدے کرنے لگے کہ بھارت جموں کشمیر کے آزادی کا فیصلہ غیر جانبداری سے وہاں کے باشندوں کی مرضی سے کرائے گا

۔

یو این کمیشن نے تجویز پیش کی کہ کشمیر سے بھارتی افواج کے انخلا کا فیصلہ ایک ثالث کے ذریعے طے کروایا جائے پاکستان نے اسے قبول کر لیا مگر بھارت نے اس میں ترا میم کی ایسی بھرمار کی کہ وہ عملی طور پر مسترد کر دی گئی ہر نکات ، ہر تجاویز کو پاکستا ن خوش دلی کے ساتھ جبکہ بھارت اسے یکسر مسترد کرتا رہا۔اس دوران ۱۹۵۰ء میں بھارت نے اپنے آئین میں ایسی ترامیم کی جس کے تحت انڈیا کو مقبوضہ کشمیر میں اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرنے کا حق حاصل ہوگیا۔اس نے نام نہاد آئین کے ذریعے کشمیر میں انتخاب کرائے اور کٹھ پتلی صدر شیخ عبداللہ کو صدر بنا کر اس کی ڈور دہلی کے تخت سے باندھ لی اس دوران پاکستان نے تبا

دلہ خیال کے لیے کئی کانفرس کروائی ۔آخر کار ۵۶۹۱ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان نے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے ایک اور کوشش جنگ کی صورت میں کی مگر دوسروں ملکوں کی مداخلت کی بناء پر یہ زیادہ طویل نہ ہو سکی ۔ کشمیری مجاہدین کی مسلح جدو جہد کا پہلا دور ۹۸۹ اء سے ۰۸۹۱ء کی دہائی سے صحیح معنوں میں شروع ہوا۔ کشمیر بنے گا پاکستان "کے تصور اور آزادی کے اہم ترین علم بردار اور بزرگ سیاست" داں سردار عبدالقیوم خان نے اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ " کشمیری مسلح جدو جہد کا صحیح آغاز ضیاءالحق کے دور حکومت میں عمل میں آیا اور ایک واضع نقشہ اور لائحہ عمل کے نتیجے میں کشمیر کی جدو جہد کا آغاز کیا گیا ایک آزاد اور خود مختار کشمیر کے نعرے کے ساتھ کہ جس پر کسی شرط پر سمجھوتہ نہ کریں گے" اس جد و جہد کو جاری رکھنے میں زیادہ سرگرمی اس وقت بڑھی جب بھارتی افواج نے عام کشمیریوں سے ہتک آمیز سلوک ، خواتین کی بے حرمتی ، شناخت پریڈ ، گھر گھر تلاشی اور کریک ڈاؤن کے نام پر حقارت بھرا رویہ اپنایا جس نے کشمیریوں کی قومی انا کو زخمی کر دیا ۔کشمیر میں بھارت سے نفرت اور سیاسی اضطراب پہلے ہی موجود تھا اکی ان حرکتوں نے صورت حال کو مزید سنگین بنادی کشمیریوں نے بھارت کا یوم جمہوریہ ہمیشہ یوم سیاہ کے

طور منایا ہے۔

۱۱۔۹ کے بعد جب حالات نے ایک نئی کروٹ لی، پاکستان نے امریکہ کے دباؤ کی وَ جہ سے کشمیری نوجوانوں کو یہ کہنا پڑا کہ کشمیری عسکری امداد کے سوا ہر قسم کی امداد پا کستان سے حاصل کر سکتا ہے۔ سارک سر براہ کانفرس میں پاکستان کا اپنی سرزمین بھا رت کے خلاف استعمال نہ کرنے کا اعلان کشمیر کی تحریک کو کمزور کرنے کی بھارتی سا زش تھی ایسی تحریک جس میں ایک لاکھ سے زائد انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے کشمیر میں سات سو نو قبرستان ان شہیدوں سے مزین اپنے چراغ سحر کا انتظار کر ، رہے ہیں کشمیریوں کو اپنے لیڈروں اور قیادت پر اعتماد ہے وہ پر عزم ہیں کہ انکے لیڈر سید علی گیلانی ، میر واعظ عمر فاروق ، یاسین ملک جیسے کئی دوسرے لوگ جب تک چین سے نہ بیٹھے گی جب تک کشمیر کو آزاد نہ کرالیں ۔ اس بھارتی جارحیت کو خود ان کے اپنے ملک بھارت میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ،اس کا ثبوت دہلی یونیورسٹی کی طالبہ کا ایک مضمون ہے جو انھوں نے کشمیر میں دو ماہ گزار کر آنے کے بعد لکھا" میرا دعویٰ ہے کہ بھارتی جمہوریت کی آخری حد لکھمن پور (کشمیر اور بھارت کو الگ کر نے والا قصبہ) ہے اس سے آگے ہمیں کہیں جمہوریت نظر نہیں آتی ،اگر کچھ ہے تو زو روجبر ہے ایک ایسی ریاکاری جو بھارت کے مین

اسٹریم میڈیا نے بڑی خوبی سے دکھائی ہے ،تاکہ وہ اس خطے میں اپنے خصوصی مقا صد کو تقویت دے سکے"۔

بھارت کو چاہیے کہ وہ کھلی آنکھوں سے حقیقت کا جائزہ لے ، کشمیر کا فیصلہ کرنے کا حق خود اس کے باشندوں کو دے اگر کشمیری تحریک موزوں اور معتدل لوگوں کی ہاتوں سے نکل کر نادیدہ طاقتوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو بھارت کو چراغ لے کر ڈھونڈ نے سے بھی کوئی مذاکرات کے لئے دستیاب نہ ہوگا اس وقت پاکستان بھی اسکی کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ یوم یکجہتی کشمیر جیسے دن پاکستان اور بھارت کے لئے ایک اچھے مو اقعے کے طور پر آتے ہیں تاکہ دونوں ممالک مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر اس مسئلہ کو جلد از جلد حل کرسکے ، کشمیری عوام کی گلے میں بندھی برسوں کی غلامی کے طوق کو اتار کر انھیں آزادی رائے کا حق دیا جائے۔

ایسے ہیں میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۲ ربیع الاول کو وہ بوریا نشین بادشاہ اس ہنگامہ خیز دنیا میں تشریف لایا جس نے فقیری میں بادشاہی کی ، جس نے محبت کی تلوار سے ملکوں کو ہی نہیں بلکہ دلوں کو بھی فتح کر لیا، اس کے ماننے والے رشتہ اخوت میں اس طرح بندھے جس طرح دو ماں جائے بھائی ، یہ چیز بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ صرف آپ ﷺ ہی کی زندگی ہے جو پوری کی پوری باتمام وکمال جزئیات اعمال وکردار کے ساتھ محفوظ ہے اور ہر حال کے انسان کے لیے آئینہ حق رہ نما لیے ، جس میں اس کے خدوخال نظر آئیں تاکہ کسی شعبہ زندگی میں کسی دوسرے رہنما کی ضرورت نہ پڑے آپ کے بچپن کو ہی دیکھ لیں ایک ایسے دور میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے سر سے باپ ، ماں اور دادا کا سایہ عافیت کمسنی میں ہی اٹھ جاتا ہے۔ ایک طرف عرب جہالت کے دلدل میں پڑا ہوا ہے اور دوسری طرف جب اس بچے کا کوئی سرپرست نہ رہا تو تعلیم وتربیت کا کیا ذکر، دائی حلیمہ کے پاس تھے تو ان کے بچوں کو بکریاں چراتے دیکھ کر ان کے کام میں ان کا ساتھ دیا سن شعور سے پہلے ہی چچا ابو طالب کی غربت دیکھ کر بدوں لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگتے ہیں۔

معاشرہ ہر طرح سے بگڑا ہوا ہے، بے حیائی بد کلامی جزو زندگی بن چکی ہے، اس ماحو ل میں رہ کر بھی نہ کبھی جھوٹ بولا، نہ بد کلامی کی، نہ کبھی چوری کی بلکہ سرتاپا مجسم و شرم وحیا نظر آتے ہیں۔ دیانتدار ایسے کہ دشمن بھی "امین "کے لقب سے پکارتے ہیں، جوان ہوتے ہی مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری پر اور کبھی کبھی نفع میں حصہ پر کام کرنا شروع کرتے ہیں اس طرح ۲۵ سال کی عمر تک کام کیا اس مزدوری میں کچھ حصہ ملتا تھا، جو یقیناً بہت کم تھا اپنی گزر واوقات کرتے ہیں اسی پر شاکر نظر آتے ہیں مکہ کی ایک مالدار خاتون ان کی ایمانداری سے متاثر ہو کر نکاح کا پیغام بھیجتی ہیں، آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں اس لیے ابو طالب نے بھی جو خطبہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کے موقع پر دیا اس میں حضور ﷺ کے اخلاق اور شرافت کے ذکر کے ساتھ اس بات کا ذکر بھی تھا کہ دولت دنیا آپ ﷺ کے پاس نہیں، آپ کے کنوارے رہنے کی ایک دلیل یہ بھی تھی آپکے پاس مال و زر نہ تھا، ورنہ عرب میں نوجوان ۱۶ سے ۱۷ سال میں شادیاں کر لیتے تھے۔

شادی کے بعد دس سال آپ ﷺ خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں بی بی خدیجہؓ اور قریش کے دوسرے تاجروں کا مال لے کے سفر تجارت کر

تے ہیں اور اپنی اجرت حاصل کرتے، چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی نازل ہوتی ہے قریش کی طرف سے ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر پائے ثبات میں لغرش نہیں آتی اپنے چچا ابو طالب سے فرماتے ہیں " اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک پر چاند رکھ دیں تو بھی میں حق کے اعلان سے باز نہ آؤں گا" سالہا سال کے ظلم وستم اور تکلیفوں کے بعد بھی کبھی ایک لمحہ کو مایوسی آپ ﷺ کے دل میں جگہ نہ بنا سکی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "مدینہ کے زمانہ قیام کے دوران حضور ﷺ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر کھانا نہ کھایا"۔

آپ ﷺ جو وعدہ کرتے اسے پورا کرتے، سچائی اس درجہ تھی کہ دشمن بھی جھوٹا نہ کہہ سکے، سادگی طبیعت بے انتہا تھی، کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے رہنے سہنے میں ذرا تکلف نہ تھا۔ گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر کبھی بے ضرورت بات نہ کرتے ہنسی آتی تو مسکرا دیتے۔ نماز میں سراپا نیاز بن جاتے، نرم دل اتنے کہ کسی کی تکلیف دیکھی نہ جاتی۔ غرض کہ جس پہلو سے دیکھیے ایک مکمل ذات کا صحیح پیکر۔

اگر آج کی زندگی میں ہدایت لینی ہو تو آپ ﷺ ہر شعبہ زندگی میں نمونہ بن کر ہماری ہدایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ بچہ اور نوجوان آپ ﷺ کی ابتدا

ئی زندگی سے سبق لے ، مزدور دیکھنا چاہیں تو خندق اور مسجد نبوی کے مزدوروں کے سر دار کو ضرور دیکھیں ، زاہد و عابد درس لینا چاہیں تو غار حرا کے متعکف کو دیکھ لیں ، خطیب دیکھنا چاہیں خطبہ حجتہ الوداع دیکھ لیں ،اگر کسی فوجی افسر کو طریقہ جنگ کے اصول سیکھنا ہو میدان بدر اور خندق کے اعلیٰ افسر کو دیکھ لے ، امرا لیڈر اور سیاست داں اپنانا چاہیں تو مدینہ کی مثالی زندگی کو اپنے لیے مثال بنالیں ، غریب ومساکین مدینہ کے فاقہ کرنے والے کائنات کے مالک کی ہمت وعزم سے حالات کا مقابلہ سیکھیں۔ غرض زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ نے ہدایت کا سامان پیدا کر دیا جو ہمارے ہر دور کے ہر عمر کے اور ہر طبقے کے لیے مثال کا درجہ رکھتی ہے۔

ان کی تعریف اور خوبیوں میں یہ ایک چھوٹا سا مضمون اسی طرح ہے گویا چھوٹا منہ اور بہت ، بہت بڑی بات اور میں سوچنے پر مجبور ہوں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے ہم تمام دنیا کے انسان جہالتوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے۔ہماری دنیا اور آخرت دونوں برباد تھی کہ بحثیت عورت ہمارے لیے عورتوں کے حقوق کی صحیح نگہبانی آپ ﷺ نے فرمائی آپ ﷺ نے معمولی غلاموں کی زندگی میں خود مختاری کی نئی روح پھونک دی میری بات سے آپ سب ہی اتفاق کریں گے کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے تمام اصول وضوابط

آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے ہیں خطبہ حجتہ الوداع کی تعلیمات کا مظہر ہیں یہ چیز بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ انسانی تاریخ میں صرف آپ ﷺ ہی کی زندگی ہے جو پوری کی پوری با تمام وکمال جزئیات حافظہ میں ُذہن و فکرُ میں صفحات کا غذپر، بلکہ اعمال وکردار تک میں محفوظ ہے قدرت کے جانب سے اس تحفظ میں یہ راز بھی مخفی ہے کہ ہر عمر اور ہر حال کے انسان کے لیے آئینہ رہ نما ہے آج ہم تمام مسلمان ان ہدایات کو جو آج سے تقریبا پندرہ سو سال پہلے دی گئی تھیں پیش نظر رکھ کر اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیے جب میں آپ ﷺ کی تمام صفات پر نظر ڈالتی ہوں کہ آپ ﷺ کیسے معاشرے کے فرد تھے لیکن ! آپ ﷺ کیا ہو گئے تو آپ ﷺ مجھے دنیا کی سب سے خوبصورت اور عزیز ہستی دکھائی دیتے ہیں اور میں دل کی گہرائی سے کہتی ہوں کہ ایسے ہیں میرے نبی ﷺ ۔

بلوچستان قدرتی دولت سے مالامال صوبہ

کبھی کبھی انسان کے لیے قدرت کی دی ہوئی نعمتیں بھی زحمت بن جاتی ہیں جس طرح ماضی میں اور آج بھی تیل کی دولت جن ممالک کو حاصل ہے وہ مغربی ممالک کے سازشوں کے جال میں جکڑے ہوئے اپنے ہی لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہیں بالکل یہی حالات.برسوں سے صوبہ بلوچستان کو درپیش ہیں۔ معدنی خزانوں سے لبریز صوبہ بلوچستان آج سماجی معاشی اور سیاسی بحران کا شکار ہے بلوچستان کی داستان الم بہت پرانی ہے جس میں ٹوٹے ہوئے وعدوں کی کہانی ، بلند وبانگ دعوؤں کی کہانی شامل ہے ، جس کی سنگلاخ چٹانوں کے نیچے چھپے خزانوں پر توسب نے اپنا حق سمجھا لیکن ! فرض پر کسی کا دھیان نہیں گیا۔ بلوچستان جو صوبے اور رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے.بڑا صوبہ ہے مگرآبادی کے لحاظ سے پاکستان کا تقریباً دس فی صد ہے اس کی سرزمین کو اللہ تعالی نے قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے یہاں تیل ، گیس ، کوئلہ ، سونے چاندی ، قیمتی ماربل اور دیگر دھاتوں کے وسیع ذخائر موجود ہیں قیام پاکستان کے بعد اگر درست زاویے سے اس کی منصوبہ بندی کی گئی ہوتی تو شائد اس صوبے کا ہر باشندہ خوشحال آسودہ ہوتا اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے آزاد ہوتا مگر اس صوبے کی بدقسمتی دیکھیے کہ پورے پاکستان میں سب سے

زیادہ غربت، تعلیم، اور بیماری کے علاج سے محروم یہ صوبہ ہی نظر آتا ہے زندگی کی بنیادی سہولتوں کے لیے دیگر صوبوں کے دست نگر ہے ستم ظریفی یہ کہ اس کے وسائل پر پورا ملک ہی نہیں بلکہ غیر ملکوں نے بھی اپنی حریص نظریں جمائی ہوئی ہیں۔

بلوچستان کی تباہی و بربادی کی جب بات آتی ہے تو ہمیشہ سرداری نظام اور ان کی اجارہ داری کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ پاکستان کے تمام حکمرانوں نے اپنے مفادات اور مراعات کے پیش نظر اسے ایک سیاسی صوبہ بنانے کے بجائے سرداری صوبہ بنانے کی کوشش کی جب بھی صوبائی حکومتیں تشکیل دی جاتیں وہاں سرداری حاکمیت رہی اس بدحال صوبہ کے مسائل کا حل یہ سردار کیا کریں گے جو خود اسمبلیوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے پر گالم گلوچ اور شدید تنقید ہاتھا پائی کرتے ہیں جس کی ایک مثال ۲۲ جنوری کو ٹی وی پر ساری دنیا نے دیکھی ان سرداروں کی آپس کی نااتفاقیوں ہی کی وجہ سے غیر ملکی ان کے خزانوں کو اپنے ملک منتقل کرتے رہے ہیں۔

۱۹۶۱ء کے ایک سروے میں یہ بات پتہ چلی کہ چاغی کے اندر سونے اور تانبے کے وسیع ذخائر موجود ہیں لیکن معلوم ہونے کے باوجود حکومتیں اور ارباب اختیار سوتے رہے اس خزانے کو ملکی وسائل کے تحت نکالا جانا چاہیے تھا

لیکن حکومتی نا اہلی سے اس پورے منصوبے کو غیر ملکی کمپنی کو سونپ دیا گیا اس کا ۵۷ فی صد غیر ملکی کمپنی کو اور ۵۲ فی صد حکومت پاکستان کے حصے میں آنے کی شرائط پر کام سونپ دیا گیا ہماری لاپراوئی اور بے توجہی کی بناء پر غیر ملکی ہمارا خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہے ہیں اسی طرح سینڈک منصوبے کا ٹھیکہ چین کی ایک کمپنی کے پاس ہے وہ کئی سالوں سے اس پر کام کر رہی ہے پاکستان میں خام شکل کے سونا چاندی اور تانبے کو صاف کرنے کے پلانٹ نہ ہونے کے سبب سرمایہ کار کمپنیاں نہایت سستے داموں پاکستان کا قیمتی خام مال باہر لے جا رہی ہیں۔ چند دنوں قبل یہ خبر نظر سے گزری کہ ایران نے اپنے ذرائع سے تانبا کان سے نکالنے اور اسے صاف کرنے کی ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے اس سے جہاں اس نے جدید ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کر لی ہے وہاں بیرونی طاقتوں پر انحصار سے بھی چھٹکارہ حاصل کر لیا ہے اور اپنے ملک کی قیمتی دولت کو بچانے میں بھی کامیاب ہو گیا ہے ایران کی اس کامیابی میں پاکستان کے لیے بھی بڑا سبق ہے کہ جب ہم ایٹم بم، جدید میزائل تیار کر سکتے ہیں تو اس سرزمین میں چھپے خزانے کو خود زمین سے نکالنے کے لیے ایکسپلورنگ، مائننگ، سروئنگ اور ریفائننگ سے لے کر مصنوعات تیار کرنے تک کے تمام کام کو مقامی سطح پر کیوں نہیں کر سکتے ان دنوں عالمی میڈیا اور پاکستان میں ریکوڈک ٹیلے کے خزانے کا بڑا چرچا ہے اس خزانے کے بارے میں ایک محتاط اندازے کے مطابق

اس ٹیلے کے نیچے دس ارب کلو گرام بہترین تانبا اور سینتیس (۳۷) کروڑ گرام سونا موجود ہے جس کی مالیت ۱۰۶۲ ارب ڈالر بنتی ہے جس کے لیے ہمارے دشمن سازش کرنے میں مصروف ہیں کہ کسی طرح خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جائے ادھر ہماری بد قسمتی دیکھئے کہ اپنی مٹی کو سونا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے بجائے پوری دنیا میں کشکول لیے پھرتے ہیں ڈاکٹر ثمر مند مبارک کا کہنا ہے کہ اگر پاکستان کی حکومت اپنی نگرانی میں اپنے بل بوتے پر ان ذخائر کا استعمال کرے تو عوام کو اس کا بھرپور فائدہ حاصل ہو سکتا ہے خاص کر بلوچ عوام کے مسائل ان کی محرومیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے ان کے صوبے میں بھی زندگی کی بنیادی ضرورتیں پانی، خوارک، صحت، تعلیم اور روزگار جیسی اہم ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے آخر ان کے وسائل پر ان کا پورا حق ہے اس وقت صوبہ بلوچستان میں جو لاقانونیت، شدت پسندی، معاشی اور سیاسی بحران نظر آتا ہے اس کا واحد حل یہی ہے اسے طاقت کے بل ختم کرنے کے بجائے ان کے مسائل پر ہمدردانہ توجہ دی جائے۔

پاکستان کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے بلوچستان کی محرومیوں کا ازالہ کرنے کے لیے طاقت کے بجائے تعلیم و ٹیکنالوجی کی جانب توجہ دینی شروع کی ہے کچھ عرصہ قبل بلوچستان میں بننے والے فوجی عمارت کو انھوں نے کیڈٹ کالج میں تبدیل کر دیا جس میں وہاں کے بلوچ طا

اب علم مستقبل کے فوجی بن کر اپنے ملک وقوم کی خدمت کریں گے انھیں باعزت روزگار میسر ہوگا گزشتہ دو سال میں چار ہزار بلوچ نوجوان فوج میں بھرتی کیے گئے اس سال پانچ ہزار نوجوانوں کو مزید بھرتی کیے جانے کا پروگرام ہے بلوچ نوجوانوں کے لیے بھرتی کی شرائط میں بھی نرمی کی گئی ہے چند روز قبل جنرل کیانی نے کاسہ ما ربل پراجیکٹ کا افتتاح کیا اس افتتاح کے موقع پر انھوں نے فرمایا کہ ہم قدرتی معدنیا ت کو بہتر طریقے سے استعمال کرکے معاشی ترقی حاصل کر سکتے ہیں بلوچستان کے وسائل پر پہلا حق مقامی لوگوں کا ہے مذکورہ ماربل چین اور دبئی سمیت دیگر ممالک میں درآمد کیا جائے گا یہ منصوبہ ۵۰ سال تک قابل عمل ہے سنیڈک اور ریکوڈک جیسے اہم پروجیکٹ پر بھی صوبے کے افراد کو حصہ دار بنا کر خوش حالی لائی جا سکتی ہے اس پراجیکٹ سے وہاں کے لوگوں کو باعزت روزگار، صحت، تعلیم، سڑکوں کی تعمیر اور صاف پانی کی فراہمی ممکن ہوسکے گی۔ بلوچستان جسے قدرت نے معدنی دولت کی نعمت سے نوازا ہے جنرل کیانی کی کوشش ہے کہ بلوچ نوجوان معدنی وسائل کے مضامین میں تعلیم حاصل کریں اس سال پاک آرمی اسکولوں میں ٹیکنکل تعلیم کی فراہمی کے لیے الگ مضمون پڑھانے کے لیے ڈاکٹر ثمر مند مبارک اور دیگر ماہرین کی خدمات حاصل کر رہی ہے مختلف علاقوں میں ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ بنائے جا رہے ہیں اگر اسی طرح کی پر خلوص کوششیں جاری رہیں تو جلد ہی بلوچستان ملک کا خوشحال ترین صوبہ بن جائے

كـ

پانی کا عالمی دن

۲۲ مارچ کو پوری دنیا میں آبی وسائل کا دن منایا جارہا ہے اس دن پانی کے حوالے سے درپیش مسائل کے حل کے لیے ورلڈ فورم کا انقعاد کیا جاتا ہے دنیا کو صاف پانی مہیا کرنے کا خواب دیکھنے والوں کا سب سے بڑا اجتماع" ورلڈ واٹر فورم" جس کا اجلاس ہر تین سال بعد ہوتا ہے اس فورم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ۰۸۱ ممالک کے ۰۲،۰۰۰ ہزار افراد حصہ لیتے ہیں جن میں ۰۹ وزراۂ ۰۵۲ ارکان پارلیمنٹ' سائنس دانوں اور پانی فروخت کرنے والے پیشہ ور شامل ہوتے ہیں ۹۰۰۲ء میں اس کا آخری اجلاس ترکی کے شہر مارسیلی میں ہوا آئندہ ۲۱۰۲ء میں ہونے والے اجلاس کی میزبانی فرانس کے حصہ میں آئے گی آبی ماہرین کا کہنا ہے کہ آئندہ آنے والی دھائیوں میں ملکوں کے درمیان جنگ آبی وسائل کے حصول کے لیے ہوگی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر گھمبیر مسئلہ ہے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک جہاں کروڑں لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہوں جہاں خون پانی سے بھی ارزاں ہوگیا ہو وہاں لوگ آنے والے دنوں کی منصوبہ بندی پر کس طرح صرف نظر کر سکتے ہیں بیشتر ترقی یافتہ ممالک آنے والے دنوں کی جامع حکمت عملی میں مصروف عمل ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ دوسرے ترقی پذیر ممالک کے آبی ذخائر پر قبضے کی کوششیں بھی جاری ہیں جس طرح اسر

ئیل نے فلسطین اور اردن کا پانی روک رکھا ہے اسی طرح ہر سال بھارت پاکستان کے آبی حصہ داری پر ڈاکہ ڈالتا رہا ہے۔

پانی جیسی اہم ضرورت پر قبضے کی کہانی بہت پرانی ہے جو لوگ دنیا کے تمام وسائل اپنے قبضے میں رکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ اس بات سے ضرور آگاہ ہیں کہ پانی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے اگر ہم اسلامی تاریخ پر بھی نظر ڈالیں تو اوائل اسلام کے زمانے میں مسلمان ودیگر قبائل کے لوگ کس طرح پانی کے حصول میں سرگرداں رہتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک روایت بے حد مشہور ہے جس میں انھوں نے مکہ کے سب سے بڑے (آبی ذخیرہ) کنواں کو ایک یہودی سے منہ مانگے داموں خرید کر اسے بلا مذہب و تفریق تمام مکہ والوں کے لیے وقف کر دیا تھا یہ ان کی سخاوت کی بے شمار بے مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔آج کی دنیا میں پانی کے حوالے سے بہت گرما گرمی پائی جاتی ہے خصوصاً وہ ترقی یافتہ ممالک جہاں پانی کے مسائل نہیں وہ بھی دوسرے ترقی پذیر ممالک کے آبی ذخائر پر حریصانہ نظریں جمائے ہوئے ہیں یہ ترقی یافتہ ممالک ورلڈ بنک کے مضبوط رکن کی حیثیت رکھتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو دیے گئے قرضے کی کڑی شرائط میں سیاہ وسفید کے مالک ہو تے ہیں غریب ممالک کی بقاء کا دارومدار اسی قرضے اور غیر ملکی امداد پر ہوتا ہے لہٰذا یہ کسی دباؤ اور شرائط کو نہ کہنے کی پو

زیشن میں نہیں ہوتے ان کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ورلڈ بنک نے پانی کی نجکا
ری کی پالیسی متعارف کرائی ہے جس کے تحت پانی کی پوری پوری قیمت وصول کی جائے
گی اس کی ایک مثال ورلڈ بنک نے ۲۰۰۵ء میں اپنے مقروض ملک بولیویا (جنوبی
امریکہ) میں ورلڈ بنک کے احکام نے حکومتی کابینہ کے اجلاس میں شرکت کی اور بولیویا
کے تیسرے بڑے شہر" کوچابا ما" میں صاف پانی کی فراہمی کے لیے ۲۵ میلین امریکی
ڈالر قرضہ دینے سے انکار کر دیا شرط یہ رکھی گئی کہ حکومت جب تک پہلے پانی کے
نظام کو نجی ملکیت میں نہیں دے دیتی اور اسکے اخراجات صارفین پر نہیں ڈالے جاتے یہ
قرضہ نہیں دیا جا سکتا اس ضمن میں ہونے والی نیلامی میں صرف ایک ٹینڈر کو منظور کیا
گیا جس کی سربراہی بدنام زمانہ ایک بڑی انجینئر کمپنی کے پاس تھی جس نے چین میں
تین بڑے ڈیموں کی تعمیر میں بڑی کرپشن کی تھی لیکن ورلڈ بنک کے دباؤ میں آ کر
اس کمپنی کو کام سونپ دیا گیا اس کمپنی نے ابھی کام شروع بھی نہیں کیا تھا کہ پانی کی
قیمتیں دوگنی کر دی گئی بولیویا کے عوام کے لیے اب پانی کا حصول غذا سے بھی مہنگا ہو گیا
تھا ان لوگوں کے لیے جو کم آمدنی رکھتے تھے یا جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا ان کے
لیے اس طرح زندگی گزارنا ناقابل برداشت ہو گیا پانی کے بل ان کے گھریلو بجٹ کی
آدھی رقم بہالے جاتا عوام کی زندگی مزید اجیرن بنانے کے لیے ورلڈ بنک نے مر
اعات یافتہ طبقے کو پانی کے نرخ مقرر کرنے کا مکمل اختیار دے دیا نیز حکومت کو تنبیہ کی

گئی کہ اس کی قرضے دی گئی رقم پانی کے غریب صارفین کو سبسڈی دینے کے لیے استعمال نہیں کی جائے گی کسی بھی ذریعے سے حاصل ہونے والے پانی کو خواہ وہ کیو نٹی کنویں سے ہی کیوں نہ نکالا گیا ہو اس کے حصول پر پابندی لگا دی گئی ان تمام شرائط کی ورلڈ بنک یہ دلیل دیتا ہے کہ غریب حکومتیں اکثر بد عنوانی کا شکار رہتی ہیں لٰہذا غریب عوام کو پانی کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے مؤثر انتظام اور آلات سے قاصر رہتی ہیں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ورلڈ بنک سرمایہ کاری اور ہنر کے نئے راستے کھولتا ہے یہ الگ بات ہے کہ پانی کی قیمت میں اضافے سے غربت کی شرح میں مزید اضافہ ہوتا ہے پانی کے حوالے سے ورلڈ بنک نے جو کڑی شرائط رکھ کر ترقی پذیر ممالک کو اپنے بس میں کیا ہوا ہے اس میں ارجنٹائن، کولمبیا، چلی، ایکواڈور، مر اکش اور فلپائن شامل ہے اگر ہم اپنے ملک کی پاکستان کی بات کریں تو ہم بھی اسوقت ورلڈ بنک کے شکنجے میں پھنسے ہوئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ حالات اس نہج پر نہیں پہنچے کہ ورلڈ بنک ہمارے آبی وسائل کی بابت فیصلے کرنے کا مجاز ہو لیکن یہ ہماری بدقسمتی بھی ہے کہ پاکستان اپنے بیش بہا وسائل کے باوجود مشکلات کا شکار ہے جب بارش نہ ہو تو ہم قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر باران رحمت برس پڑے تو ہم اس ذخیرے کو محفوظ کرنے بجائے سیلاب کے ہاتھوں ہلاکتوں سے پریشان ہوتے ہیں اس مسئلہ سے نبٹنے کے لیے ہماری حکومت کو موثر حکمت عملی کی ضرورت ہے بھارت ہمارے آبی

وسائل پر قابض ہونے کے لیے درجنوں ڈیمز بنا رہا ہے تاکہ ہماری زرعی زمینوں کو بنجر کر کے موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث آئندہ آنے والے سالوں میں آبی مسائل کی ٹھوس منصوبہ بندی کر کے ہم آزاد اور ترقی یافتہ ممالک کی صفوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

امریکی جنگی جرائم کی فہرست۔ڈرون حملے

ڈرون حملوں کے حوالے سے امریکی ہٹ دھرمی، سفاکی اور ظلم و جبر اس وقت پورے پاکستان کے لیے لمحہ فکریہ ہے اس کی چنگیزی و بربریت پر تمام پاکستانیوں کے دل غم زدہ ہیں امریکی کردار کے بارے میں بانو آپا کا یہ تبصرہ دل کو لگتا ہے اس کا ایک ایک حرف گویا پتھر پر لکیر کی مانند اٹل لگتی ہے وہ کہتی ہیں کہ " اگر ہم امریکی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسے دریافت تو کولمبس نے کیا تھا مگر اسے آباد ڈاکوؤں نے کیا تھا اور ڈاکوؤں کی اپنی کچھ بنیادی خصوصیات ہوتی ہے مثلاً دلیری، بہادری اور زبردستی۔ وہ جب کسی چیز کو ہتھیانا چاہتا ہے تو اپنے آپ کو سینہ زوری پر ابھارنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوتا اس لیے امریکہ کو جب سڑکیں بنانے، جنگل کاٹنے اور اشیاء کی بھرمار کرنے کی ضرورت پڑی اس نے جال ڈال کر نیگرو لوگوں کو ہتیا کر جہاز میں لادا اور امریکہ کی سرزمین پر پھینک دیا جب امریکی لوگوں کو اس سرزمین پر قابض ہونے کا سودا سمایا تو ریڈ انڈینز کو امریکی تارکین وطن نے چن چن کر ختم کر دیا امریکی ڈاکو اگر ترس کھانے پر آجائے تو رابن ہڈ بن جاتا ہے اگر ظالم ڈاکو ہو تو اس کو تہس نہس کرنے والا دہشت گرد بن جاتا ہے اسے آپ جرثومے کا کرشمہ کہیں یا پرکھوں کے

رسم و رواج کی پروری یا امریکی مزاج کی ایک خوبی لیکن ! ایک بات واضح ہے کسی ایک خطے کے بسنے والوں میں ایک خوبی ہوتی ہے اور امریکہ آج بھی ڈاکو ں کی خو بیوں خامیوں سے مرقع ہے جب چاہے دشنام دے دے جب آمادہ ہو چاہے خلعت عطا کر دے یہ تمام باتیں مجھے امریکہ پر پوری طرح صادق نظر آتی ہیں امریکہ ایک ایسا ملک جو آزادی چھیننے کا داعی ہے اپنی آزادی ثابت کرنے کر لیے وہ کسی کی آزادی سلب کر سکتا ہے اپنی طاقت کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے کسی بھی ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے امریکی جنگی جرائم کی فہرست خاصی طویل ہے۔

جولائی ۵۴۹۱ء کو دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ نے جاپان کو ہتیار ڈالنے کا ۶۲ حکم دیا جاپان نے انکار کر دیا جس کی پاداش میں ۶ اور ۹۱ اگست کو جاپان کے دو بڑے شہروں میں ایٹم بم گرائے گئے جب یہ بم ہیروشیما پر گرایا گیا تو آن واحد میں ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار افرد زندہ پگھل گئے یہی حال ناگاساکی شہر کا ہوا جہاں بم گرانے کے چند منٹوں میں اسی ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ ویت نام کی مشہور زمانہ جنگ جو یکم نومبر ۵۵۹۱ء سے ۰۳ اپریل ۵۷۹۱ء یعنی انیس سال جاری رہی اس اشتراکی جنگ میں امریکہ نے کلیدی کردار ادا کیا ایک اندازے کے مطابق امریکہ نے ساڑھے پانچ لا کھ امریکی فوجی ویت نام بھیجے اس خون ریز جنگ میں ویت نام اور ویت کانگ میں

۱۱۱لاکھ ۶۷ ہزار گمشدگیوں اور ہلاکتوں کی تعداد رہی جب کہ ۶ لاکھ سے زائد زخمی ہوئے امریکی سفاکی کا مظاہرہ ہمیں آج کے عراق میں بھی نظر آتا ہے جہاں لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں ہر طرف عمارتوں کے کھنڈرات ، بارود اور دھواں نظر آتا ہے ۔افغانستان آج موئن جو دڑو کا نقشہ پیش کر رہا ہے اسکے شہریوں کا کوئی مستقبل نہیں امریکہ نے اس جنگ میں اسکی ہر ممکن مدد کرنے والے پاکستان کو بھی نہیں چھوڑا۔ گزشتہ کئی سالوں سے وہ متواتر پاکستان کے شمالی علاقوں پر ڈرون حملے کر رہا ہے امریکہ کا دعویٰ ہے کہ ڈرون حملے دہشت گردی کے خلاف پکی مصدقہ معلومات پر کیے جاتے یں اگر ایسا ہے تو چند سال قبل ایک شادی کی تقریب پر میزائل سے حملہ چہ معنی دارد؟ مارچ جمعرات کی صبح قبائل کے مابین پہاڑ کی ملکیت پر ہونے والے تنازعہ پر وزیر ۸۱ ستان تحصیل دتہ خیل کے علاقے میں امن جرگہ جاری تھا کہ امریکی جاسوس طیارے نے چھ میزائل فائر کیے جس سے ۵۴ افرد جاں بحق ہوئے اور ۸۰ سے زائد زخمی ہو ئے مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ ہلاک ہونے والے افراد بے گناہ تھے ایک طرف امریکہ فکر مند ہے سروے کرواتا ہے کہ اسکے خلاف پاکستانیوں میں نفرت دن بدن بڑھ رہی ہے دوسری جانب وہ اس نفرت کی سب سے بڑی وجہ کو ختم کرنے کے لیے راضی نہیں جن لوگوں کے اپنے بے گناہ بے موت ڈرون حملوں میں مارے جا رہے ہیں اس کا

بدلہ لینے میں ان کے الواحقین بے بسی و مجبوری میں آخری حد تک جانے کو تیار ہیں
ان حملوں سے پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف کاروائیاں متاثر ہو رہی ہیں
.برسوں سے ڈرون حملے ہمارے سرحدی علاقوں میں روز مرہ کا معمول بن چکے ہے وہ
قبائلی علاقے جو کبھی پاکستان کے شمشیر بازو تھے فخرپاکستان کہلاتے تھے ڈرون طیا
روں کا ہدف بنے ہوئے ہیں ڈرون حملوں کے خلاف دفتر خارجہ کی مذمت اور احتجاج
کا کوئی اثر نہیں آئی ایس آئی کے سربراہ شجاع پاشا نے اپنے ہم منصب لیون پینٹ سے
ملاقات کی امریکی حکام نے ڈرون حملوں کو روکنے سے معذرت ظاہر کی ان کا کہنا تھا کہ
قبائلی علاقوں میں القاعدہ کی موجودگی ثابت ہو چکی ہے۔
بی بی سی کے مطابق امریکی سی آئی اے کے اہلکار نے کہا ہے کہ ہم ایسے کسی آپریشن کو
ختم نہیں کریں گے کیونکہ انھیں امریکی شہریوں کا دفاع کرنا ہے اگر انھیں اپنے
شہریوں کے جان ومال کے دفاع کا خیال ہے پاکستانی ارباب اختیار کو اپنے عوام کے جا
ن ومال کی کیوں فکر نہیں تمام ماہر سیاسیات اس بات پر متفق ہیں کہ حکومتی ادارہ
اپنے شہریوں کے جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت ،امن و عامہ اور انصاف کی فر
اہمی کے لیے بنایا جاتا ہے عام شہری کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت کا
بیڑہ حکومت کے ہاتھ ہے حکومت میرا بدلہ لے گی لیکن ! یہ کیسی حکومت ہے اسکے
شہریوں پر

میلوں دور سے طیارے آکر میزائل برساتے ہیں اور بے خوف وخطر واپس چلے جاتے ہیں ان ڈرون حملوں میں سینکڑوں پاکستانی بے گناہ مارے جا چکے ہیں کہیں کسی ذمہ دار نے مذمت نہیں کی کیا یہ لوگ پاکستانی نہیں ؟ بس ایک خبر یوں دے دی جاتی ہے ڈرون حملہ ۲۰ دہشت گرد ہلاک یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان دہشت گردوں میں کتنی تعداد خواتین اور بچوں کی تھی اب تک کے شواہد بتاتے ہیں کہ ڈرون حملوں پر پاکستانی حکومت اور سلامتی اداروں کو اعتماد میں لیا گیا تھا لیکن کب کہاں اور کس طرح اٹیک کرنا ہے اسکی اجازت لینے کی انھیں ضرورت نہیں۔

امریکہ نے پاکستانی سرزمین پر ۲۰۰۴ء میں ڈرون حملے کا آغاز کیا یہ حملے سابق امریکی صدر جارج بش، پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کے زمانے میں شروع ہوئے اور آج صدر بارک اوباما کے صدر بننے کے بعد، پاکستان میں زرداری حکومت قائم ہونے کے بعد ان حملوں کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا جن میں زیادہ تر تعداد بے گناہ لوگوں کی ہے اس بات کا اعتراف خود امریکی آقاؤں نے اپنی تقریروں میں کیا ہے امریکی حکمرانوں نے کتنے ہی غریب ملکوں کو امداد اور تحفظ کی آڑ میں خانہ جنگی اور موت کی دلدل میں دھکیل دیا اس کا تازہ ترین شاہ کار "دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ" جس کی آڑ میں انھوں نے عراق اور افغانستان کو تہس نہس کر دیا اب پاکستان

اسکے حصار میں ہے ہم امریکہ کو اسکا ذمہ دار ٹھرا سکتے ہیں یہ ٹھیک بھی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہو گا کہ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے اس میں شروع دن سے اب تک ہمارے اپنے پالیسی ساز کس قدر ذمہ دار ہیں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہم اپنے طالع آزماؤں کی لگائی ہوئی آگ میں خاکستر ہو رہے ہیں کیونکہ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جو آزادی چھیننے کا داعی ہے اپنی آزادی اور طاقت کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے اسے مکمل اختیار ہے۔۔۔

لاپتہ افراد کے لیے زنجیر عدل

ایک بزرگ خاتون کی آہ وبکا سپریم کورٹ میں مقدمہ نمٹاتے ججز کی آنکھیں بھی نم کر گیا یہ عدالت لاپتہ افراد کیس کی سماعت کر رہی تھی اس بزرگ خاتون کا کہنا تھا کہ انھوں نے اپنی جوانی بیوگی میں گزاری ایک ہی بیٹا تھا اسے پالا پوسا پڑھایا لکھایا جب وہ اس قابل ہوا کہ زندگی کے چند لمحے سکون سے گزار سکے تو ایک دن اسے اٹھالیا گیا کئی سالوں کی دربدر کی ٹھوکریں کھاتی لاچار خاتون کا کہنا تھا اس کا بیٹا کسی برے فعل میں ملوث نہ تھا اس کے باوجود لاپتہ کر دیا گیا ان لوگوں کے جن کے اپنے گزشتہ کئی سالوں سے لاپتہ ہیں جن کی تلاش ان کے لواحقین تصویریں ہاتھوں میں تھامے مارے مارے کبھی ایک ادارے سے دوسرے ادارے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں مگر انھیں کچھ معلوم نہیں کہ ان کے یہ عزیز زندہ بھی ہیں یا نہیں ؟ کس حال میں ہیں ؟ اپنے پیاروں کی تلاش میں کس زنجیر عدل کو کھٹکھٹائیں ؟ ان کی آنکھیں خاموش ہیں مگر چہرے پر کئی سوال اور بددعائیں تحریر ہیں کہ اس ملک اس معاشرے میں کوئی خدا ہے تو اس خدا کا خوف کیوں ان لوگوں کے دلوں میں نہیں ؟ خدا کے لیے ہمیں ہمارے پیاروں کی زندگی یا موت کی اطلاع تو دے دو اگر وہ مر چکے ہیں تو بھی بتادو کہ ہم دل پر پتھر رکھ کر اس کے نام کے

آگے مرحوم لکھ دیں اگر زندہ ہیں تو کم از کم اتنا بتا دیں کہ زندگی میں دوبارہ ان کی صورت دیکھ سکیں گے یا نہیں ؟ ان مظلوموں کو ان تمام سوالات کا جواب کسی ریلی کسی یاداشت سے نہیں مل سکا آج بھی ان حقائق سے پردہ نہیں اٹھایا جا سکا ہے۔

یہ بات بلا کسی حیل وحجت کے کہی جا سکتی ہے کہ لاپتہ افراد کا معاملہ اس قدر حساس ہے کہ اس پر قلم اٹھانا بڑی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے جب سپریم کورٹ نے اس پر توجہ کی تو تمام لوگوں کی یہی رائے تھی سب کا ایک ہی خیال تھا کہ اتنے اہم اور طاقت ور ادارے سے جواب طلبی کرنا ناممکن ہے اپنی طاقت کے حوالے سے اس بار سپریم کورٹ غلط فہمی کا شکار ہے کچھ عرصہ قبل جب سپریم کورٹ نے اس کیس کے سلسلے میں خفیہ اداروں سے پوچھ تاچھ کی تو ان کا صاف جواب یہی تھا کہ یہ ہماری تحویل میں نہیں نہ ہم کسی کو جواب دہ ہیں مگر کچھ دنوں کے بعد انہی اداروں نے اپنا بیان بدل کر اعتراف کیا کہ اڈیالہ جیل کے وہ گیارہ افراد ہماری تحویل میں ہیں خفیہ اداروں کے وکیل محمد ارشاد نے کہا سپریم کورٹ کا احترام کرتے ہیں اور ان کے فیصلے کو قبول کریں گے چیف جسٹس آف پاکستان اپنی جرات مندانہ طبعیت کے باعث اس امتحان میں بھی سرخرو ہوئے اور انھوں نے اڈیالہ جیل سے اغواء کیے گئے افراد کا سراغ لگا لیا یہ یقیناً انصاف اور قانون کی بڑی جیت اور فتح

کے ابواب میں ایک اضافہ ہے (لیکن ! اس کیس میں ابھی امتحان اور بھی ہیں) چیف جسٹس صاحب کو اللہ تعالیٰ مزید ایسے احکامات جاری کرنے کی استطاعت فرمائے عدلیہ کی تاریخ میں وہ پاکستان کے مقبول ترین چیف جسٹس ہیں جو اخبارات میں چھپنے والی چھوٹی چھوٹی خبروں پر سوموٹو ایکشن لے لیتے ہیں اس ایکشن کے نتیجے میں ان سینکڑوں ہزاروں مظلوموں کو انصاف اور ریلیف ملتا ہے جو شائد برسوں عدالت کے دروازے تک بھی نہ پہنچ پاتے۔

پاکستانی میڈیا اور اخباروں میں ایک دھائی سے لاپتہ افراد کا معاملہ زیر بحث ہے سابق صدر پرویز مشرف اپنی سوانح حیات " دی لائن آف فائر" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ڈالرز کے بدلے میں کئی پاکستانیوں کا امریکہ سے سودا نمٹا چکے ہیں ان کا 'ڈالر دو بندے لو' کا محاورہ بھی بازگشت میں رہا وائس فار مسنگ پرسن کے مطابق بلوچستان میں مشرف دور حکومت سے لے کر اب تک آٹھ ہزار لوگ لاپتہ ہو چکے ہیں جب کہ صوبائی حکومت کا کہنا ہے کہ یہ تعداد چند سو سے زیادہ نہیں اس وقت ۷۰۶ لاپتہ افراد کا افغانستان میں موجودگی کا انکشاف بھی ہوا ہے لاپتہ افراد کی بازیابی کا معاملہ آج کے جمہوری دور حکومت میں بھی ناکامی سے دوچار ہے۔

آج کل پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں لاپتہ افراد کے مسئلہ پر بحث و مبا

حثہ ہے وفاقی حکومت نے بھی ان کا سراغ لگانے اور بازیاب کرنے کی یقین دھانی کر
وائی ہے حکومت نے مزید دو کمیٹیاں بنانے کا اعلان کیا جب کہ دو کمیٹیاں اس سلسلے میں
پہلے ہی کام کر رہی ہے جس کے سر براہ سیکرٹری داخلہ اور دوسری کے ہائی کورٹ کے
ریٹائرڈ جج ہیں جو معاملات کا جائزہ لے رہی ہے بات اب تک بحث برائے بحث تک
ہے کوئی فریق کھل کر مسئلہ کی نشاندہی کرنے کے لیے راضی نہیں وزیر داخلہ نے کئی با
ر اپنے بیان میں کہا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کو بند کمرے میں بریفنگ دینے کو تیار ہیں مگر
اب تک اس بابت کوئی سنجیدہ کاروائی کا اہتمام نہیں کیا گیا کسی کے ہنستے بستے پر سکون گھر
سے کسی فرد کا اٹھا لیا جانا یا صبح کام پر گئے اور واپس نہیں آنا کوئی معمولی بات نہیں پھر
اس پر ظلم یہ کہ اس بارے میں کچھ پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں اور کس حال ہیں ہم سب
کے لیے لمحہ فکریہ ہے لوگوں کا لاپتہ ہو جانا کوئی حادثاتی کاروائی نہیں اسکی کڑیاں بین
الاقوامی سازشوں سے ملتی ہیں جن کا مقصد پاکستان کو کمزور کرکے ناقبل تلافی نقصان
پہچانا ہے وہ بڑی طاقتیں جو پاکستان کے ہمسایہ ممالک میں اپنی توسیع پسندانہ عزائم کے
لیے ساز باز کرکے بلوچستان کو لگاتار عدم استحکام کی جانب دھکیل رہی ہیں ملک میں
قوم پرستی کے جذبات کو ہوا دے کر نوجوانوں کو اسلحہ اور مالی امداد فراہم کرکے
اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال کر رہی ہیں پارلیمانی کمیٹی کے لیے اس سارے معاملے
کو انتہائی ذمہ داری

سے سمجھنے کی ضرورت ہے عدم پتہ اور مسخ شدہ لاشوں کے سلسلے کو اب رکنا چاہیے عوام کے جان ومال کی حفاظت حکومت وقت کی ذمہ داری ہے۔

امریکی تاریخ عدلیہ کے سب سے قابل احترام اور جرات مند جج چیف جسٹس سر جان مارشل (۲۴ ستمبر ۵۵۹۱ء سے ۶ جولائی ۵۳۸۱ء) ہیں چیف جسٹس سر جان مارشل کا تاریخی کارنامہ ہے کہ انھوں نے عدلیہ کی ماڈرن ہسٹری میں جوڈیشنل ایکٹوزم کی بنیاد ڈالی اور عوامی مفاد میں امریکی کانگریس کے کئی منظور کردہ قانون کو کالعدم قرار دیا سر جان مارشل کا ایک مشہور ریمارکس ہے جو انھوں نے ایک مقدمے کی سماعت کے دوران انتظامیہ کی تمام تر کوششوں کے باوجود ایک عام کو شہری کو ریلیف دینے کا حکم دیا انھوں نے اپنے فیصلے میں کہا کہ " حکومت کا بنیادی فرض ہے کہ اپنے شہریوں کے حقوق کا تحفظ کرے عدل وانصاف اور قانون جیسی اصلاحات اس وقت اپنی وقعت کھو دیتے ہیں جب حقیقی معنوں میں ان پر عمل نہ کیا جائے ہزاروں سالہ انسانی تاریخ بتاتی ہے ناوے مجرموں کو سزا دینے سے ایک بے گناہ کو ظلم سے بچانا زیادہ بہتر ہے کہ مظلوم کے ساتھ ہونے والی زیادتی پورے معاشرے پر اثر ڈالتی ہے۔

ارتھ ڈے۔ ہماری بقا کا سوال

ایک بوڑھے آدمی کو پودا لگاتے دیکھ کر لوگوں نے کہا" بابا جی آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہو جب تک یہ پھل دینے کے قابل ہو گا آپ اس دنیا میں نہیں ہوں گے "اس پر بوڑھے آدمی نے کہا "میں جانتا ہوں کہ جب یہ تناور درخت بن جائے گا تو میں اسکا پھل کھانے کے لیے اس دنیا میں نہیں رہوں گا لیکن یہ درخت میں نے اپنے فائدے کے لیے نہیں لگایا میرے.بزرگوں نے جو درخت لگائے تھے اس کے پھلوں کو میں نے استعمال کیا اب یہ درخت میں اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے لگا رہا ہوں "کہنے کو یہ چھوٹی سی معمولی کہانی ہے لیکن اس میں سمجھنے والوں کے لیے.بڑی حکمت ہے خاص کر ہم جیسی نا سمجھ قوم کے لیے جو اپنے قیمتی جنگلات.بڑی بے دردی سے صاف کرتے جارہے ہیں اس بات کو جانے سمجھے بناء کہ ان جنگلات سے ماحول پر کیا اثر پڑتا ہے بارش سیلاب کی تباہ کاریاں کس طرح یہ روکتے ہیں ہمارے تو دین اسلام میں بھی شجر کاری کو عبادت کا حصہ کہا گیا ہے اور ہرے بھرے درخت کو کاٹنا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

آج جب پوری دنیا میں ارتھ ڈے منایا جارہا ہے،اس بات کی اہمیت.بڑھ جاتی ہے کہ ہم اپنی زمین اور اسکے ماحول کو بہتر کرنے کے لیے کیا تدابیر سو

چتے ہیں اور کس طرح ان پر سختی سے عمل پیرا بھی ہیں، تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کو یہ دنیا ایک خوبصورت انداز میں مل سکے پوری دنیا میں ماحولیاتی آلودگی اور زمینی وسائل کے بے دریغ استعمال نے بے شمار مسائل کھڑے کر دیے ہیں ہمیں بھی اپنے ملک کے ان مسائل پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے آلودگی ہماری رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی طرح ہمارے ماحول کا جز بنتی جا رہی ہے یہ وہ بیماری ہے جو خاموش قاتل کی طرح ہمارے ماحول کو دیمک کی طرح چاٹتی جا رہی ہے بد قسمتی سے اس بیماری کے جراثیم ہم انسان نے خود پھیلائے ہیں جب کوئی چیز پھیل جائے تو پھر کئی حصوں میں تقسیم بھی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج آلودگی کی کئی اقسام مثلاً فضائی آلودگی، تیزابی آلودگی، آبی آلودگی اور صوتی آلودگی (نوائز پولوشن) ہمارے ماحول کا حصہ ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں سانتا باربرا (کیلوفورنیا) کے ساحلوں پر سفر کے دوران گیلورڈ نیلسن نے دیکھا کہ اس کے خوبصورت ساحلوں کو تیل نے بری طرح آلودہ کر دیا ہے اس نے اپنے طور پر لوگوں کو صاف ماحول سے آگاہی کے لیے کوششیں شروع کی اور بالآخر ۲۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو پوری دنیا میں باضابطہ طور پر ماحول کا عالمی دن منانے کا اعلان کر دیا گیا اس پروگرام میں دس لاکھ امریکیوں نے شرکت کی جن میں کالج اور یورنیورسٹیوں کے طلباء سے لے کر عام آدمی تک نے ماحول کی آلودگی پھیلانے والی فیکٹریوں، آئل، پاور پلانٹس، خام سیوریج، جنگل کا نقصان، اور فضائی آلودگی کے خلاف اعلان

جنگ کیا ان کے اس احساس ذمہ داری نے ان ملکوں کو بڑی حد تک ماحولیاتی آلودگی سے چھٹکارہ دلا دیا اس سلسلے میں میڈیا نے بھی اہم کردار ادا کیا اور روزانہ کی بنیاد پر ایک گھنٹے کا پروگرام عوام کی آگاہی کے لیے پیش کیا جس کا عنوان تھا " ارتھ ڈے۔ ہماری بقا کا سوال "

پاکستان میں انوارمنٹ پروٹیکشن کونسل کے نام سے ۱۸۹۴ء میں ایک ادارے کی بنیاد رکھی گئی اس کا قیام پاکستان انوارمینٹل پروٹیکشن آرڈینس ۱۸۹۳ء کے سیکشن ۳ کے تحت عمل میں آیا اس آرڈینس کے تحت صدر پاکستان کی سربراہی میں یہ ادارہ اجلاس بلانے کا پابند ہے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اپنے قیام کے ۹ سالوں تک اس ادارے کا ایک بھی اجلاس نہیں بلایا گیا ۱۰ مئی ۳۹۹۱ء کو نگران وزیر اعظم بلخ شیر مزاری کی سربراہی میں اس کا پہلا اجلاس ہوا، انھوں نے شور، موٹر گاڑیوں کے دھویں، میونسپل، صنعتوں سے گیسوں کے اخراج کو نیشنل کوالٹی اسٹینڈرڈ کی منظوری دی مگر ان پر عمل درآمد نہ ہو سکنے سے ان کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اس ادارے کا آخری اجلاس پچھلے سال ۹۲ مارچ کو صدر آصف علی کی کی سربراہی، میں ہوا جس میں دریاؤں اور ندیوں کے پانی کا انتہائی مضر صحت ہونا، صنعتی آلودگی، روزانہ ٹنوں کے حساب سے گلیوں اور ہسپتالوں کا کچرا اور ناکارہ مواد کو ٹھکانے لگانے کا کوئی خاطر خواہ انتظا

م نہ ہونا اور جنگلات میں درختوں کا خطرناک حد تک کم ہونا جیسے اہم مسائل پر غور کیا گیا۔

آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ قدرتی وسائل پر بھی دباؤ بڑھتا جارہا ہے جنگلات ختم کرکے نئی بستیاں آباد کی جارہی ہیں، جنگلات میں کمی ہونے کے سبب موسم میں جو تبدیلیاں ہورہی ہیں اس سے ماہرین ارضیات نے بھیانک خطرے سے تعبیر کیا ہے دنیاکے ممالک نے اس پر توجہ دینی شروع کردی ہے، کیونکہ اگر جنگلات ختم ہوگئے تو حیوانی زندگی کا وجود بھی ختم ہوجائے گا ماہرین کے مطابق بااثر لوگوں کی لکڑی کی تجا رت اور آبادی کے پھیلاؤ کے سبب پوری دنیا میں تقریباً ہر سال پچاس لاکھ ایکڑ جنگلا ت ضائع ہورہے ہیں خود ہمارے ملک میں ہرے بھرے درخت کاٹنے پر پابندی ہے مگر اس کے باوجود قانون کی خلاف ورزی کرنے والے گرفت سے باہر رہتے ہیں، ایک پودے کو درخت بننے میں برسوں لگ جاتے ہیں اس لیے جہاں درخت لگانا ضروری ہیں وہاں سرکاری سطح پر لوگوں میں درختوں کی حفاظت کا شعور بھی پیدا کر نے کی ضرورت ہے۔ اس وقت زمین کو انسانوں نے بے دریغ استعمال سے آلودہ کردیا ہے اس آلودگی نے ترقی پذیر ممالک کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے سو یہا ں بھی ہمارے عوام کو بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں پانی جو زندگی کی اشد ضرورت ہے ہماری اپنی غلطیوں سے پانی

انتہائی آلودہ ہو چکا ہے ہم آئے دن ساحل پر آلودہ پانی کی وجہ سے ہزاروں مچھلیوں کے مردہ پائے جانے کی خبر اخباروں اور ٹی وی پر دیکھتے ہیں یہ آلودہ پانی قدرتی توازن کے بگاڑ کا سبب اور فصلیں تباہ کرنے کا باعث بھی بنتا ہے۔ کیمیکل فیکٹری اور چمڑے کے کارخانوں کا فضلہ گٹر کا پانی، کوڑا کرکٹ سب سمندر میں بہا دیا جاتا ہے جو سمندر کے پانی کو زہریلا کرنے کا سبب بنتا ہے اور اس میں رہنے والی حیات کو بھی نقصان پہنچاتا ہے ان مسائل سے نبٹنے کے لیے سخت ترین قانون بنانے کی اور اس پر عمل درآمد کرانے کی اشد ضرورت ہے اس سلسلے میں لوگوں کے شعور اجاگر کرنے کے لیے اسکولوں اور مسجدوں میں چھوٹے چھوٹے پروگرام کے ذریعے لوگوں میں آگاہی پیدا کی جا سکتی ہے۔

ہمارا ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہے جو معاشی ترقی کے لیے بنیادی جز ہے لیکن بد قسمتی سے وسائل کے بے دریغ استعمال نے ہماری زمین کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے یہ سب راتوں رات ٹھیک ہونے والا نہیں آبی و فضائی آلودگی، غربت، اور آبادی میں بے تحاشا اضافہ وہ اسباب ہیں جو صحت مند ماحول کے لیے کسی طور بھی سود مند نہیں اسکا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائیں یا پھر دوسرا بہتر طریقہ اپنائیں اور جوانمردی سے اٹھ کر حالات کا مقابلہ کریں اور آنے والی نسلوں کے لیے

صحت مند معاشرہ کی تعمیر کریں جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہو یہ مسئلہ اب ایک عالمی صورت اختیار کر گیا ہے حکومتیں اور ادارے تنہا کچھ نہیں کر سکتے ہر شخص کو اپنے وسائل میں رہتے ہوئے ماحولیاتی آلودگی دور کرنے کی کوشش کرنی ہوگی اگر ہم آلودگی.برائے جہاد کی کوشش کریں انفرادی طور پر ہر آدمی چھ ماہ میں ایک پودا لگائے اور چھ ماہ تک اس کی پرورش ایک بچے کی طرح کرے یہ نہ صرف ہماری آکسیجن کی کمی کو پورا کرے گا بلکہ تیزی سے.بڑھتے ہوئے درجہ حرارت میں بھی کمی آجائے گی اگر ہر شخص اپنے حصے کا کام انجام دے تو ہمارا ملک بھی ایک صاف ستھرے معاشرے میں تبدیل ہوجائے ۔۔

مزدور کی بیٹی کی شادی

پچھلے دنوں ہمارے ایک سابق وزیر کے بیٹے کی شادی تھی جس میں ملک کی تمام اشرفیہ مدعو تھی اس شادی کے حوالے سے کہا گیا کہ شادی کم بڑا سیاسی جلسہ زیادہ محسوس ہوئی جناب صدر نے پانچ لاکھ سلامی دی جو یقیناً ان کے شایان شان تھی لیکن آج میں جس شادی کا ذکر کر رہی ہوں وہ یوم مئی کے حوالے سے ایک مزدور کی بیٹی کی شادی کا احوال ہے اس شادی کا نقشہ احسان دانش نے پیش کیا ہے جن کا اصل نام قاضی احسان الحق تھا جو علمی ادبی اور شعری حلقوں میں احسان دانش کہلائے عملاً ایک مزدور تھے اس لیے انھیں شاعر مزدور بھی کہا جاتا ہے انھوں نے طویل عرصے تک مزدوری کے بوجھ اٹھائے ، گھروں پر سفیدی کی انہیں مزدوروں کے دکھوں اور تکالیف کا عملی تجربہ تھا اس نظم میں انھوں نے ایک مزدور کی بیٹی کی شادی کی بھرپور ترجمانی کی ہے اس کے اشعار ہم سب کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آخر ایسی بے بسی و بے کسی کیوں ؟ کب تک ایسا ہوتا رہے گا۔

ہے داغ دل اک شام سیاہ پوش کا منظر
تھا ظلمت خاموش میں شہزادہ خاور

عالم میں مچلنے ہی کو تھے رات کے گیسو
انوار کے شانوں پہ تھے ظلمات کے گیسو
یہ وقت اور اک دخترِ مزدور کی رخصت
اللہ قیامت تھی، قیامت تھی قیامت
نوشا کا جو سر پہ تھا باندھے ہوئے سہرا
بھرپور جوانی میں تھا اترا ہوا چہرہ
اندوہ ٹپکتا تھا بشاشت کی نظر سے
مرجھائے سے رخسار تھے فاقوں کے اثر سے
کرتا بھی پرانا سا تھا پگڑی بھی پرانی
مجبور تھی قسمت کے شکنجوں میں جوانی
ہم راہ نفیری تھی نہ باجا تھا نہ تاشا
آنکھوں میں تھا بے مہری عالم کا تماشا

مجمع تھا جس خستہ و افسردہ مکاں پر
تھا بھیس میں شادی کے وہاں عالم محشر
دالان تھا گونجا ہوا رونے کی صدا سے
اک درد ٹپکتا تھا عرق ناک ہوا سے
اماں کی تھی بیٹی کی جدائی میں یہ حالت
چیخوں میں ڈھلتے جاتے تھے جذبات محبت
تھا باپ کا یہ حال کہ اندوہ کا مارا
اٹھتا تھا تو دیوار کا لیتا تھا سہارا
لڑکی کا یہ عالم تھا کہ آپے کو سمیٹے
گڑیا سی بنی بیٹھی تھی چادر کو لپیٹے
تھا نہ پاؤں میں پازیب نہ ماتھے پہ ٹیکا
اس خاکہ افلاس کا رنگ تھا پھیکا

آخر نہ رہا باپ کے جذبات پہ قابو
تھرانے لگے ہونٹ ٹپکنے لگے آنسو
کہنے لگا نوشہ سے کہ اے جانِ پدر سن
اے وجہ سکوں لختِ جگر نورِ نظر سن
اگرچہ میری نظروں میں ہے تاریک خدائی
حاضر ہے میری عمر کی معصوم کمائی
اس سانولے چہرے پہ تقدس کی ضیاء ہے
یہ پیکر عفت ہے یہ فانوس جیسا ہے
اسکے لیے چکی بھی نئی چیز نہیں ہے
بیٹی ہے مری دختر پرویز نہیں ہے
غربت میں یہ پیدا ہوئی غربت میں پلی ہے
خودداری و تہذیب کے سانچے میں ڈھلی ہے

زنہار یہ زیور کی تمنا نہ کرے گی
ایسا نہ کرے گی کبھی ایسا نہ کرے گی
شکوہ اسے تقدیر سے کرنا نہیں آتا
ادراک کی سرحد سے گزرنا نہیں آتا
ہے صبر کی خوگر اسے فاقوں کی ہے عادت
ماں باپ سے پائی ہے وراثت میں قناعت
اس کو خوشی ہو گی تمہاری جو رضا ہو
تم اس کے لیے دوسرے درجہ پہ خدا ہو
پھر آکے یہ بیٹی سے کہا نرم زباں سے
بچی مری رخصت ہے تو اب باپ سے ماں سے
امید ہے ہر بات کا احساس رہے گا
ماں باپ کی عزت کا پاس رہے گا

اے جانِ پدر! دیکھ وفادار ہی رہنا
آئے جو قیامت بھی تو ہنس کھیل کے سہنا
دل توڑ نہ دینا کہ خدا ساتھ ہے بیٹی
لاج اس مری داڑھی کی ترے ہاتھ ہے بیٹی

مزدوروں کا عالمی دن

اس سال مزدور طبقہ ۱۲۵ واں یوم مزدور عالمی سطح پر منایا جارہا ہے یکم مئی وہ تہوار ہے جو ساری دنیا کے مزدور ایک ساتھ مناتے ہیں مزدوروں کا ایک دن نام کرنے کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ ان لوگوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے جنھوں نے مزدوروں کی زندگی بہتر بنانے کے لیے اپنی زندگی کو خون سے رنگی داستان بنا دیا۔۱۸۸۶ء کو شکاگو کے جوشیلے اور انقلابی مزدوروں نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے مکمل ہڑتال کی یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر پاک وہند کے باسی اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور دوسری جانب یورپ میں نئی صنعتیں، تعلیمی ادارے قائم ہو رہے تھے کارخانوں کے جال بچھائے جارہے تھے صنعتی ترقی کے لیے پرانے انجن کی جگہ مشینی قوتیں عمل میں آرہی تھیں نئے جہاں آباد کیے جارہے تھے اشرافیہ طبقہ اپنی بقاء اپنے حقوق کی تنظیم نو کر رہا تھا لیکن ! ان سب میں ہمیشہ کی طرح جو طبقہ اپنے حقوق کھو رہا تھا دن رات محنت کے باوجود اسے پیٹ بھر روٹی نصیب نہ تھی وہ طبقہ مزدور طبقہ تھا جو دن بدن بد حالی کی جانب سفر کر رہا تھا جن کے حقوق کا خیال کسی کو نہ تھا سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے مزدوروں کے حقوق کو پامال کرنے میں مصروف عمل تھے۔ دوسری جانب

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کی تحریریں مزدوروں میں اپنے حقوق کا منشور بیدار کر رہی تھیں انکے حقوق غضب کرنے والے سرمایہ دار اور حکومتی اراکین کے خلاف مزدوروں میں نفرتیں اور اشتعال بڑھتا جارہا تھا انھیں اس بات کا بھی غصہ تھا کہ دن رات کی محنت کے باوجود وہ اپنے خاندان کے لیے اشیائے ضرورت خریدنے سے بھی قاصر تھے ان حالات میں شکاگو کے جرات مند مزدوروں نے سر پر کفن باندھا اس مثال کے مصداق کہ " ابھی نہیں تو کبھی نہیں " ان مزدوروں نے پہلی مکمل ہڑتال کی اور جلوس کی شکل میں شکاگو کی اہم شاہراہ کی جانب رواں دواں ہوئے اینگلز نے ایک عظیم فقرہ 'دنیا کے مزدوروں ایک ہوجاؤ ' کا نعرہ دیا مزدوروں نے اس عظیم نعرہ کو گرہ میں باندھ لیا اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنے کا عزم و حوصلہ بلند کرنے کا اقرار کیا مگر حکمرانوں ، سرمایہ داروں کو ان کی یک جہتی ایک آنکھ نہ بھائی انھوں نے نہتے مزدوروں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی محنت کشوں کے ہاتھوں میں تھامے ہوئے سفید پرچم خون سے سرخ ہو گئے اسی سرخ رنگ پرچم کو مزدوروں نے اپنا رنگ بنا لیا انھوں نے عہد کیا کہ جب تک ان کے مطالبات پورے نہیں ہو جاتے وہ کام نہیں شروع کریں گے اپنے ساتھیوں کی جانوں کے نذرانے کو یوں ضائع نہیں ہونے دیں گے آخر کار سرمایہ داروں اور حکومت وقت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے مزدوروں کے جائز مطالبات جو صرف یہ کہ انھیں آٹھ گھنٹے کے اوقات کار کو تسلیم کیا جائے اس سے زرا

ئد کام کروانے کا اختیار کسی مل مالک یا سرمایہ کار کو نہیں ہو گا۔آج جو اوقات کار آٹھ گھنٹے ساری دنیا میں رائج ہے شکاگو کے ان محنت کش مزدوروں کے مرہون منت ہے جنھوں نے اپنی جانوں کا نذارنہ پیش کرکے مل ملکان اور سرمایہ کاروں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ان کے کارخانوں کو چلانے والے ملازمین کا بھی کچھ حق ہے۔ اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مزدور وں کی آج تیسری نسل بھی مزدور ہی ہے نسلوں کے اس سفر میں دادا فیکٹری مزدور تھا، باپ کان کن اور اب بیٹا گاڑیوں کی دکان پر کام کرنے والا مزدور ہے۔کارل مارکس کے بقول " ہر وہ شخص جو اپنی محنت بیچتا ہے وہ مزدور ہے اور جو یہ محنت خریدتا ہے وہ سرمایہ دار اور استحصالی ہے۔" یہ طبقہ شروع دن سے معاشی استحصال کا شکار ہے اگر دیکھا جائے تو ایک مزدور اور سرمایہ کار کا رشتہ روح اور جسم کے مترادف ہے مگر دنیا میں بہت کم ایسے ادارے ہوں گے جہاں مزدور کو ان کے کام کے مطابق مراعات ، تنخواہ، سہولتیں اور بہتر ماحول دیا جاتا ہو اس وقت حکمراں طبقہ جو خود کو مزدوروں کی جماعت تصور کرتی ہے جس کا مشہور زمانہ نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان مزدور طبقہ کے لیے ایک خوبصورت خواب ہی رہا ہماری حکومتی ادارے مزدوروں کی حالت بہتر کر نے کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر درحققت

ان دعوؤں میں کوئی سچائی نہیں نظر آتی پانچ لاکھ سے زائد لوگوں کو توانائی کے بحران نے بے روزگار کر دیا ہے بے شمار صنعتیں بند ہو چکی ہیں وہ مزدور طبقہ جو دیہاڑی پر کام کرتا ہے سخت کسمپرسی کا شکار ہے آئے دن کی دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ نے مستقل بنیادوں پر کام کرنے والوں کو بے روزگار کر دیا ہے پھر ان دیہاڑی مزدوروں کو کام کہاں سے ملے گا اس وقت یہ مزدور طبقہ اور ان کے خاندان سخت مشکل حالات اور فاقہ کشی میں مبتلا ہے ان کے مسائل خطرناک حد تک بڑھ چکے ہیں ملک میں لاقانونیت کی بڑھتی ہوئی وارداتوں کی کئی وجوہات میں سے ایک وجہ بے روزگاری بھی ہے آج کے تناظر میں دیکھا جائے تو پوری دنیا مالیاتی بحران کا شکار نظر آتی ہے ایک طرف سرمایہ دار طبقہ عالمی معاشی زوال کے سبب دیوالیہ ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اسی سبب مزدوروں کو بے روزگاری، سہولیات اور پینشنوں میں کٹوتی جیسے مسائل کا سامنا بھی ہے دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ تمام معاشی بحران کا بوجھ محنت کش طبقہ کو ہی برداشت کرنا پڑ رہا ہے اپنی تاریخ کی سو سالہ جد جہد اور قربانیوں کے باوجود آج تک مزدور طبقے کے حالات بہتر نہیں ہو سکے اس ناکامی کی کئی وجوہات میں ایک خود ٹریڈ یونین اور ان کی روایتی پارٹیاں بھی شامل ہیں جو در پردہ سرمایہ داروں سے اپنے تعلقات مستحکم رکھتی ہیں دوسری جانب یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔

کال مارکس کے نزدیک سب سے اہم چیز معیشت ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس کے اوپر انسان کی اخلاقی و مذہبی تصورات اور اسکے تمدن علوم وفنون کی بنیاد کھڑی ہے مارکس کے خیال میں انسان کو سب سے پہلی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوتی ہے اس لیے سماجی انقلاب میں سب سے بڑا ہاتھ ان تبدیلیوں کا ہوتا ہے جو پیداوار اور دولت کے تبادلے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ پیداوار بڑھانے کا واحد ذریعہ افرادی قوت ہیں جب تک ان کے حالات زندگی بہتر نہیں ہوں ان کی جدوجہد جاری رہے گی دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ مزدور طبقے کے مسائل کبھی بھی حکمراں سرمایہ دار طبقہ حل نہیں کر سکا ہے اسے مزدوروں نے خود انقلابی اجتماعی کوششوں سے حل کیا ہے۔ مشہور انقلابی شہید کامریڈ روزا لیگز مبرگ نے سچ کہا ہے کہ "یوم مئی اس وقت تک منایا جاتا رہے گا جب تک محنت کشوں کی اپنے حقوق کے لیے سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی اور اگر محنت کش طبقہ عالمی سطح پر اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو شائد اس کے بعد اس جدو جہد کرنے والے شہیدوں کی یاد میں یوم مئی منایا جاتا رہے گا۔ یوں تو یوم مئی تمام مزدوروں کے جدو جہد کی داستان ہے لیکن میں آج کا دن اور یہ کالم ان مزدور شہیدوں کے نام کرنا چاہوں گی جو حفاظتی اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے یہ واقعہ ۲۰ مارچ ۲۰۱۱ء کو بلوچستان کوئٹہ سے ۵۳ کلومیٹر دور کوئلہ کی کان میں کام کرنے والے مزدوروں کے ساتھ

پیش آیا جب گیس دباؤ کے باعث کان زمین میں دھنس گئی اور ۵۴ مزدور جاں بحق
ہوئے ان میں بیشتر مزدور بر وقت طبّی امداد نہ ملنے پر اپنی جانوں سے گئے ۔۔۔

مدرز ڈے

کائنات کے خالق !

دیکھ تو مرا

آج میری آنکھوں میں

کیسی جگمگاہٹ ہے

آج میرے ہونٹوں پہ

کیسی مسکراہٹ ہے

میری مسکراہٹ سے تجھ کو کیا یاد آیا

میری بھیگی پلکوں پہ تجھ کو کچھ نظر آیا

ہاں ترا گماں سچ ہے

ہاں کہ آج میں نے بھی

زندگی جنم دی ہے۔۔۔ !

پروین شاکر کی یہ نظم ماں کی تمام خوبصورت جذبوں کی عکاس ہے کہ ماں بننے کے بعد ہی ماں کی محبت شفقت اور قربانیوں کا صیح اداراک ہوتا ہے اک نئ زندگی کو جنم دینا اسے اپنے ہاتھوں میں پہلی بار اٹھا کر پیار کرنا ماں کے لیے دنیا کا سب سے قیمتی لمحہ ہو تا ہے جس دکھ وتکلیف کو جھیل کر وہ ماں

بنتی ہے اللہ تعالیٰ نے بطور انعام جنت اس کے قدموں میں رکھ دی ہمارے پیارے نبی ﷺ نے باپ کی نسبت تین گنا زیادہ حقوق ماں کو عطا دیے۔

ماں کو قدرت نے نجانے کون سی کیمسٹری سے بنایا ہے کہ وہ زندگی اپنی گزارتی ہے مگر عمر کی تمام سانسیں اپنے بچوں میں پیار منتقل کرتی رہتی ہے اس کا سونا، جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب اولاد کے لیے ہوتا ہے وقت گزرنے کا ساتھ اپنی اولاد کے لیے اپنی چاہتیں، محبتیں قربان کرتی ہے اپنے ہر عمل سے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے یہ تمام جذبے آج کی ماں میں بھی موجود ہے مگر آج ان ماؤں کو خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے جنھوں نے اپنے بچوں کی بہترین پرورش، تعلیم وتربیت پر اپنا تن من دھن وار کر انھیں اس مقام پر پہنچایا کہ وہ اپنے ملک وقوم کے لیے باعث فخر ہو گئے ہمیں بی اماں "جیسی ماؤں کی ضرورت ہے جو مولانا محمد علی و شوکت علی جیسے بہادر فرزند" قوم کو دیں، علامہ اقبال کی "بی جی" جیسی ماں کی چاہت وتربیت چاہیے جو وطن عزیز کو لعل وگہر دے سکیں قائدِ اعظم جیسے ذی وقار، نڈر اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہنے والا لیڈر عطا کر سکیں ایسی بصیرت افروز ماؤں کی جتنی ضرورت موجودہ دور میں ہے اتنی کسی ادوار میں نہیں تھی۔

آج کے دور میں ماؤں کی ترجیحات اور سوچ یکسر تبدیل ہو چکی ہے وہ یہ سو

چتی ہیں کہ وہ گھرداری اور بچوں کی تربیت میں وقت گنوا کر اپنی شخصیت تباہ کر رہی ہیں انھیں وہ تمام باتیں دقیانوسی لگتی ہیں جب مائیں بچوں کو بڑوں کا احترام ، چھوٹوں سے شفقت، تاریخ کی عظیم شخصیات کے قصے ، مذہب کی خوبیاں ، جھوٹ سچ اور بے ایمانی سے بچنے کی ترغیب دیا کرتی تھیں ان کے نزدیک یہ جنک فوڈ، موبائل فون ،انٹرنیٹ اور کیبل کا زمانہ ہے آج کا دور بہت فاسٹ ہے لیکن وہ یہ بھول گئیں کہ اس فاسٹ دور کی لگا میں آج بھی قانون قدرت کے ہاتھوں میں ہے ماہ سال میں کوئی فرق نہیں ہوا دن آج بھی چوبیس گھنٹوں کا ہے سورج آج بھی مشرق سے نکلتا ہے مغرب میں غروب ہوتا ہے تو پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ بچوں کی تربیت ماں کے بجائے کیبل ،انٹرنیٹ کے ذریعے ہو۔ماں کی گود بہترین تربیت گاہ ہے یہ اصول اٹل ہے ہمارے

مشاہدے میں یہ بات اکثر آتی ہے کہ جس گھر میں مائیں اپنے بچوں پر خصوصی توجہ دیتی ہیں ان کے ہوم ورک سے لے کر دوستوں تک کی تمام باتوں کی خبر رکھتی ہیں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہیں وہ بچے زیادہ خود اعتماد اور کامیاب ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ایسی مثالی خاندان میں کمی واقع ہوتی جا رہی ہے خرابی کی یہی جڑ ہے کہ ابلاغ کا عمل ختم ہوتا جا رہا ہے اکثر مائیں اولاد کی سرگرمیوں سے بے خبر بے فکر رہتی ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں برائیاں ، چوری ، اسٹریٹ کرائمز ، چھینا جھپٹی، مار دھاڑ کی برائیاں تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں ۔

آج ہمارے ملک کو اچھے سیاست دان اور لیڈروں کی نہیں اچھی ماؤں کی ضرورت ہے
جو اس ملک کی آئندہ آنے والی نسلوں کو بہترین تعلیم تربیت دے سکے نپولین بونا پا
رٹ نے کہا تھا کہ " تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمھیں بہترین قوم دوں گا" آج مدرز
ڈے پر تمام ماؤں کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ انکے آنگن کے پھول قوم کا مستقبل ہیں
انہیں خصوصی توجہ وتربیت کی اشد ضرورت ہے جس طرح ماں بننا اللہ تعالی کا ایک انعام
ہے اسی طرح اولاد کی پرورش و تربیت بھی ماں کے لیے ایک امتحان ہے۔۔

بجلی کا بحران کب ختم ہوگا

بقول منیر نیازی "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں ہر کام کرنے میں" بحثیت پاکستانی ہم کوئی کام ٹھیک وقت پر مکمل نہیں کرتے کسی مقررہ وقت پر کوئی پروجیکٹ مکمل نہیں کرتے، کوئی سڑک، کوئی پل مکمل نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں ابھی افتتاح میں کئی دن باقی ہیں ہو جائے گا جب دو دن رہ گئے اخباروں میں وزیر صاحب کے تاریخ افتتاح کی خبر لگ گئی تو ہنگامی بنیادوں پر کام شروع ہو گیا مہینوں کا کام دن رات لگا کر ختم کیا جاتا ہے۔ہم ایک ایمر جنسی پسند قوم ہیں ہم نفسیاتی طور پر ایک ایسی قوم ہیں جو آج کا کام کل پر ٹالنے کو اپنا ایمان سمجھ چکی ہے جب بحران اور خطرہ سر پر پہنچتا ہے تب ہی ہم اسے حل کرنے کی طرف دوڑتے ہیں اسکے برعکس دیگر قوموں، چینیوں، کوریاؤں، امریکیوں اور جاپانیوں نے اپنے بحرانوں کا اندازہ بہت پہلے لگا لیا انھوں نے بے پناہ محنت کی اپنی ذات سے بالاتر ہو کر ملک و قوم کی خدمت کی اور بہت سے مسائل اور بحرانوں کو اپنے ملک سے دور دھکیل دیا ہم تو قدرت کے بنائے ہوئے ایک چھوٹے سے پرندے "بیا" سے بھی گئے گزرے ہیں وہ بھی اپنے گھونسلے کو روشن رکھنے کے لیے ایک جگنو کو اپنے گھر قید رکھتا ہے۔

اس وقت ہمارا ملک انرجی یا توانائی کے بحران کا شکار ہے، ہم الزام دریاؤں میں پانی کی قلت کو دیتے ہیں، کہ ڈیموں میں پانی کی مطلوبہ سطح نہیں ہے، حالانکہ یہ چیز تو ہمیں بہت پہلے مد نظر رکھنی چاہیے تھی ،اسکا متبادل نظام رکھنا چاہیے تھا آج اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے نہ صرف ہمارے گھروں میں اندھیروں کا بسیرا ہے، بلکہ ہماری نسلوں کا مستقبل بھی تاریکیوں میں ڈوب گیا ہے، صنعتیں تباہی کے دھانے پر کھڑی ہیں، ملک بھر میں ۸ سے ۱۵ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ نے سماجی ،کاروباری اور گھریلو زندگیوں کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان کے صنعت کاروں، دکانداروں، ہسپتالوں اور کام کرنے والوں کے مالی خساروں اور ذہنی انتشار نے انھیں سراپا احتجاج بنا دیا ہے وہ غیض وغضب بن کر سڑکوں پر نکل آئیں ہیں، روڈ بلاک کیے ہوئے ٹائر جلائے ہوئے یہ عوام سخت گرمی میں سراپا احتجاج ہیں کسی کی شکایت ہے کہ دو دن سے لائٹ نہیں تو کوئی نوحہ کناں ہے کہ بجلی نہ ہونے سے پمپنگ اسٹیشن بند ہے جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی بھی منقطع ہے یہ کروڑوں عوام جو آج بجلی کی بندش سے بلبلا اٹھے ہیں، بجلی جس کے ساتھ ان کی معاشی زندگی کا تار جڑا ہوا ہے اس پر ظلم یہ کہ بل ہے کہ ہزاروں سے کم کا نہیں آتا حکومت نے بھی عوام کے ساتھ مرے کو سو درے اور مارو کے مصداق بجلی سے سبسڈی واپس لے لی ہے لیکن آئے دن بجلی مہنگی سے مہنگی کرنے کی خبر عوام پر بجلی بن کر گرتی ہے بجلی کے بل پر

ٹیکس، میٹر ٹیکس اور بنک سر چارج پہلے ہی بل کے ساتھ لگ کر آجاتا ہے۔

یہ تو شہری زندگی کی تصویر ہے دوسری طرف دیہی زندگی کی طرف نگاہ دوڑایئے تو گندم کی فصل پر پانی دینے کے لئے انھیں بجلی کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں کسانوں کو مفت بجلی فراہم کرکے سوا ارب لوگوں کا پیٹ بھرا جاسکتا ہے تو مفت نہ سہی کم از کم ٹیوب ویل چلانے کے لیے تو بجلی فراہم کر دیجیے۔ ہماری حکومتوں کی مجرمانہ غفلت اور نا اہلی ہے، جس کے سبب ہم گزشتہ کئی دہائیوں میں ایک بھی ڈیم نہ بناسکے اور اس دوران لاکھوں گیلن قیمتی پانی سمندر میں ضائع کر چکے ہیں۔ لاکھوں ایکڑ اراضی بنجر کر چکے ہیں۔ تربیلا ڈیم کے بعد ہم نے کوئی ڈیم نہ بنایا بس زبانی جمع خرچ کرتے رہے، اگر یہ ڈیم تعمیر کرلیے جاتے تو سرمایہ بھی کم خرچ ہوتا اور توانائی کا بحران بھی نہ ہوتا، اور ہم اربوں روپے کا زر مبادلہ بھی بچا سکتے تھے ڈیموں کے ذریعے جو بجلی حاصل کی جاتی اس سے قدرتی گیس اور تیل کی بچت الگ ہوتی جسے ہم کسی اور کام میں لا سکتے تھے کے علاوہ سیلابوں سے جو جانی اور اربوں روپے کی املاک کا نقصان ہوتا ہے اس سے بھی نجات مل جاتی، اگر اب بھی اس انداز سے سوچا جاتا تو بات تھی کہ خطرہ سر پر پہنچ چکا ہے اسکے باوجود بھاشا ڈیم پر کام

اگلے سال پہلے شروع ہوتا نظر نہیں آتا، جب کہ دوسری طرف کالا باغ ڈیم سیاسی سازشوں کا شکار ہو چکا ہے جمعرات کو وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی نے چشمہ پاور پلانٹ کا افتتاح کیا جو ملک کا تیسرا پاور پلانٹ ہے جس سے تین سو تیس میگا واٹ بجلی قومی گرڈ کو اضافی طور پر ملنا شروع ہو جائے گی جو ملک کی بڑھتی ہوئی توانائی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کار آمد ثابت ہو گی چینی انجینیرز نے اس پراجیکٹ پر مئی ۲۰۰۰ء سے کام شروع کیا تھا اس پاور پلانٹ کے لیے چین نے اسی فی صد قرضہ دیا ہے یہ پاور پلانٹ پاکستانی اور چینی ماہرین کی ٹیم ورک کا نتیجہ ہے وزیر اعظم نے اس کاوش پر چینی ماہرین کا دلی شکریہ ادا کیا آج کے دور میں قوموں کی معاشی اور زرعی ترقی میں ڈیمز کا کردار نہایت اہم ہے اسکے علاوہ دریائی و سمندری لہروں سے چھوٹے جنریٹر لگا کر سستی بجلی پیدا کی جا سکتی ہے اور یہ مقامی استعمال میں لائی جا سکتی ہے

۔

پاکستان توانائی کے وسائل سے مالا مال ہے مگر اس کے استعمال کے لیے صحیح منصوبہ بندی کی ضروت ہے پاکستان میں قدرتی گیس کے ذخائر موجود ہیں کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کی طرف صحیح معنوں میں توجہ نہیں دی گئی حالانکہ ہمارے ہاں دنیا کے اعلیٰ معیار کوئلہ کے وسیع ذخائر موجود ہیں اگر اس سے استفادہ کیا جائے تو ہم اپنی ضروریات کو کافی حد تک اس

سے پورا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو سورج اور ہوا کی اتنی دولت سے نوازا ہے کہ شائد ہی کسی ملک کے پاس اتنی دولت ہو ہم پورے سال سورج کی روشنی سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں ہماری سات کلومیٹر ساحلی پٹی پر چوبیس گھنٹے تیز ہوائیں چلتی ہیں اگر ہم اس پٹی پر ہوائی چکی لگائیں تو اس بجلی سے پورا شہر روشن کر سکتے ہیں، مگر یہاں بھی ہماری روائتی سستی اور کاہلی کا دخل ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر محنت کے لیے وقت نہیں، مہذب قومیں مستقبل پر نظر رکھتی ہیں اور جامع منصوبہ بندی کرتی ہیں انھوں نے اپنے بحرانوں سے نبٹنے کے بعد آئندہ کا لائحہ عمل بھی تیار کر لیا ہے وہ توانائی کے متبادل ذرائع پر بھی کام کر رہے ہیں کل جب دنیا میں تیل، گیس کے ذرائع ختم ہو جائیں گے اور ڈیموں کے لیے پانی باقی نہ رہے گا تو اس وقت اس کا متبادل روشنی اور ہوائیں ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی اب وہ اس طرف تجربات میں مگن ہیں ۔ادھر ہم دیر آئید درست آئید کی ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کے عادی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ موجودہ حکومت کو کئی بحرانوں کا بیک وقت سامنا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے بعد حکمت عملی طے کریں اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہم توانائی اور بجلی کے اس ہنگامی بحران پر قابو پا سکیں گے۔۔۔

یوم تکبیر

حضرت انسان نے اس دنیا میں آنے کے بعد ہی اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار ایجاد کر لیے تھے یہ ہتیار کبھی کوئی درخت کی موٹی شاخ تو کبھی کوئی نوکیلے پتھر کی صورت میں اس کو تحفظ فراہم کرتی پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس نے بھالے ، نیزے ، تیر کمان ، تلوار اور منجیقوں کا استعمال شروع کیا انیسویں صدی میں جب سائنس اور ٹیکنالوجی نے تر قی کی تو ہتیاروں میں بھی جدت آتی گئی دور جدید کے ہتیاروں میں کلاشنکوف ، ریوالور، مشین گن اور راکٹ لانچر کی کئی چھوٹی بڑی قسمیں متعارف ہوئیں ۵۰۹۱ ءمیں عظیم سائنس داں البرٹ آئن سٹائن نیوکلیئر پر ایک رسرچ کی جس میں وہ ناکام رہے مگر اس کے تیس سال بعد ۴۳۹۱ ء میں اسی ریسرچ کو بنیاد بنا کر ایزیکو فیئر مین یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ایٹم کا نیوکلیئر آہستہ کرنے والے نیوٹران کو اپنی جانب متوجہ کر سکتا ہے جو ایک جدید اور مہلک ہتھیار بنانے میں معاون ثابت ہو تا ہے یوں ایٹمی ہتیاروں کا دور شروع ہوا امریکہ نے پہلے ایٹم بم کی تخلیق اور اسکا کامیاب ایٹمی تجربہ ۶۱ جولائی ۵۴۹۱ ء میں کیا امریکہ کو اپنی طاقت ثابت کرنے کا شوق روز اول سے ہے اس لیے اس نے اپنے ایٹمی تجربے کے محض ۰۲ دن کے بعد ہی دوسری جنگ عظیم میں اپنے حریف جاپان کے دو شہروں پر بم برسائے جس

سے جاپان کو شکست کے ساتھ سخت جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا امریکہ کی اس فتح کے بعد تو گویا یورپی ممالک اپنی بقاء کے لیے اسے لازم وملزوم سمجھنے لگے فرانس ، روس ، فرانس، اسرائیل ، چین اور برطانیہ ایٹمی دھماکوں کے بعد ایٹمی طاقت والے نا قابل تسخیر ممالک میں شامل ہو گئے ۔

تقسیم برصغیر کے بعد بھارت نے اپنا ایٹامک انرجی کمشن ۱۹۴۸ء میں قائم کر لیا تھا لیکن پاکستان نے اس بابت کوئی پیش رفت نہیں کی تھی ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد جب پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے تو یہ احساس جڑ پکڑتا گیا کہ پاکستان کو اپنی عسکری طاقت کو نا قابل تسخیر بنانا ہوگا تاکہ دشمن آئندہ اس پر ضرب نہ لگا سکے قوم ابھی اسی مایوسی کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ ۱۹۷۴ء میں بھارت نے اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کا تجربہ کر ڈالا جس کے جواب میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنا مشہور زمانہ جملہ ادا کی کہ " ہم گھاس کھالیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے ۔" قوم کے اس سپوت نے ایٹمی پلانٹ کی بنیاد رکھی جس میں آنے والے دنوں میں محب وطن آرمی چیفس اور حکومتی سربراہوں نے اس کام کو آگے بڑھایا ان لیڈروں نے جن میں جنرل ضیاء الحق ، صدر غلام اسحاق خان ، میاں محمد نواز شریف ، محترمہ بے نظیر بھٹو ، مرزا جنرل مرزا اسلم بیگ ، جنرل وحید کاکڑ اور جہانگیر کرامت شامل رہے جہاں ان لیڈروں نے اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے

ادا کیے وہاں ہمیں اپنے مایہ ناز سائنس دانوں پر بھی فخر ہے جنھوں نے سخت مالی ودیگر مشکل حالات میں ایٹمی تجربے کو کامیاب بنایا ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ڈاکٹر ثمر مند مبارک، ڈاکٹر اشفاق، ڈاکٹر بٹ، ڈاکٹر بشر الدین، اور دیگر قابل فخر سائنس دانوں کی دن رات کی پر خلوص محنت اور قومی جذبے کی سرشاری نے وطن عزیز کو اس قابل بنایا۔

ڈاکٹر ثمر مند مبارک یوم تکبیر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ "بلوچستان میں چاغی کے مقام پر ۸۲ مئی ۸۹۹۱ء بروز جمعرات تین بجکر سولہ منٹ پر الٹی گنتی گننے کے بجائے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ٹیسٹ کا بٹن دبایا گیا اس لیے اس دن کو یوم تکبیر کا نام دیا گیا"۔ یوم تکبیر کے بابرکت نام کا نعرہ ہماری تاریخ کی تمام غزوات میں دین اسلام کی نصرت وکامرانی کا سبب بھی رہا ہے ایٹمی دھماکے کے تجربہ کے بعد پاکستان دنیا میں ساتویں اور اسلامی دنیا میں واحد ایٹمی طاقت بننے کا اعزاز حاصل ہوگیا تمام دنیا کے مسلمانوں نے اس کامیابی پر مبارک باد کے پیغامات دیے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کے خطیب نے فرمایا یہ قوت محض پاکستان کی قوت نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی قوت ہے' '۔ایٹمی" قوت بننے کے بعد تمام مسلم ممالک میں پاکستان کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہوا اس کامیابی میں ہمارے اسلامی ممالک کی مالی اور اخلاقی مدد بھی شامل رہی ۸۲ مئی کو یوم تکبیر کے حوالے سے

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زندہ قومیں اپنے ہیروز اور قومی دن کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں اس کی حفاظت اور احترام کرتی ہیں۔

آج جب پوری قوم یوم تکبیر کی تیرہویں سالگرہ منا رہی ہے تو ہماری ایٹمی تنصیبات کی سلامتی اور حفاظت پر چاروں طرف سے سوالیہ نشان اٹھائے جا رہے ہیں خاص کر ۲ مئی اور مہران بیس کراچی کے واقعہ پر ہمارے بہی خواہ (امریکہ اور بھارت) اپنے تحفظات کا اظہار کر رہے ہیں ہمارے سول اور فوجی ادارے بارہا اس بات کی یقین دہانی کروا چکے ہیں کہ ایٹمی پروگرام انتہائی محفوظ ہاتھوں میں ہے ڈاکٹر ثمر مند مبارک ایٹمی پلانٹ کی سیکورٹی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ " ویپنز کی سیکورٹی کو محفوظ کرنے پر کڑی توجہ دی گئی ہے اس میں کمپیوٹرز، پروٹیکٹڈ اور بہت کچھ سیکورٹی کے حوالے سے لگا ہوتا ہے جو ایک خاص طریقہ سے پروگرام کیا گیا ہوتا ہے اس میں کوڈ لگے ہوتے ہیں اور یہ کوڈ ہر کسی کو دستیاب نہیں ہو سکتے "۔یہی وجہ ہے بھارت، امریکہ اور اسرائیل ہماری ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کے لیے ہم سے زیادہ فکر مند نظر آتے ہیں آج کے حالات میں امریکہ جو دہشت گردی کی جنگ میں ہمارا اتحادی ہے جس نے ماضی میں ہمارے ایٹمی تجربے کی پاداش میں ہماری اقتصادی امداد پر پابندی عائد کر دی تھی پوری دنیا میں ہمیں تنہا کرنے کی تدبیروں میں پیش پیش تھا لیکن وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکا

ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ایٹمی قوت کی طاقت اور کرشمہ ہی ہے جس نے ہمارے ملک کو اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے ورنہ ہمارا بھی آج وہی حشر ہوتا جو افغانستان اور عراق کا ہوا۔

ایٹمی طاقت بننے کے باوجود ہماری قوم کو اس بات کا ملال ضرور ہے کہ اتنی بڑی کامیابی بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں مزید ترقی کرتے ملک سے بے روزگاری، دہشت گردی، لوڈشیڈنگ اور کرپشن کی دلدل سے نجات حاصل کرتے مگر افسوس کہ ہمارے سول ادارے اور حکمران اشرافیہ اپنی تجوریاں بھرنے میں مصروف نظر آتے ہیں دہشت گردی کے شعلے ہمارے پورے ملک کو اپنی گرفت میں لپیٹے ہوئے ہے لیکن گھاس کھا کر ایٹم بم بنانے والے لیڈر کے جانشینوں کو اس بات کا قطعی احساس نہیں وہ آج بھی امریکی آقاؤں کے آگے سرنگوں ہے جب کہ قوم تمام تر مصائب ومشکلات کے باوجود وطن عزیز کی حفاظت وسلامتی کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔۔۔

جنگل کا قانون

اس نوجوان کے چہرے پر ایسا خوف، کرب اور اذیت تھی کہ انسان خود کرا ہنے پر مجبور ہو جائے ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی معصوم مینا بھٹک کر جنگل میں بھیڑیوں کے نرغے میں آگیا ہو جہاں جنگل کا قانون رائج ہو وہ معافی مانگتا رہا گڑگڑاتا رہا اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس نے ان ظالموں سے بہت منت ساجت کی لیکن پھر بھی اسے مار دیا گیا اس کی موت ہماری جمہوریت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے چہروں پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے اس نوجوان نے اگر کوئی جرم کیا تھا چوری کی تھی، ڈاکہ ڈالا تھا، کوئی قتل کیا تھا یا کچھ بھی جرم کیا تھا تو اسے گرفتار کیا جاتا پولیس کے حوالے کیا جاتا ملک میں قانون اور عدالتیں موجود ہیں جو مجرم کو سزا دینے کے لیے ہی بنائی گئی ہیں پھر کیوں قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا گیا رینجرز کو ۱۹۹۴ء میں کراچی کے امن وامان کو بہتر بنانے کے لیے تعنیات کیا گیا تھا کراچی کے ٹارگٹ کلنگ کے واقعات میں کمی تو نہیں آئی بلکہ دن بدن اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے یہی وجہ ہے عوام رینجرز کی کارکردگی سے مطمئن نظر نہیں آتی بات ذرا تلخ ہے اور لاریب کہ ہر سچ تلخ ہوتا ہے۔

۸ جون کے واقعے کی میل مجھے کئی دوستوں نے میل کی خاص کر بیرون ملک سے آئی میل اس کمنٹ کے ساتھ کہ پاکستانی اس قدر ظالم اور شقی القلب ہیں اس واقعہ سے ہمارے ملک کی جو بدنامی ہوئی ،اس سے ہمارا سر شرم سے جھک گیا ہے اس کا ہم سب کو بے حد دکھ ہے اس لیے میری ہمت بھی نہیں ہوئی کہ یہ ویڈیو دیکھوں لیکن جب ہر ٹی وی چینل پر اس ویڈیو کو درجنوں بار دکھایا گیا تولا محالہ گھر یں چلتے پھرتے اس کے کچھ حصوں کو چور نظروں سے دیکھتے ہوئے تقریبا پوری وڈیو قسطوں میں دیکھی سانحہ سیالکوٹ کی ویڈیو دیکھنے کے بعد میں کئی دنوں تک گھر والوں سے چھپ کر روتی رہی تھی اپنے اللہ میاں سے سوال کرتی رہی کہ ایسا کیوں ہوا لوگ اتنے ظالم کیوں ہو گئے ہیں میرا یہ دکھ ابھی تازہ تھا کہ خروٹ آباد میں بے گناہ لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ اور اب اس نئی ویڈیو نے ہم سب کو دہلا کر رکھ دیا ہے شائد ہی کوئی ایسا پاکستانی ہو جو اس واقعہ پر دکھی نہ ہوا ہو یہ سوال ہر ذہن میں گونج رہا ہے کہ ہم پاکستانی آخر کب تک اسی طرح اپنی بے بسی پر آنسو بہاتے رہیں گے جس طرح جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو تکلیف سارے جسم میں ہوتی ہے اسی ہم سب بھی اسی معاشرے کا حصہ ہیں افسوس ناک بات تو یہ ہے اتنے بڑے واقعے کے بعد پولیس الٹا مرنے والے کو ہی موردالزام ٹھہرانے کی کوشش کرتی رہی غلط آئی ایف آر کاٹی گئی اگر اس قتل کی ویڈیو جاری نہ ہوئی ہوتی تو اس معصوم نوجوان کو بھی ڈاکو کا اعزاز دے کر اہل کار اپنے سینے پر بہادری کا تمغہ لگائے

پھرتے اور یہ قتل بھی ان سینکڑوں جرائم میں دفن ہو جاتا جن کی کوئی ویڈیو یا فوٹیج بھی دستیاب نہ ہو سکی اور قاتل آج بھی سر اٹھا کر جی رہے ہیں ان کے ضمیر پر کوئی بوجھ بھی نہیں یہ بات سو فیصدی درست ہے کہ جس معاشرے کی پولیس صحیح نہ ہو قانون پر عمل درآمد نہ ہوتا سفارش کے بغیر ایف آئی آر نہ درج ہوتی ہو ہر غریب، ہر مظلوم پولیس اسٹیشن جانے کے بجائے ظالم کے پاس چلا جاتا ہو اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا ہو وہاں سے زندگی کی بھیک مانگتا ہو، ملک کے سیانے مظلوم کو عدالت جانے کے بجائے آپس میں مک مکا کا مشورہ دیتے ہوں اس ملک میں کیمروں سے کھینچی گئی، تصویریں ویڈیو، گواہیاں اور ثبوت انصاف کے لیے کافی نہیں ہوتے اس کے لیے تحقیقاتی بورڈ، جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم اور خود پولیس سب کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے مگران، سب کے باوجود کوئی قاتل کیفر کردار تک نہ پہنچ سکا ہے ایسے تمام قتل مصلحتوں کے بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔

جب کسی ملک کے شہری اپنے ہی ملک میں بے اماں، بے آسرا ہو جائیں ان کی زندگیوں کی حفاظت کرنے والے ادارے ان کی زندگیوں سے کھیلنے لگیں عوام بے بس ہو جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے ریاستی ادارے، عسکری ادارے، جنونی دہشت گرد سب انسانی لہو کے کھیل میں مصروف ہیں سب خون بہا رہے ہیں کوئٹہ کے مضافات خروٹ آباد کے واقعہ میں پولیس اور ایف سی کے اہل کاروں کے ہا

تھوں جاں بحق ہونے والے چیچن خاندان کے دو خواتین سمیت ایک ہی خاندان کے ۵ افراد کو قتل کرنے کا واقعہ ہوا تھا جس میں ایک خاتون کا دھائی دیتا ہاتھ سب سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا ان پر اس حالت پر کسی کو رحم نہ آیا آخر یہ خون ناحق کسی کے تو سر ہو گا بڑے بزرگوں سے سنتے چلے آئیں ہیں کہ کہیں کسی کا خون ناحق ہو جا ئے تو کالی آندھی چلنے لگتی ہے ہمارے ہاں تو روزانہ ہی خون ناحق بہتا ہے تو ایسے میں ہمارے ہاں سکون کی ہوا کیسے چل سکتی ہے۔ہم لوگ اگر اپنے معاشرے کا کیمیائی تجزیہ کریں تو ہمیں جو چیز سب سے حقیر اور ارزاں اور سستی ملے گی وہ انسانی جان ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے نہ کوئی بند و بست اور نہ ہی کوئی محکمہ ہے۔

ایمنسٹی انٹر نیشنل کا کہنا ہے کہ پاکستان میں ایسی ہلاکتوں کے واقعات پر قانونی عمل داری کا ریکارڈ بہت خراب ہے ان میں چھوٹے اہل کاروں سے لے کر بڑے افسران شامل جرم ہوتے ہیں سرفراز شاہ قتل کیس کے واقعہ پر چیف جسٹس افتخار چوہدری نے ازخود اس واقعہ کا نوٹس لیا ہے اور انھوں نے اس کیس کی سماعت کے دوران حکم دیا ہے کہ ڈی جی رنیجراور آئی جی سندھ کو ان کے عہدوں سے ہٹانے کا حکم دیا ہے روزانہ کی بنیاد پر اس مقدمہ کو نمٹانے کا حکم دیا ہے اس سے قبل بھی چیف جسٹس نے کئی واقعات پر سوموٹو ایکشن لیا لیکن اب تک کسی کیس کا فیصلہ نہیں ہو سکا ہے یہ پہلا موقع ہے کہ چیف جسٹس نے اس کیس

کی پہلی ہیر نگ میں ہی دونوں اداروں کے آئی جی اور ڈی جی کو ہٹانے کا اہم فیصلہ
سامنے آیا ہے مجھ سمیت تمام پاکستانیوں کو ان کے اس فیصلے سے اس بات کی کا اطمینا
ن تو ہوا ہے کہ شائد اس طرح کے بڑے فیصلوں سے ہر ادارے کے سر براہ کو کچھ تو اپنی
ذمہ داریوں کا احساس ہو گا آخر ان کی بڑی بڑی تنخواہوں اور بھاری مشاہروں کا بوجھ
بھی ٹیکس کی صورت میں عوام ہی اٹھاتے ہیں چیف جسٹس کے اس فیصلے سے سرفراز شاہ
کے خاندان کو کچھ تو اس بات کی تقویت ہو گی کہ سرفراز کا خون ناحق رائیگاں نہیں جا
ئے گا دنیا کے لیے ایک مقام عبرت ضرور ہو گا۔

نہ مدعی ،نہ شہادت حساب پاک ہوا
یہ خون خاک نشیاں تھا رزق خاک ہوا

فادرز ڈے

یہ ۹ اویں صدی کے اوئل کی کہانی ہے جب امریکی شہر واشنگٹن کے ایک قصبے سپوکن میں ہنری جیکسن اسمارٹ نامی شخص رہتا تھا ہنری جیکسن کے پانچ بچے تھے اس کی بیوی چھٹے بچے کی ولادت کے دوران انتقال کر گئی ہنری جیکسن کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی یہ سانحہ اس کے لیے قیامت سے کم نہ تھاااس نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اوربیوی کے بغیر زندگی کی گاڑی کو کھینچنے کا فیصلہ کیا جو مشکل تھا بچوں کی پرورش کی ذمہ داری خود نبھانے لگا وہ بیک وقت ان بچوں کا باپ بھی تھااور ماں بھی ۔ غم روزگار کے ساتھ ساتھ گھرمیں کھانا پکانے سے لے کر بچوں کے اسکول ہوم ورک تک تمام کام کی دیکھ بھال خود کرتا تھا ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں تو ایسی بہت سی مثالیں ہیں لیکن مغربی معاشرے میں ایسی مثالیں ایک عورت کے لیے مشکل کام ہے اور کہا ں ! ایک مردان تمام کاموں کا بیڑہ اٹھائے ایک اچھنبے کی بات سمجھی جاتی ہے لوگ اسے بے وقوف اور پاگل کا خطاب دینے لگے لیکن مسٹر ہنری جیکسن ان سب باتوں سے بے پرواہ اپنے کاموں میں لگے رہے ان کے بچے بھی والد کی اس محبت کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔

ہنری کی بڑی بیٹی سنورا اسمارٹ ڈوڈ نے مدرز ڈے کے موقع پر جب لوگوں کو مدرز ڈے جوش عقیدت سے مناتے دیکھا تو اسکے ذہن میں یہ خیال جاگزین ہوا کہ جس طرح ایک ماں دنیا کی تمام مشکلوں، مصیبتوں اور جھمیلوں سے بچا کر اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے بلکل اسی طرح ان کے والد نے بھی ان تمام بہن بھائیوں کی تعلیم تربیت کی دوہری ذمہ داری نبھائی تھی سنورا ڈوڈ نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اپنے والد کی ان خدمات، محبت و شفقت کے احترام میں ہر سال فادرز ڈے کا اہتمام کرے گی۔ سنورا ڈوڈ نے ۱۹۰۹ء میں دنیا کا پہلا فادرز ڈے منایا جس میں اس کے تمام بہن بھائیوں، عزیز و اقارب اور قصبے کے تمام لوگوں نے ایک ساتھ جمع ہو کر مسٹر اسپوکن کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا اس سے اگلے سال اسپوکن کے تمام گھروں میں یہ تہوار منایا گیا۔ ڈوڈ کے اس اقدام کو مذہبی جماعتوں کی حمایت بھی حاصل ہوئی اور یہ جشن یونائیٹڈ میتھوڈسٹ میں بھی ادا کی جانے لگی ہوتے ہوتے جب یہ خبر امریکی اخباروں کی زینت بنی تو اس اقدام کو تمام امریکہ میں سراہا جانے لگا ۱۹۲۴ء میں حکومت وقت نے جون کے تیسرے اتوار کو فادرز ڈے منانے کا باضابطہ اعلان کر دیا اور ۱۹۶۶ء میں صدر لندن بی جانسن نے سرکاری طور پر ایک چھٹی کا اعلان کیا۔ ۱۹۷۲ء میں اس کو قانونی حیثیت دی گئی گلاب کے پھول کو اس دن کو کا خاص تحفہ قرار دیا گیا اس دن کی مناسبت سے ایک سال سے اسی سال کے تمام بچے اپنے والد کو گلاب کا پھول پیش کرتے ہیں جن کے

والد حیات نہیں وہ ان کی یاد میں اپنے کالر میں سفید گلاب کا پھول لگاتے ہیں۔
یہ تو صرف ایک خاندان کی کہانی تھی لیکن اللہ تعالی نے ماں باپ کے دلوں میں اولاد کے لیے جو بے غرض محبت رکھ دی ہے وہ کسی ملک، قصبہ شہر کی محتاج نہیں۔ جس طرح برگد کا بیج جو خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہوتا ہے جب وہ خود کو فنا کرتا ہے تو قدرت اس ایثار کو پسند کرتی ہے اور وہ کچھ عرصے بعد ایک تناور درخت بن جاتا ہے اسی طرح ایک باپ بھی زمانے کی سرد گرم، مشکلات سے گزرنے کے باوجود طرز ایثار سے وابستہ رہتا ہے اپنے بچوں کے لیے سائبان تحفظ بنتا ہے اس کی آبیاری کے لیے دن رات ایک کرتا ہے بناء کسی لالچ کسی غرض کے اسے دنیا کی ہر خوشی فراہم کرنے میں ساری زندگی جد وجہد کرتا ہے ایک باپ کے لیے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو گی کہ وہ اپنی اولاد کی بہتر پرورش کرکے اسے دنیا میں کامیاب انسان کے روپ میں دیکھے یہ فریضہ اللہ تعالی کی طرف سے تفویض ہوتا ہے اس لیے وہ والدین کے دل میں اولاد کے لیے ایک خاص محبت ڈالتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ " ماں باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس میں سب سے بہتر تحفہ اچھی تعلیم وتربیت ہے" بچوں کی بہتر پرورش کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کی ہر والد پوری سعی کرتا ہے۔ حکیم بو علی سینا کا

قول ہے کہ " محبت کے لحاظ سے ہر باپ حضرت یعقوب علیہ سلام ہے" ۔

میرے خیال میں جنھوں نے اپنی ساری زندگی ہمارے نام کر دی ہو ان کے لیے ایک دن اور خاص کر والد کے لیے صرف ایک دن مختص کرنا زیادتی کی بات ہے لیکن آج کے اس مصروف زندگی میں ایک دن صرف ایک ۹ اجون کو ہم خود تھوڑی دیر کو اکیلے بیٹھ کر یہ تو سوچ سکتے ہیں کہ ہم اپنے والدین کو کیا وہ محبت عزت اور مقام دے رہے ہیں جس کے وہ حق دار ہیں ان کا اس طرح خیال رکھ رہیں ہیں جس طرح انھوں نے ہمیں اپنا وقت اپنا سرمایہ اپنی زندگی سب کچھ دیا۔ہمارے ملک میں ہنری جیکسن جیسے سینکڑوں والد ہوں گے جن کی محبتوں، شفقتوں اور قربانیوں کا حساب نہیں لگایا جا سکتا لیکن کیا اولاد بھی والدین کی عنایتوں کا جواب ان کو بڑھاپے میں اسی انداز سے دے سکی ہے افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ مسئلہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گھمبیر ہوتا جارہا ہے خاندان کے اندورونی رشتوں کو ان کے مطابق حیثیت دینا ان سب کو ساتھ لے کر چلنا سب سے مشکل ہوتا ہے اس لیے یہ کہنا آسان نہیں کہ پہلے کی نسبت اتنی آسانی سے پے در پے رشتے کیوں ٹوٹتے جارہے ہیں گھر سے شروع ہونے والی ایک چھوٹی سی غلطی سے معاشرے میں دیگر برائیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں قران کریم ہمیں ہر معاملہ میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اگر آج کے دن ہم اپنی غلطیوں کو مان کر پشیمان ہو کر والدین کی خوشی کا سامان پیدا کر دیں تو ڈوڈ کی

طرح اولاد کا تھوڑا بہت حق تو ادا کر سکتے ہیں۔۔۔

بے نظیر بھٹو کی اداس سالگرہ

کراچی میں ایک بڑے رئیس اور تعلیم یافتہ گھرانے میں ۱۲ جون ۳۵۹۱ء میں ایک بچی نے جنم لیا ماں باپ نے بچی کا نام بے نظیر رکھا رنگت سرخ و گلابی ہونے پر پنکی کے نام سے پکاری جانے لگیں سر نیم بھٹو تھا اس لیے پوری دنیا میں پاکستان کے حوالے سے بے نظیر بھٹو کے نام سے جانی گئیں بچپن وہ تمام لاڈ پیار، آسائشیں و سہولتوں سے بھرپور تھا جو ایک رئیس گھرانے کے بچے کو حاصل ہوتی ہیں تعلیم کا دور شروع ہو اتو کانوینٹ اسکول سے اولیول تک کا دور کراچی میں طے کیا کراچی گرامر اسکول سے اے لیول کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے یونائیڈ اسٹیٹ کے سفر پر روانہ ہوئیں ہاورڈ یونیورسٹی سے بیچلر آف آرٹ کی ڈگری لینے کے بعد جستجو علم مزید بڑھا (یہاں یہ بات رکھنے کی ہے ہمارے زیادہ تر سیاست داں اتنے علم دوست نظر نہیں آتے یہ شوق علم بہت کم سیاست دانوں کو نصیب ہوا یہی وجہ ہے کہ شائد آج پاکستان میں تعلیم کی اہمیت سے متعلق سیاست داں اتنے سنجیدہ نہیں) ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ باپ کی بیٹی ہونے ناطے انھوں نے آکسفورڈ یونیوسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے انھوں نے فلسفہ، سیاسیات، اور معاشیات میں ایم اے کیا، قائدانہ صلاحیتوں کے جراثیم خون میں شامل تھے سو یہاں بھی وہ آکسفورڈ یونیوسٹی کی

صدر رہیں۔ باپ کو بھی اپنی لاڈلی بچی سے بہت امیدیں تھیں وہ کہا کرتے تھے کہ
میرا یہ مشن میرے بعد میری بیٹی پورا کرے گی ایسی پیاری بیٹی جو اپنے جیب خرچ سے
کتابیں خریدنے کا شوق پورا کرتی اس کی روشن آنکھیں اس کی ذہانت کا ثبوت تھیں وہ
پہلی ایشیائی خاتون بنیں جس نے آکسفورڈ یونین کی صدارت کی جون ۱۹۷۷ کو انگلستا
ن سے تعلیم ختم کرکے واپس وہ وطن لوٹیں جس کے دو ہفتے کے بعد ہی جنرل ضیاء الحق
نے ذوالفقار علی بھٹو کی جمہوریت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا ملک میں مارشلاء کا
نفاذ قائم ہوگیا۔

یہی سے بے نظیر بھٹو کی عملی زندگی کا آغاز ہوا ان کے والد کو جیل میں ڈال دیا گیا اور
اہل خانہ کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا ان کے والد کو قتل کے ایک متنازعہ کیس میں
مقدمہ چلایا گیا بے نظیر بھٹو کے لیے یہ بہت کٹھن وقت تھا جوں جوں مقدمہ آگے
بڑھتا گیا ان کی مشکلوں اور اذیتوں میں اضافہ ہوتا گیا اٹھارہ ماہ بعد ۱۴ اپریل ۱۹۷۹
ء بھٹو کو پھانسی کی سزا دی گئی اس صدمے نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے جو
آگے چل کر سائے کی طرح ان کی زندگی کی پر چھائے رہے بے نظیر بھٹو کو بھی جیل
میں ڈال دیا گیا جب انھیں رہا کر دیا جاتا تو وہ پھر جنرل کے خلاف بولتیں جس کی پادا
ش میں انھیں پھر پابند سلاسل کر دیا جاتا ذہنی اذیت کے نت نئے طریقے آ

زمائے جاتے آخر جنرل ضیاء ان کے آگے مجبور ہو گئے اور ۱۹۸۴ میں انھیں رہا کر دیا گیا اور وہ خود ساختہ جا وطنی اختیار کرکے برطانیہ چلیں گئیں۔

اپریل ۱۹۸۶ء کو وطن واپسی پر جب وہ لاہور ائیر پورٹ پر اتریں تو ان بے مثال اا ا ستقبال کیا گیا انھوں نے جنرل ضیاء کو چیلنج کیا وہ الیکشن کرائیں اس سفر میں وہ تنہا تھیں پی پی کے پرانے لیڈران کا ساتھ چھوڑ چکے تھے یہ ایک مشکل مرحلہ تھا عوام نے بھر پور ساتھ دیا اور پاکستان میں پہلی بار ایک خاتون وزیر کا اعزاز حاصل کرکے پاکستا نی خواتین کا سر بھی فخر سے بلند کر دیا وہ کروڑوں لوگوں کی بے نظیر لیڈر تھیں انھوں نے ھمیشہ جمہوریت کی بات کی جب بھی ان کی حکومت برسراقتدار آئی انھوں نے عو ام کے فلاح کی بات کی مختلف ادوار سے گزرنے کے بعد جب وہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو وطن پہنچی تو انھوں نے کہا تھا کہ عوام سے میری جدائی کے دن ختم ہوئے وطن سے محبت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی مٹی میں اپنے لوگوں کے درمیا ن شہید ہوئیں بقول عبید اللہ علیم

زیر زمیں روشنی ہو ۔۔ مٹی میں چراغ رکھ دیا

پچھلے سال گھڑی خدا بخش کی فضائیں اپنی پیاری کے ساتھ ہونے والے سانحے پر اس نعرے سے گونجتی رہی" بی بی ہم شرمندہ ہیں، تیرے قاتل زندہ ہیں "اسی لئے زرداری صاحب یہ صفائی دینے پر مجبور ہوئے کہ وہ قاتلوں کے ناموں سے واقف ہیں وقت آنے پر بے نقاب کریں گے مگر پاکستان کا سیاسی تجربہ کہتا ہے کہ بعد میں ایسا وقت کبھی نہیں آتا ایسے کمزور جملوں کا سہارا لینے کا مقصد ہمیشہ وقت ٹالنے کے لئے کیا جاتا ہے مجھے ان کی نیت پر شک نہیں لیکن یہ حقیقت ہے قتل کا مقدمہ جتنا پرانا ہوگا قاتلوں کی تلاش اتنے ہی مشکل ہوگی پاکستانی تاریخ بتاتی ہے کہ لیاقت علی خان سے لے کر ضیاء الحق کے قاتلوں کی تلاش ہمیشہ معمہ رہی ہے ایسا لگتا ہے بے نظیر کے قتل بھی معمہ بن کر قبر میں ان کے ساتھ ھمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا ۲۷ دسمبر کی آخری تقریر میں بھی انھوں نے غریب عوام کی بات کی انکے تکلیفوں اور پریشانیوں کی بات کی تھی یہ بڑی افسوناک بات ہے کہ ان کی منتخب حکومت کے برسراقتدار ہوتے ہوئے بھی دو سال گزرنے کے باوجود ان کے قاتلوں کو تلاش نہ کر سکی۔

میرا ایسا ماننا ہے کہ مرنے والے کی سالگرہ منانے میں ہمیشہ اداسی کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے اور وہ بھی ان حالات میں جب ان کے قاتل بھی گرفتا

رنہ ہو سکیں ہوں بے نظیر بھٹو صاحبہ کو ہم سے بچھڑے تین سال ہو گئے ہیں شہید محترمہ بینظیر بھٹو کی مظلومانہ شہادت کا دکھ تو اس دھرتی کو طویل عرصے تک سوگوار رکھے گا ان کا قتل پاکستانی سیاست کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان تو ہے مگر ان کے قریبی عزیزوں کے لئے بھی ایک مشکل گھڑی رہی ان سے محبت کرنے والے اس لئے نہیں چاہتے تھے کہ وہ پاکستان نہ جائیں ان کی بہن صنم بھٹو نے بھی انہیں پاکستان نہ جا نے کا مشورہ دیا تھا کہا تھا کہ آپ کے بچے ابھی چھوٹے ہیں شہید محترمہ نے جواب دیا تھا میں تو تین بچے چھوڑے جا رہی ہوں پاکستان میں تو لاکھوں کروڑوں بچوں کی میری ضرورت ہے آج بھی قومی سیاست میں بینظیر کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے ۔ان کے قتل کے اگلے روز صنم بھٹو سے سوال کیا گیا کہ آپکے خیال کے مطابق محترمہ کو کس نے قتل کیا تو اس پر صنم بھٹو کا کہنا تھا کہ " یہ کوئی سوال ہے جس نے میرے باپ اور بھائی کو قتل کیا وہی میری بہن کا قاتل ہے " یہ حقیقت ہے کہ محترمہ کو انہی لوگوں نے اپنی سفاکیت کا نشانہ بنایا جو ملک میں جمہوریت نہیں چاہتے۔۔۔

کشمیر کا سیاسی دنگل

بالآخر آزاد کشمیر کا سیاسی دنگل اپنے اختتام کو پہنچا درجنوں لوگوں کے زخمی اور دو افراد کے مرنے کی روداد محفل محض اس لیے سجائی گئی کہ عوام کی خدمت کر کے آخرت سنواری جا سکے ٹی وی اسکرین پر اس سیاسی دنگل کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ دو دشمن کی فوجیں آپس میں آمنے سامنے ہیں لاٹھی، گھونسے، مار پیٹ اس الیکشن میں سیٹیں حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزمایا گیا کچھ انتخابات ملتوی کرائے گئے کہ اس گھمسان کارن سے فارغ ہونے کے بعد نئی کمک کے ساتھ نئے محاذ پر توجہ مبذول کی جا سکے اب تک نتائج کے مطابق پیپلز پارٹی کو واضح برتری حاصل ہوئی پیپلز پارٹی نے ۲۰ نشستیں، پاکستان مسلم لیگ ن نے ۹، مسلم کانفرس نے ۴ اور آزاد امیدوار نے ۲ سیٹیں حاصل کیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے چل کر یہ کشمیر کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی تحریک کو بھی کس طرح کامیابی کی جانب لے جاتے ہیں کیونکہ کشمیر میں ایک ایسی پارٹی کو برسر اقتدار آنا چاہیے جو بناء کسی پارٹی دباؤ کے تحریک آزادی کشمیر کو صیح معنوں میں آگے کی جانب لے جا سکے نہ کہ پارٹی کی پالیسیاں اسکے پاؤں میں مصلحتوں کی زنجیر ڈال دے کیونکہ ملک کے دیگر علاقوں کی طرح یہاں منافقت و مفاہمت کی سیاست کامیاب نہ ہو

کے گی کشمیری برسوں سے اپنے وجود کے تین چوتھائی حصے پر ناجائز بندھی قبضے کی بیڑ یوں سے آزادی چاہتے ہیں وہ کسی ایسی سیاست کے متحمل نہیں ہو سکتے جو شخصی، پارٹی بندی، مفاہمتی سمجھوتے کی محتاج ہو بھارت کے چنگل میں پھنسے اس چھوٹے سے خطے میں سات لاکھ بھارتی افواج نوجوان کشمیریوں کو شہید کرنے میں مصروف ہے اس نسل کشی پر پوری دنیا خاموش تماشائی بنی دیکھ رہی ہے اگر ان حالت میں پاک بھارت مذکرات کی میز پر بیٹھنا پڑے اور مفاہمت کی بات کرنا پڑے تو کیا اہلیان کشمیر اس رائے سے اتفاق کریں گے؟ ہرگز نہیں !اصولی طور پر بھی آزاد کشمیر میں کشمیری باشندوں کا ہی عمل دخل ہونا چاہیے قیام پاکستان کے بعد اس علاقے کا نظم و نسق چلانے کے لیے جموں وکشمیر مسلم کانفرس کو یہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل تھی اس پارٹی کے مشہور و معروف شخصیات میں سردار محمد ابراہیم، سردار عبدالقیوم، سردار سکندر حیات خان اور دیگر سرداروں کا راج رہا اسمبلی کے اراکین کی تعداد بھی کم تھی مگر آگے چل کر جب پیپلز پارٹی کی حکومت برسر اقتدار آئی تو انھوں نے اپنی ایک شاخ آزاد کشمیر میں بھی بنائی جس کے بعد پاکستانی حکومت سے ملنے والی کروڑوں روپے کے ترقیاتی فنڈز کی صورت میں اس علاقے کی سرکار کو بھی حاصل ہونا شروع ہوئے ان سرداروں مہاراجاؤں کو حکومت کرنا ایک منافع بخش کاروبار نظر آیا۔ تمام وزراء والے ٹھاٹھ باٹھ، عالیشان گھر، گاڑی ،گارڈز نوکر چاکر اور دیگر مراعات نے اس خو

بصورت وادی کی سیاست کو بھی گدلا کر دیا موروثی سیاست نے اپنے قدم مزید مضبوطی سے جمائے چنانچہ اس بار بھی الیکشن میں سابق وزیر آزاد کشمیر ممتاز راٹھور کے صاحبزادے فیصل ممتاز راٹھور ایل اے ۶۱ باغ سے الیکشن لڑ رہے تھے سردار عثمان عتیق اپنے والد سردار عتیق اور دادا سردار عبدالقیوم کے جانشین کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑے ہوئے سابق اسپیکر کشمیر اسمبلی اور سابق سینٹر اسحاق ظفر کے صاحبزادے اشفاق ظفر بھی ایم ایل اے کے امیدوار رہے۔

وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی اور اپوزیشن لیڈر جناب نواز شریف بہ قلم خود آزاد کشمیر کا دنگل لڑنے کے لیے سفر کرتے رہے ان پارٹیوں دیگر وزراء بھی پیش پیش رہے ۱۴ نشستوں کے لیے ۱۲۴ امیدوار سامنے آئے ان میں پاکستان پیپلز پارٹی اور ن لیگ کے امیدوار دو بڑی جماعتوں کے روپ میں سامنے آئی لیکن افسوس کسی پارٹی نے مقبوضہ کشمیر کی آزادی اور عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی مربوط اور حقیقی پروگرام نہیں پیش کیا وہی پرانے بلند و بانگ دعوے وعدے جو صرف وعدے ہی رہیں گے کیا یہ وہی لیڈر نہیں جنھوں نے اپنے دور اقتدار میں کشمیری تحریک کے لیے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا جب پاک بھارت مذاکرات کی میز پر بیٹھے محض باہمی مفاہمت اور تجارت تک محدود رہے نواز شریف دور حکومت میں واجپائی مذاکرات اور اعلان لاہور

میں کشمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا پیپلز پارٹی دور حکومت میں بھی آزادی کشمیر کی تحریک پر کوئی کام نہیں کیا گیا۔

جس چھوٹی سی جنت نظیر وادی کے لیے یہ دنگل سجایا گیا اس کا پورا رقبہ ۱۳ ہزار ۳۰۰ مر بع میل ہے پوری ریاست تین ڈویژن پر مشتمل ہے جن کے نام مظفر آباد، راولا کوٹ اور میر پور ہے یہاں ۱۲۲ یونین کونسلیں قائم ہیں دار لحکومت مظفر آباد تقریباً ۴۰ لا کھ افراد پر مشتمل ہے آزاد کشمیر کے معاملات کو حکومت پاکستان آزاد جموں و کشمیر کو نسل کے زیر نگر چلایا جاتا ہے اس کونسل کے گیارہ ارکان ہوتے ہیں ان میں چھ آزاد کشمیر اسمبلی منتخب کرتی ہے جب کہ پانچ ارکان کو حکومت نامزد کرتی ہے وزیر اعظم پا کستان اس کونسل کا چیر مین ہوتا ہے کشمیر اسمبلی کی منتخب اور غیر منتخب ۸۱ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے اس ریاست میں اسی علاقے کی جما عت کو منتخب کیا تھا اور انھوں نے اس ریاست کے آزادانہ وجود کو بر قرار رکھنے کو ترجیح دی تھی قائد اعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا جسم میں شہ رگ کی اہمت سے سب ہی واقف ہیں۔

کیا اچھا ہوتا کہ انتخابات صاف شفاف اور پر سکون ماحول میں ہوتے کیونکہ اس کے اثرات مقبوضہ کشمیر کی آزادی پر بھی ہوں گے ٹی وی اسکرین پر لڑ ئے

جانے والے اس دنگل کو ساری دنیا میں دیکھا گیا عوام یہ سوچنے میں حق بجانب ہے کہ اتنی محنت اور توجہ الیکشن کے بجائے اگر کشمیر کی آزادی پر دی جاتی تو شاہد کشمیر کا ہی جغرافیہ تبدیل ہو چکا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کراچی دہشت گردی کے حصار میں

آج ایک مرتبہ پھر شہر کراچی کی گلیاں ، سڑکیں ، بازار اور گھر دو دیرینہ دشمنوں کی خون آشام جنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہیں جہاں ہر طرف خوف اور قانونیت کا راج ہے گوشتہ پانچ روز سے شہر کراچی اور بلخصوص اورنگی ٹاون اور قصبہ کالونی شر پسندوں کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا ہے ٹیلی وژن اسکرین پر لوگ انصاف اور امن بھیک مانگ رہے ہیں بچے چار روز سے بھوک کی دھائی دے رہے ہیں بزرگ شہری رو رو کر اپنے لٹنے کی داستانیں سنا رہے ہیں مگر ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں سانحہ علی گڑھ دھر ایا جا رہا ہے ان دہشت گردوں کو فری ہینڈ دے دیا گیا ہے مطلوبہ ٹارگٹ پورا ہونے پر ہی قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اپنے اختیارات کے استعمال کی اجازت دی جائے گی اس خونریزی نے تو گجرات ، بمبئی اور گوجرہ کے فسادات کو بھی پیچ کر دیا ہے وہاں کے فسادات کی خبر سن کر یہ تو معلوم ہوتا تھا کہ ہندو مسلم فسادات ہیں لیکن یہاں کیا کریں کہ لڑنے والے دونوں جانب مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں مسلما نوں نے آزادی کے لیے ایک طویل جنگ لڑی جب آزادی ملی تو ان کا اپنا جسم لہو لہو تھا تاریخ کی سب سے بڑی نقل مکانی اور اسکے دکھ ان لوگوں نے سہے. برصغیر کی تقسیم کے وقت یہ مژدہ سنایا گیا کہ مسلمان اپنے نئے ملک میں

آرام اور چین کی زندگی بسر کریں گے ملک تقسیم ہوا تو آرام خاک ملتا تقسیم در تقسیم کا پیانہ بڑھتا گیا زبان ، قومیت ، نسل ، فرقہ ، مذہب ، امیر غریب ، جاگیر دار مزارع ، سرمایہ دار مزدور اور زمیندار کمی کمین غرض ہر الفاظ کی ضد حقیقت بن کر اس ملک کے عوام کا لہو چوسنے اس کی جڑوں کو کھو کھلا کرنے کو حاضر و ناظر ہو گئی ۔ دہشت گردی کے حوالے سے کراچی میں گزشتہ کئی برسوں سے وقفے وقفے سے چلنے والی اس افتاد نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے لیکن ! اورنگی ٹاؤ ن و قصبہ کالونی کے مکین جس عذاب میں مبتلا ہے ان کی جسمانی و اذہنی اذیت کا اندازہ ہم سب اپنے گھروں میں بیٹھ کر نہیں لگا سکتے پانچ دنوں سے پورا علاقہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی پہنچ سے دور ہے علاقہ مکین محصور ہیں بچے دودھ کے لیے بلک رہے ہیں تو بیمار دوا کے لیے پریشان ہیں چاروں جانب سے اسٹیٹ فائر کی آوزیں ہیں جو کسی کو بھی ٹارگٹ کر رہی ہیں لوگ اپنے پیاروں کی لاشیں اٹھانے کے لیے گلی میں بھی نہیں جا سکتے بے گوروکفن لاشیں پڑی ہیں زخمیوں کو ہسپتال لے جانے کی کوئی سبیل نہیں علاقہ مکین خوف ودہشت سے کئی دن سے سوئے نہیں کہ

یہ شب شہر چکاں جاگتے رہنا۔۔۔ جینا ہے تو خدام جہاں جاگتے رہنا
اک چاپ ہے تاریک گزرگاہ میں ہشیار۔۔۔ اک سایہ ہے دیوار پہ جاگتے رہنا

پھر محتسب شہر ہے آمادہ شب خون ۔۔۔ اقطاب خراباتِ مغاں جاگتے رہنا

کیا ہم اسی نبی ﷺ کے ماننے والے ہیں جنھوں نے فرمایا تھا کہ " مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں "پیارے نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا "تم میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مقتول کو خبر نہ ہو گی کہ اسے کیوں قتل کیا گیا "آج ایسے ہی زمانے سے ہم گزر رہے ہیں' یہ ہمارے لیے کسی عذاب سے کم نہیں جب انسان کے دلوں سے انسان کا حترام اٹھ جائے تو سمجھ لیجیے کہ عذاب کا موسم آن پہنچا ایک ہی ملک کے ایک ہی مذہب کے پیروکار ایک ہی ملت کے امین ایک دوسرے کو خوفزدہ کریں یا ان سے خوف زدہ رہیں تو اس سے.بڑھ کر عذاب کا موسم اور کیا ہو سکتا ہے ایک ہی وطن کے لوگ دوسرے کو بری نگاہوں سے دیکھیں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو تو باقی کیا رہ جاتا ہے انسان اپنے ہی دیس میں خود کو پردیسی محسوس کرنے لگے تو عذاب ہے کسی سیانے نے کہا ہے کہ "جب زمانہ امن کا ہو اور حالات جنگ جیسے ہوں تو سمجھو عذاب ہے "آنکھیں نم ہوں ارد گرد جشن منانے والے درندے ہوں، دلوں سے مروت نکل جائے ایک دوسرے کا احساس ختم ہو جائے ؟کیا ہم ظالم قوم ہیں ؟کیا ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا یوم حساب نہیں آئے گا مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم واقعی ظالم پاکستانی بے حس قوم ہیں ہماری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھی ہوئی ہے کیا ہم نے کبھی یہ

سوچا کہ ہم اپنے آنے والی نسلوں کے لیے کیسا پاکستان بنا رہے ہیں؟ ہم انھیں کیا جواب دیں گے ؟ہم نسل، زباں علاقے کی بنیاد پر کب تک خون بہاتے رہیں گے ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب تعصب کی ہوا چلتی ہے تو پھر انسانیت کوچ کر جاتی ہے کراچی کے بارے میں اب یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسے مختلف لسانی اور قومیت کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے قبضے کی اس جنگ میں ایک قومیت کے فرد کو دوسرے علاقے میں جانے کی اجازت نہیں یا اسکے لیے خطرناک ہے کراچی ایک آتش فشاں کا روپ دھار چکا ہے جس میں وقفے وقفے سے لاوا ابل کر باہر آتا ہے تباہی مچاتا ہے جانوں کا نظرانہ وصول کرتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے۔

گزشتہ پانچ دنوں نوے سے زائد شہری جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے کیا یہ المیہ نہیں ؟کچھ دن امن رہتا ہے پھر وہی بگڑتی صورتحال ، روزانہ گھروں سے کام پر نکلنے والوں کو کوئی امید نہیں ہوتی کہ واپس صحیح سلامت آئیں گے یا خدانخواستہ کسی ان جانی گولی کا شکار ہو جائیں گے کہیں سے کوئی انسان نما حیوان وارد ہو کئی گھروں کے چشم وچراغ گل کرکے غائب ہو جاتے ہیں، پھر لاکھ کوشش کریں قاتلوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لگتا۔خانہ پری کے لیے بے گناہ لوگ پکڑے جاتے ہیں قانون نافذ کرنے والے الگ بے بس ہیں گویا اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ایک

دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگے جا رہے ہیں۔ درجنوں لوگوں کی ہلاکتوں کے بعد سرکاری مشنری حرکت میں آتی ہے تصفیہ کے لیے پارٹیوں کو ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے امن مارچ کیا جاتا ہے وعدے وعید دعوے کیے جاتے ہیں سیاست دان اپنی پارٹی کی مظلومیت میں نعرہ لگاتے ہیں کہ یہ سیاسی نعرے ان کی سیاسی اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں ان کے وسائل کاروبار چلتا ہے ان کی فتح کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہماری معصوم عوام نہیں جانتے کہ جس جگہ اور جہاں ان کے مفادات وابستہ ہوں وہ اپنی قوم کو قربانی کے لیے آگے کر دیتے ہیں یہ معصوم عوام اپنی قومیت کے زعم میں ماری جاتی ہے۔ ہم سب ایک پاکستانی شہری ہیں جو صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارا رہا ہے، جہاں تمام قومیت اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے اس لسانی فسادات میں ہم اپنے ہی مسلمان بھائی خون بہا رہے ہیں ایسی خطرناک صورتحال سے نبٹنے کے لیے ضروری ہے کہ اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے جب تک اصل مسئلہ کو حل نہیں کیا جائے گا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کراچی میں دہشت گردی کے واقعات دن بدن کہیں زیادہ خوفناک کہیں زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کرتے جا رہے ہیں کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا جس کی راتیں بھی دن کے اجالوں کی مانند خوبصورت اور روشن تھیں آج اندھیر نگری میں تبدیل ہو چکا ہے روزانہ درجنوں شہری اس

وحشیانہ دہشت گردی کا شکار ہو رہے ہیں اس کھیل میں اسباب چونکہ غیر واضح
اور مبہم ہیں اس لیے کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے کہ اسکے پیچھے کیا عوامل کارفرما ہیں یا
پھر یہ کہا جا سکتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے اس قتل و غارت گری کے عوا
مل سے آگاہ ہیں مگر زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں۔

خسارے کا شکار محکمہ ریلوے

برصغیر پاک وہند میں محکمہ ریلوے کو متعارف کرانے کا سہرا انگریزوں کے سر ہے جنھوں نے اپنے دور حکومت میں اسے ایک قابل قدر ادارہ بنایا عوام کے لیے اس دور کی بہتر سفری سہولتیں بہم پہنچائی اس وقت جب کہ پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے ہم سب جانتے ہیں کہ آج بھی انگریزوں کے زمانے کی بچھائی ہوئی اسی فی صد پٹریاں ہی زیر استعمال ہیں جن کی مدت پوری ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے وہ تو بھلا ہو انگریز سرکار کا کہ ان کے زمانے میں اتنی بدعنوانی اور کرپشن عروج پر نہیں پہنچی تھی ورنہ یہ پٹریاں بھی کب کا داغ مفارقت دے چکی ہوتیں کہ ہمارے زمانے کے پل اور سڑکیں ایک سال سے پہلے ہی اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں تو بھلا ان پٹریوں کی کیا اوقات ہے انگریزوں نے جہاں برصغیر میں ریل گاڑی کے سفر کو متعارف کرایا وہاں ان ادیبوں اور لکھاریوں کے لیے ایک اچھوتے سفر کی کہانیوں کو لکھنے کا موضوع بھی عطا کیا اسی لیے جب ہم اس زمانے کی لکھی گئی کتابوں میں ریل گاڑی کے سفر کی داستاں پڑھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اسے ایک فکشن سفر کے طور پر اپنی کہانیوں کی زینت میں چار چاند لگا رہے ہیں آج کے جدید دور میں کیا ترقی یافتہ اور کیا ترقی پذیر تقریبا تمام ممالک

ماسوائے پاکستان ریل کی ضرورت واہمیت سے آگاہ ہے انڈیا اور بنگلہ دیش جیسے مما لک یں بھی وہاں کی حکومتوں نے محکمہ ریلوے میں خاصی ترقی کی اور اسے جدید تقا ضوں سے ہم آہنگ کیا ہے وہاں کے لوگ ذاتی گاڑیوں کے بجائے ریل گاڑیوں میں سفر کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے تمام سول ادارے بحران کا شکار ہیں وطن عزیز اس وقت زلزلے کی سی کیفیت سے دوچار ہے ہر روز ایک نئی خبر ایک نئی کہانی اس کے اندر چھپے ہوئے منافقین کو اگل رہی ہے کبھی اسٹیل مل دیوالیہ کی صورت میں کبھی پی آئی اے کرپشن کی شکل میں اور کبھی جعلی ڈگریوں میں ایسا لگتا ہے کہ ملک عزیز کے یہ کردار اور ادارے عوام کے سامنے بے نقاب ہونے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ میں شامل ہیں۔اس نئے طوفان میں شامل ایک نیا طوفانی مسئلہ محکمہ ریلوے ہے جس کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ اسے تین ارب روپے سے زائد خسارے کا سامنا ہے وجوہات کا ذکر کرتے ہوئے وفاقی وزیر ریلوے غلام احمد بلور نے فرمایا کہ " ہمارے پاس انجن کی کمی ہے ۵۰۰ میں سے ۳۰۰ ناکارہ حالت میں ہیں جب کہ باقی انجنوں کی حالت بھی زیادہ تسلی بخش نہیں کچھ پتہ نہیں کہ کب بند ہو جائے محکمہ ریلوے کے پاس صرف دو دن کا تیل موجود ہے اگر مزید تیل دستیاب نہ ہوا تو ریل گاڑیاں بند ہو جائیں گی یہی حالات رہے تو محکمہ ریلوے بھی بند ہو جائے گا۔انھوں نے مزید کہا کہ اس وقت محکمہ ریلوے سے ایک لاکھ ملازمین وابستہ ہیں اس

محکمہ کے بند ہونے سے وہ بے روزگاری کا شکار ہو جائیں گے" قیام پاکستان کے کچھ عرصے بعد تک محکمہ ریلوے کی کارکردگی بہتر رہی مگر بعد کے سالوں میں اس کا معیار بد سے بدتر ہوتا گیا سوائے کرایہ بڑھانے میں ترقی کرنے کے' اس نے مزید کوئی ترقی نہ کی۔ پاکستان ریلوے کا ماٹو " رفتار، خدمت، حفاظت " ہے مگر بدقسمتی سے اب پاکستان ریلوے اپنے ماٹو کا ضد بن چکا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ریل گاڑیاں بھاپ سے چلتی تھیں زمانے میں ترقی کے ساتھ ساتھ بھاپ کی جگہ ڈیزل، کوئلہ نے لے لی جب ریل گاڑیاں بھاپ سے چلتی تھیں تو بھی کراچی سے لاہور آنے کا سفر چوبیس گھنٹوں میں طے ہوتا تھا اور آج بھی زمانے کی ترقی کے بعد چوبیس گھنٹے میں طے ہوتا ہے (یہ ہے اس کی رفتار) ہم سب کا یہ مشاہدہ ہے کہ ٹرینیں بارہ گھنٹے سے آٹھ گھنٹے تک لیٹ ہونا معمولی بات ہے مسافر گھنٹوں اسٹیشن پر دھوپ، بارش سردی گرمی ہر موسم میں انتظار کی کوفت اٹھاتے ہیں اس پر متزاد یہ کہ ریل میں کوئی سہولت مسافروں کے لیے موجود نہیں ہوتی اس خواری اور بے آرامی کو ریلوے ڈکشنری میں خدمت کا نام دیا گیا ہے ریلوے محکمے نے حفاظت کے نام پر انجن کو اسکریپ میں تبدیل کرکے، بلیک میں ٹکٹس فروخت کرکے، ٹائروں اسپیئر پارٹس اور حتیٰ کہ پٹریاں تک فروخت کرنے کا جو حفاظتی کارنامہ سرانجام دیا ہے اسے کہا جا سکتا ہے کہ حفاظت صرف اپنی، خدمت صرف اپنی۔

قیام پاکستان کے دیگر اداروں کی طرح اس محکمہ کی بھی بدقسمتی ہے کہ اکثریت ایسے لوگ بھرتی کیے گئے جنھوں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لوٹا اس بات کی قطعی پرواکئے بغیر کہ اس ادارے سے انھیں رزق ملتاہے اس کے افسروں اور کارکنوں نے اسے دیمک کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کرنا اپنا فرض اولین سمجھا ایک ایسی بھی خبر آئی کہ ایک ریلوے ملازم کے گھر سے پورا انجن برآمد کیاگیا اس محکمہ کو نفع بخش ادارہ نہ سمجھتے ہوئے کسی فوجی یا جمہوری حکومت نے بھی اس پر کوئی خاطر خواہ توجہ نہیں دی اپنی ساری توجہ کرایوں کے اضافوں پر مرکوز رکھی ۔۲۰۰۷ میں ۵۲ ٪ فیصد ۸۰۰۲ میں ۳۰ فی صد کرایوں میں اضافہ کیاگیا عوام گواہ ہیں کہ جب ریل گاڑی کا سفر کرنا ہوتوآپ کو ٹکٹیں کئی کئی دن قبل بک کروانی پڑتی ہے بصورت دیگر یاتو مہنگے داموں خریدنا پڑتا ہے یا پھر سرے سے ملتا ہی نہیں ٹرینیں مسافروں سے کچھا کھچ بھری نظر آتی ہیں مگر اس کے باوجود کئی عشروں سے خسارے کا رونا سنتے آرہے ہیں جس کی وجہ سے ایک ساتھ چودہ ٹرینیں بند کی گئی ریلوے کے ۶۷ سے زیادہ روٹس بھی بند کیے جا چکے ہیں ۔وزیراعظم کے خصوصی مشیر رضا ربانی کا کہنا ہے کہ " ریلوے کے ۶۷ روٹس کی بندش کے بعد اس کی نج کاری کے بارے میں راستہ ہموار کیا جارہاہے اس نجکاری کے ذریعے اسے اونے پونے داموں فروخت کی صورت میں عمل میں لائی جائے گی جو ایک قومی ادارے

کے ضیاع کا باعث بنے گا" ان کے اس بیان کی عملی تصویر اس وقت وزیر ریلوے کا بیان ہے کہ محکمہ ریلوے کے پاس صرف دو دن کا ایندھن رہ گیا ہے نہ اس کے پاس کوئی فنڈ ہے جس سے مزید ایندھن خریدا جا سکے کیا ہی اچھا ہو کہ حکومت اور ادارے کے چند مخلص اور ایماندار کارکن سامنے آئیں اور اسے خلوص دل سے دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کریں اس میں موجود کالی بھیڑوں کو نکال باہر کریں بلکہ ان کا سختی سے احتساب بھی کریں جو آئندہ کے لیے ایک مثال قائم ہو ریلوے انجنوں سے لے کر اسے اسکریپ کی صورت میں ڈھالنے والوں ، جعلی ٹکٹس بیچنے والوں سب کا سختی سے احتساب ہونا چاہیے ۔ وطن عزیز اس وقت جن بحرانوں کا شکار ہے اس سے نمٹنے کے لیے اس سے بہتر کوئی حل نہیں ۔ ریل گاڑی کا سفر پاکستان کی غریب عوام کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لیے ایک ہی ذریعہ ہے عوام اسی سفر کو ترجیح دیتے آئے ہیں عوام سے یہ ذریعہ ختم کرانے کے بجائے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے اسے ایک قومی ادارہ سمجھ کر ایمانداری اور خلوص نیت سے اسکی اصلاح کی ضرورت ہے اس کے خسارے اور نقصانات کی خبروں کے بعد اسے اونے پونے داموں فروخت کرنے کا راستہ ہموار کرنے کی کوششیں نہ کی جائے تو بہتر ہے ۔

مادر ملت فاطمہ جناح

" وہ اپنے عظیم بھائی کی ہو بہو تصویر تھیں بلند و بالا قد، بہتر برس کی عمر میں بھی کشیدہ قامت ۔ گلابی چہرہ، ستواں ناک، آنکھوں میں بلا کی چمک، ہر چیز کی ٹٹولتی ہوئی نظر، سفید بال، ماتھے پر جھریوں کی چنٹ، آواز میں جلال و جمال، چال میں کمال، مزاج میں بڑے آدمیوں کا سا جلال، سر تا پا استقلال، رفتار میں سطوت، کردار میں عظمت، قائد اعظم کی شخصیت کا آئینہ، صبا اور سنبل کی طرح نرم، رعد کی طرح گرم، بانی پاکستان کی نشانی، ایک حصار جس کے قرب سے حشمت کا احساس ہوتا ہے جس کی دوری سے عقیدت نشو ونما پاتی ہے، بھائی شہنشاہ بہن بے پناہ "۔

ممتاز صحافی اور شاعر آغا شورش کاشمیری جنھوں نے ان خوبصورت الفاظ میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ میں کافی دیر سے مادر ملت کی تصویر ہاتھ میں تھامے نظریں جمائے ان کی شخصیت کو الفاظ کے پیرائے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی الفاظ کے ذخیرے اسے لفظوں میں ڈھالنے سے قاصر تھے لیکن آغا شورش کاشمیری صاحب نے میرے کام کو آسان کر دیا کہ ان کی بیان کردہ تمام صفات محترمہ فاطمہ جناح میں بدرجہ اتم مو

جو د تھیں وہ سیا سی بصیرت میں اپنے بھائی قائد اعظم کی حقیقی جانشین تھیں ایک ایسی بہن جس نے اپنی زندگی بھائی کی خدمت اور تحریک آزادی کے لیے وقف کر دی تھا جو قوم کی ماں کا لقب (مادر ملت) حاصل کرکے سرخرو ہوئیں۔

جولائی ۱۹۹۳ء کو مٹھی بائی ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام فاطمہ رکھا گیا جب یہ ۱۳ بچی دو سال کی عمر کو پہنچی تو ماں کی شفقت و محبت سے محروم ہو گئی۔بڑی بہن نے ان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھائی جب ذرا ہوش سنبھالا تو انگلستان میں زیر تعلیم بھائی کا ذکر سن کر ان سے ملنے کی خواہش۔بڑھتی گئی محمد علی جناح جب واپس آئے تو فاطمہ جناح چار سال کی تھیں وہ قائد اعظم سے سترہ سال چھوٹی تھیں محمد علی چھوٹی بہن فاطمہ کی معصوم باتوں کو سن کر وہ بہت محظوظ ہوتے تھے اس دوران جب والد کے کاروبار کو شدید نقصان کا سامنا تھا محمد علی جناح نے بمبئی جا کر مجسٹریٹ کا کام شروع کیااور کچھ دن بعد انھوں نے پورے خاندان کو بمبئی بلا لیا جب پورا خاندان بمبئی شفٹ ہو گیا تو بھائی نے ۸ سالہ فاطمہ کی تعلیم کا بندوبست بھی گھر پر کر دیا بہن بھائی کی محبت مثالی تھی فا طمہ کو بچپن سے گڑیوں کے بجائے مطالعے کا شوق بھائی سے ملا محمد علی جناح نے بہن کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور تمام خاندان کی شدید مخالفت کے باوجود بہن کا

داخلہ ۲۰۹۱ء میں باندرہ کانونیٹ اسکول میں کرادیا جہاں شروع میں جاتے ہوئے وہ خوف محسوس کرتی تھیں تو بھائی ساتھ گھنٹوں اسکول کی کلاسوں میں جایا کرتے تھے جس سے ان میں اعتماد پیدا ہوا اور بخوبی اسکول کے تمام مدارج میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتی گئی ۶۰۹۱ء میں ان کو قائد نے سینٹ پیٹرک اسکول میں داخل کرایا جہاں میٹرک کا امتحان کامیابی سے پاس کیا اسکول سے فارغ ہو کر انھوں نے ۳۱۹۱ء میں سنئیر کیمرج کا امتحان پاس کیا اب وہ صاف بامحاورہ انگریزی میں ماہر ہو گئی تھیں اسی دوران قائداعظم نے رتن بائی سے شادی کر لی تو بہن بھائی میں تھوڑی سی عارضی دوری پیدا ہو گئی اس خلاء کو پر کرنے کے لیے انھوں نے بھائی کے مشورے سے احمد ڈینٹل کالج کلکتہ میں داخلہ لے لیا ۲۲۹۱ء میں ڈینٹسٹ کی ڈگری حاصل کی اور ۳۲۹۱ء میں باقاعدہ کلینک کھول کر پریکٹس کا آغاز کیا لیکن جب ۰۲ فروری ۹۲۹۱ء کو رتن بائی کا نتقال ہو گیا ان کی موت نے قائداعظم پر گہرا اثر ڈالا تو بھلا ایک محبت کرنے والی بہن کیسے گوارا کرتی کہ بھائی کو اس حال میں اکیلے چھوڑا جائے انھوں نے تمام کام چھوڑ کر بھائی کے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لیں اور قائداعظم تمام فکروں سے آزاد ہو کر تحریک آزادی وطن میں حصہ لینے لگے۔

قائداعظم خود بھی بہن کی صلاحیتوں کے متعارف تھے اس لیے ان کی توجہ اور

شفقت نے محترمہ فاطمہ جناح کو بھی بھائی کے شانہ بشانہ تمام اجلاسوں میں شریک ہو نے پر مجبور کر دیا وہ بھائی سے تمام سیاسی نکات پر بحث مباحثہ کرتیں انھیں اپنے قیمتی مشوروں سے بھی نوازتی قائدا عظم انکی صلاحیتوں کے متعارف تھے وہ بہن کی مشوروں پر عمل بھی کرتے ان کی تائید اور حوصلہ افزائی بھی کرتے ۔۱۹۳۴ء میں جب قائدا عظم محمد علی جناح لندن میں تھے تو فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں وہ کئی سال وہاں قیام پذیر رہیں لیکن وہاں کی رنگین فضائیں انھیں متاثر نہ کر سکیں مادر ملت ہمیشہ سوچتیں کہ آخر ان ممالک نے کیسے ترقی کی یہاں کہیں کوئی بھکاری نظر نہیں آتا غربت و افلاس نام کی کوئی چیز موجود نہیں آخر ہمارے ملک کے عوام ان سہولتوں سے کیوں محروم ہیں اس سوچ کے ساتھ بس ایک جواب تھا کہ آزادی یہی ایسی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کے بعد ایک ملک اپنی تعمیر و ترقی کے ساتھ عوام کو تمام سہولتیں دے سکتا ہے اسی لیے انھوں نے آزادی کی تحریکوں میں دن رات محنت کو اپنا شعار بنالیا۔

جب ۱۹۴۷ء میں پاکستان دنیا کے نقشے میں ایک آزاد ملک کی حیثیت سے معرض وجود میں آگیا تو مسائل کا ایک انبار بھی ساتھ تھا خاص طور پر مہاجرین کی آمد اور ان کی بحالی کا مسئلہ سنگین نوعیت اختیار کئے ہوئے تھا لوگوں نے جھوٹے کلیم داخل کرکے حقداروں سے ان کا حق غصب کرنے کی روایت روزاول

سے شروع کر دی تھی مادر ملت دن رات ان مسائل کو دور کرنے کے لیے ہمہ تن مشغول رہیں اس دوران بھائی کی صحت خراب ہونے پر انھوں نے بھائی کی تیمار داری پر خصوصی توجہ دینی شروع کر دی لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا جس ملک کو بنانے میں قائد نے اتنی محنت کی وہ اس میں ایک سال بھی گزار سکتے قائداعظم بیماری کے دوران انتقال فرما گئے۔ مادر ملت نے بھائی کی موت کا صدمہ کس طرح سہا ہو گا وہ ہی جانتی ہوں گی بھائی کے سکھائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا مادر ملت جو خود جمہوریت کی قائل تھیں اور جن کی تربیت قائداعظم نے کی تھی وہ بھلا کیسے گوارا کر لیتیں کہ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد انگریز نواز نوکر شاہی اقتدار پر قبضہ کرکے جمہوریت کے خلاف سازش کرے انھوں نے جنرل ایوب کی فوجی آمریت کے خلاف میدان میں نکلنے کا فیصلہ کیا اور جمہوریت کو ایک نئی زندگی دی قوم کو آمریت سے چھٹکارہ دلانے کے لیے میدان سیاست میں قدم رکھا تو کونسل مسلم لیگ نے انھیں اپنا صدراتی امیدوار نامزد کر دیا مادر ملت کے میدان میں آنے پر سیاست داں چوکنا ہو گئے انھوں نے وسیع تر اتحاد قائم کرنے کی کوششیں تیز کر دیں انتخابی جلسوں میں ملک کے دور دراز کے دوروں میں قوم کی ماں کے استقبال کے لیے لاکھوں کی تعداد میں لوگ موجود ہوتے مغربی پاکستان اور خاص کر مشرقی پاکستان کے عوام مادر ملت سے گہری عقیدت رکھتے تھے وہ مادر ملت کو" مکتی نیتا" کے نام سے پکارنے لگے

ادھر ایوب خان نے مادر ملت کو شکست دینے کے لیے ہر قسم کے حربے استعمال کئے جس کی بناء پر جب انتخابات ہوئے تو مادر ملت ہار گئیں عوام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی خاص کر مشرقی پاکستان کے عوام سخت غم وغصے سے دوچار تھے مادر ملت کی صورت میں انھیں ایک نجات دہندہ ملا تھا سول اور بیوروکریسی نے وہ بھی چھین لیا مادر ملت زندگی کے اس آخری دور میں اپنوں کے لگائے گئے جھوٹ وفریب اور مکاری کے زخم کبھی نہ بھول سکیں آخر وقت میں سیاست سے خود کو دور رکھا لیکن عوام الناس کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا مادر ملت کی ان خدمات کے صلے میں قوم اپنی اس ماں کو بطور محسن وملت ہمیشہ یاد رکھے گی۔۔۔۔۔

جنگِ بدر

بقول مولانا آزاد کہ " دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیات الہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنانہیں " پھر ایسے خون شہادت کا کیا مرتبہ کہ جس میں لڑنے والوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو اپنا مرکز عمل سمجھا۔ دنیا کی تاریخ میں لڑائیوں اور جنگوں سے بھری پڑی ہے لیکن وہ جنگ جس کا مدعا نہ جہاں گیری ہو نہ اقتدار کا شوق نہ مال غنیمت جمع کر نے کالالچ ، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو یہ بڑے دل گردہ چاہتی ہے آپ تمام غزوات اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو ان میں دو ہی چیزیں قدر مشترک نظر آئیں گی اول جہاد فی سبیل للہ دوئم اپنی مدافعت اور حق وانصاف کا حصول۔ اسلام کی پہلی جنگ بدر بھی مسلمانوں نے اپنی مدافعت میں مشرکین مکہ سے لڑی تھی۔

۱۷ رمضان المبارک سن ۲ ھجری جمعہ کے دن کفار مکہ اور اہل ایمان کے درمیان بدر کے مقام پر معرکہ ہوا یہ ایک گاؤں کا نام تھا جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا یہ مقام شام سے مدینہ جانے کے دشوار راستے سے ہو کر گزرتا ہے مکہ کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گزرا کرتے تھے قریش کے تجا

رتی قافلہ سے حضرت عبداللہؓ کی جھڑپ ہو گئی جس میں قریش کے ایک رئیس اعظم کا بیٹا قتل ہوا اور دو گرفتار ہوئے اس واقعہ نے قریش کو مشتعل کر دیا نیز انھیں اطلاع ملی کہ ان کے تجارتی قافلے پر مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔ ادھر جب آنحضرت ﷺ کو ان سب باتوں کا پتہ چلا تو انھیں بہت افسوس ہوا انھوں اس کا خون بہا ادا کر دیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا مگر قریش جو کہ مسلمانوں کی ہجرت اور انکی بڑھتی ہوئی تعداد سے سخت خائف تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح ان کو شدید نقصان پہنچایا جا سکے وہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے کفار قریش کو بدر کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ تجارتی قافلہ بحفظات مکہ پہنچ چکا ہے تو کئی سرداروں نے مشورہ دیا کہ اب لڑنا ضروری نہیں لیکن ابو جہل نہ مانا اور فوج آگے بڑھی قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے انھوں نے مناسب جگہوں پر قبضہ کر لیا بخلاف مسلمانوں کی طرف کوئی چشمہ اور کنواں نہ تھا زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ان میں دھنس دھنس جاتے تھے تائید ایزدی سے بارش ہوئی جس سے گرد جم گئی مسلمانوں نے جا بجا پانی روک کر چھوٹے چھوٹے تالاب بنا لیے تاکہ وضو اور غسل کے کام آسکے اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد مشرکین کے مقابلے میں انتہائی قلیل تھی مشرکین مکہ کی تعداد جو کہ 1000 تھی 300 گھوڑے اور 700 اونٹ تھے، جب کہ مسلمانوں کی تعداد 300، 70 اونٹ اور صرف تین گھوڑوں پر مشتمل تھی مگر ان صحابہ کرام کے

دل جذبہ ایمانی کی طاقت سے مالامال تھے انھیں اپنے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پر پورا بھروسہ تھا۔

لشکر اسلام کا یہ قافلہ 16 رمضان المبارک کو بدر کے مقام پر پہنچا حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ زمین پر ایک خاص جگہ ہاتھ رکھتے اور فرماتے کہ فلا ں کافر کے مرنے کی جگہ ہے حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں دوسرے روز جنگ ختم ہوئی تو ہم نے ان نشانات کی جگہ کو دیکھا ہر کافر اسی جگہ مرا پڑا تھا جس جگہ آپؐ نے نشانات لگائے تھے اس جنگ میں حضور ﷺ کے لیے جنگی ہیڈ کوارٹر کے طور پر ایک جھونپڑی بنائی گئی تمام صحابہ کرامؓ نے رات بھر آرام کیا صرف ایک ذات تھی جو رات بھر نماز اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کرتی رہی آپ ﷺ نے نہا یت رقت آمیز لہجے میں دعا فرمائی " یا اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر ! اے اللہ اگر آج اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہو گی " آپ ﷺ کی رقت آمیزی دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا " اے نبی ﷺ اللہ سے آپ کی یہ دعا ہی کافی ہے آپ ﷺ کا رب آپ کی دعا اور وعدہ کبھی رد نہیں کرے گا "۔ دوسرے دن جنگ شروع ہوئی اس جنگ میں زیادہ تر صحابہ کرام اور کفار قریش آپس میں قریبی رشتہ دار تھے مسلمان ہونے کے بعد ان کے لیے یہ خو نی رشتے اللہ کی محبت میں بے معنی ہو گئے وہ اپنے بیٹوں

بھائیوں اور باپ کے خلاف صف آرا ہوئے صرف ایک رشتہ باقی رہا جو اللہ کی ذات سے تھا اس جنگ میں کافروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا' ابو جہل اور عتبہ جیسے بڑے سرداروں کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی مسلمانوں نے انکو گرفتار کرنا شروع کر دیا قریش کے بڑے معتبر لوگ گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی جا کر خبر لائے کہ ابو سفیان کا کیا حال ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابو سفیان کی گردن کاٹ کر آپ ﷺ کے قدموں رکھ دی اس جنگ میں مسلمانوں کے 14 صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی جب کہ قریش کے بڑے سرداروں سمیت 70 لوگ مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔

اس جنگ کے بعد قریش کا نشہ ہرن ہوگیا بدر کی فتح سے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا اب وہ محض دین اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ ایک سیاسی طاقت کی حثیت بھی اختیار کر چکے تھے انھوں نے ظالمانہ قوت کو مٹا کر عدل ونصاف کی سلطنت قائم کرنے کی بنیاد رکھ دی ۔اس جنگ سے مسلمانوں کے لیے کئی پہلو سے سبق اور نئی راہیں موجود ہیں ایک طرف آپ ﷺ نے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا تو دوسری طرف آپ ﷺ نے فدیہ دے کر انھیں چھوڑنے کا حکم بھی دیا جو نادار تھے اور پڑھے لکھے تھے ان کو فدیہ کے طور پر دس دس بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری دی اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ ﷺ تعلیم کو کتنی اہمیت دیتے تھے اس معرکہ میں دو صحابہ کرامؓ جنگ کے لیے آرہے تھے تو

قریش نے ان کو اس وعدہ پر جانے دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گیں انھوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ نے افرادی قوت کی کمی ہونے کے باوجود انھیں جنگ میں حصہ لینے سے روک دیا اس سے آپ ﷺ کے وعدہ اور اپنی بات پر قائم رہنے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آج اگر ہم تھوڑی دیر کو یہ سوچیں کہ اس زمانے میں 17 رمضان کو مسلمان کس قدر مشکلات کا شکار تھے نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پہنے کو ڈھنگ کا کپڑا نہ رہنے کو مکان ، نہ زندگی گزارنے کے لیے تحفظ کا کوئی سائبان تھا ہر طرف دشمن ان کی طاق میں تھے کی کس طرح ان کو نیست ونابود کر دیا جائے ان حالات میں انھوں نے محض اپنے جذبہ ایمانی کی بنیاد پر اتنی بڑی فوج سے یہ جنگ لڑی ااور فتح حاصل کی آخر ہم بھی تو اسی دین کے پیروکار ہیں اسی اللہ کو ماننے والے ہیں پھر کیوں ہم اس قدر بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اتنے بے بس اور ذلیل و خوار ہیں ہم کیوں آپس میں مسلمان ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں آج اپنے ہی مسلمان بھائی کو گلا کاٹنے پر فخر محسوس کرتے ہیں کیوں ہم لسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں اس سے نقصان تو ہمارے اور ہماری نئی نسلوں کا ہے جو عدم تحفظ کا شکار ہو کر رہ گئی ہے جو نہ اسکول وکالج جا سکتی ہے نہ روزگار کے مواقع تلاش کر سکتی ہے ہم سب کو رہنا اسی ملک میں ہے تو کیوں ان لوگوں

کی حمایت میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کو قربان کر رہے ہیں جن کے اثاثے بیرون ملک ہیں جو کسی بھی مشکل وقت میں ملک چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے بھگتنے کے لیے غریب عوام رہ جائیں گے اس بارے میں ہم سب کو سوچنے کی ضرورت ہے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ یہ محض ایک تاریخی واقعہ ہی نہیں کہ جس میں مسلمانوں نے اپنے خون بہا کر فتح حاصل کی بلکہ ہم سب کے لیے ایک پیغام بھی ہے۔

کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟

کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟ کہ وزیر اعظم کی آمد پر ایک جعلی اسکول خصوصی طور پر تیار کیا گیا ہو اور وزیر اعظم صاحب کی آنکھوں میں دھول جھونکا گیا ہو حقیقت یہ ہے کہ اس اسکول میں نہ کوئی طالب علم ہے نہ کوئی استاد۔ جی ہاں! یہ دعویٰ ایک نجی ٹی وی سے اس وقت کیا گیا ہے جب ضلع بدین میں بڑے پیانے پر سیلاب کی تباہ کاریاں پھیلی ہوئی ہیں سینکڑوں لوگ بے گھر ہوئے ہیں اور اسی سلسلے میں وزیر اعظم صاحب نے بدین میں قائم ریلیف کیمپوں کا دورہ کیا تو انتظامیہ نے وزیر اعظم صاحب کو ایک اسکول کا دورہ بھی کرایا جہاں متاثرین سیلاب کے لیے رہائش اور ان کے بچوں کے لیے مفت تعلیم کی سہولت دی گئی ہے یہ اور بات ہے کہ وزیر اعظم کے دورے کے دو دن بعد اس اسکول میں جانورں کو رہائش گاہ بنا دیا گیا شائد ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ پچھلے سال پورے ملک میں آئے ہوئے بدترین سیلاب کے دوران گیلانی صاحب کو جعلی کیمپوں کی سیر کرائی گی تھی اور میانوالی میں جعلی ہپتال کا دورہ بھی کرایا گیا تھا اس طرح کے نجانے کتنے واقعات ہوں گے جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوں گے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ واقعی گیلانی صاحب اس سارے واقعے سے لاعلم ہیں یا ان کے سرکاری افسران انھیں دھوکہ دینے کی

ہمت وجرات رکھتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہماری بیوروکریسی کتنی بہادر اور نڈر ہے بیوروکریسی کی ان شاطرانہ چالوں کے بارے میں ایک سیلاب کی آفت میں پھنسا سیدھا سادا کسان کیا جان سکتا ہے کہ ان محکموں میں کیسے کیسے گوہر نایاب اذہان بھرے پڑے ہیں جو بندے کو بیچ دیں تو بھی اسے پتہ نہ چلے۔اسی بارے میں ہمارے ایک قلم کار نے لطیفہ تحریر کیا تھا کہ ایک خان نے کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسان کو بتایا کہ کیا تمھیں معلوم ہے پاکستان بن گیا ہے اور ہم آزاد ہو گئے ہیں کسان نے سر اٹھا کے خان کو دیکھا اور پوچھا کہ کیا انگریز چلے گئے ہیں خان نے کہا بلکل اب کوئی انگریز حکمراں نہیں ہے اس پر کسان نے بہت خوش ہو کر پوچھا کہ کیا انگریز پٹواری کو بھی ساتھ لے گئے خان نے کہا کہ نہیں پٹورای تو اپنے پٹوار خانے میں موجود ہے اس پر کسان مایوسی سے بولا تو پھر خان یہ آزادی کہاں ہے۔قیام پاکستان کے وقت صرف پٹواری حاکمانہ وجود کے ساتھ ان کسانوں کے سرپر موجود رہتا تھا لیکن پاکستان بنے ان چونسٹھ سالوں میں آج حالت یہ ہے مزید کئی محکمے پٹواری کی مدد کو موجود ہیں جو اپنا حصہ باقاعدگی سے وصول کرتے ہیں ہر سال آنے والا سیلاب جہاں ان کاشتکاروں کی مشکلوں میں اضافہ کرتا ہے وہاں محکمہ آبپاشی اور سیڈا کے ذمہ دار حکام اور اہلکاروں کی چاندی ہو جاتی ہے سیلاب کے دوران بااثر افراد کی جانب سے اپنی املاک کو بچانے کے لیے دوسرے علاقوں کو پانی کی نذر کرنے سے لے کے

امدادی سامان لوٹنے تک سب کام بخیر و بخوبی انجام پاتے ہیں۔

دوسری جانب حال یہ کہ بھوک سے بے حال پھٹے ہوئے چھیتڑے نما کپڑے پہنے، سر پر کوئی سائبان نہیں یہ ان لوگوں کا نوحہ ہے جو حالیہ بارشوں سے دربدر ہوئے ہیں کئی دنوں سے بھوک پیاس کے ستائے لوگوں کی اذیت کا احساس بھرے پیٹ لوگ کیا جانیں وزیر اعظم کے دورے کے بعد جو مناظر ٹی وی پر دیکھنے کو ملے اس اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ لائن لگا کر امداد لینے کا تکلف کیسے کر سکتے ہیں انھیں تو بس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے خوراک کی اشد ضرورت تھی خوراک کی کمی کے باعث لوگ سوکھی روٹی اور پانی پی کر روزہ رکھنے پر مجبور ہیں شیر خوار بچوں کے لیے دودھ کی فراہمی الگ مسئلہ ہے علاج کی سہولتیں ناپید ہیں عالمی ادارہ صحت نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ سیلاب زدہ علاقوں میں ناقص شیلٹر اور پینے کے صاف پانی کی عدم دستیابی کے باعث وبائی امراض پھیلنے کا خطرہ ہے حالیہ سیلاب سے پریشان بائیس لاکھ متاثرین کی جانب سے حکومت اور انتظامیہ کے خلاف جگہ جگہ احتجاج بھی ہو رہے ہیں۔

اس بار سیلاب کی تباہ کاریوں سے اندورن سندھ کے کئی علاقے شدید متاثر ہوئے ہیں خاص کر ضلع بدین شدید متاثر ہوا ہے بدین کے عوام کا کہنا ہے کہ

سڑک کے دونوں اطراف آبادی پانی میں گھری ہوئی ہے جب بھی بارش ہوتی ہے یہ علاقہ زیرآب آجاتا ہے یہاں کے لوگ بار بار حکومت وقت سے درخواست کرچکے ہیں کہ ہم امداد نہیں مانگتے خدارااس عذاب سے ہماری جان چھڑائی جائے اور اسکا کوئی مستقل حل تلاش کیا جائے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب سالانہ ترقیاتی فنڈ کے پروگرام سے ایک سوا کسٹھ ارب روپے بارش متاثرین کے لیے رکھے گئے ہیں تو آخر اس رقم سے کتنے امدادی کام کیے گئے ہیں کب تک ہر سال اس طرح دربدر کی ٹھوکر ان عوام کا نصیب بنی رہے گی پچھلے سال سیلاب متاثرین کے علاقوں میں بحالی کے کام کی خاطر جو بیرون ملک سے امداد ملی تھی اس سے کیا فلاحی کام ہوئے اس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے حکومت وہ بند بھی نہ بنوا سکی جو پچھلے سال سیلاب میں ٹوٹے تھے نئے بند ڈیمز بنوانا تو بہت دور کی بات ہے سندھ کے صوبائی وزیر صادق علی میمن نے ٹھٹھہ کے گھنگرو علاقے میں بھیم نالے پر پھیلی ہوئی تباہی کو دیکھتے ہوئے کہا ہے کہ اس ڈریج کے نظام کی مرمت ، صفائی اور دیکھ بھال میں بڑے پیانے پر مالی بے قاعدگی ہوئی ہے ہر سال کروڑوں روپے کے فنڈز ملنے کے باوجود یہ نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے متاثرہ علاقوں میں ڈاکٹر فہمیدہ مرزااور ذوالفقار مرزا کا علاقہ بھی شامل ہے وہاں کے متاثرین ذوالفقار مرزا کو خبردار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے بچوں کی بددعائیں نہ لیں ذوالفقار مرزا نے خود وہاں پہنچ کر متاثرین کو تسلیاں اور یقین دھا

نیاں کرائیں اور احتجاج کو ختم کرایا وہ لوگ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں جو پچھلے سال سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد بحالی کا کام نہ ہونے کی باعث اپنے گھروں کو نہ پہنچ سکے اور ایک سال سے خیموں وکیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور اسے اپنا نصیب سمجھ کر اس کے عادی ہو چکے ہیں۔

وہاں کی حالت دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اب تک ان کے معیار زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی نہ کسی گوررنمنٹ نے اس کی ضرورت محسوس کی حکومتی سیاست داں، بیوروکریسی و دیگر ذمہ داروں کے لیے یہ کمانے کا سیزن ہے وہ اس سے منحرف کیسے ہو سکتے ہیں ہمارے ارباب اختیار اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان سب سانحوں کے باوجود اپنے گھروں میں چین و سکون کی نیند سوتے رہیں گے کہ ہما رے گھر کون سا کچے کے علاقے میں ہیں جو ان پر سیلاب کا اثر ہو گا کوئی مرے یا جئے ان کو کیا فرق پڑتا ہے فرق جب پڑتا ہے جب کیمرہ کوریج دے رہا ہو آخر ووٹ بنک بھی تو مضبوط کرنا ہے کہ سینکڑوں لوگ ہمارے جذبہ خیر سگالی اور دریا دلی کی داد دے رہے ہیں یہ ہمارے ملک کی بد قسمتی ہے کہ ہمیں جو حکمران نصیب ہوئے اس نے ذاتی مفادات اور خواہشات کے ساتھ اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اے کاش! کہ وطن عزیز میں ہر سال سیلاب جو تباہ کاریاں لا رہا ہے اسکو روکا جا سکتا ہمارا کوئی

درد مند لیڈر قوم کے ساتھ مخلص ہوتا جو ہر مخالفت پس پشت ڈال کر نئے ڈیمز بنانے کا ارادہ کرلے یا وہ سارے منصوبے جو فائلوں میں پڑے ہیں کاش کہ وہ حقیقت بن جائیں تو پاکستان کی قسمت سنور جائے خواب دیکھنے میں کوئی پابندی نہیں لیکن !کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے؟۔

یوم القدس

مسجد اقصیٰ کا تصور بچپن سے میرے لیے ایک خوبصورت سنہرے گنبد اور اسلامی فن تعمیر کا اعلیٰ شاہکار والی مسجد کا تھا ہر مسلمان کی طرح میں نے بھی اس آرزو کو دل میں جگہ دی کہ کبھی نہ کبھی اسکی زیارت ضرور ہو گی وہ اسلامی مرکز کے روشن ستاروں میں سے ایک ستارہ ہو گا اس میں پنج وقتہ اذانیں اور نماز کا روح پرور نظارہ بھی ہو گا لیکن آج جب انٹرنیٹ پر اس مسجد کی شکستہ دیواریں اور جگہ جگہ کھدائی کی ہوئی حالت دیکھتی ہوں تو بے حد دکھ ہوتا ہے خاص کر اس بات پر کہ دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہوتے ہوئے اس مسجد کی یہ حالت ہم سب کے لیے باعث شرمندگی وندامت اور لمحہ فکریہ ہے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک اور تازہ ظالمانہ و شرمناک واقعہ اس وقت پیش آیا جب اتوار اور پیر کی درمیانی شب اسرائیلی افواج مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئی اور وہاں پر موجود اعتکاف میں بیٹھے ہوئے 1500 افراد کو تشدد کا نشانہ بنایا اور مسجد سے بے دخل کر دیا مسجد کا تاریخی دروازہ باب العامود مستقل طور پر بند کر دیا گیا یہ انتہائی گھٹیا اور ظالمانہ فعل ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اقوام متحدہ کے چارٹر آف انسانی حقوق میں بھی تمام انسانوں کو اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی کھلی آزادی ہے یہ وہ حق ہے جسے کسی طور پر بھی ختم نہیں

کیا جا سکتا لیکن فلسطین کی سر زمین پر مسلمانوں کے حقوق کی پا مالی کی جنگ شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔

فلسطین کا شہر جو تاریخی اعتبار سے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے لیے مقدس سرزمین کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کی تعمیر کردہ معبد ہیں جو بنی اسرائیل کے نبیوں کا قبلہ سمجھا جاتا ہے یہی شہر حضرت عیسیٰ علیہٗ سلام کی جائے ولادت ہے اور انھوں نے اپنی تبلیغ کا مرکز بھی اسی شہر کو بنائے رکھا جب کہ مسلمانوں نے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے تک اسی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کی 2 ھجری ھجری تک یہ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا۔ بیت المقدس جسے القدس بھی کہتے ہیں 624 جہاں مسلمانوں کا قبلہ اول اور قبتہ الصخرہ واقع ہے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ سلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ سلام نے عراق سے ہجرت کرنے کے بعد یہاں بیت المقدس کی تعمیر کی حضرت یعقوب علیہ سلام نے وحی الہیٰ کے حکم سے مسجد بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی بنیاد ڈالی جب نبی کریم ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت الصخرہ پر پہنچے تو وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ کوئی ہیکل تھا اس لیے قرآن مجید میں اس جگہ کو مسجد اقصیٰ کہا گیا 17 ھجری 639ء میں عہد فاروقیؓ میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا خلیفہ عبدالماک کے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہوئی جو اس وقت کے فن تعمیر کا

اعلیٰ نمونہ تھی اور صخرہ معراج پر قبلہ الصخرہ تعمیر کیا گیا۔ 1099ء پہلی صلیبی جنگوں کے موقع پر یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرکے ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کو شہید کیا 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو دوبارہ عیسائیوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ پہلی جنگ عظیم دسمبر 1917ء میں جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لے کر فلسطین عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اس کے نتیجے میں 78 فی صد علاقے پر اسرائیل قابض ہو گیا تیسری عرب اسرائیل جنگ جون 1967 میں اسرئیلیوں نے بقیہ فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا یہ امریکہ اور برطانیہ ہی تھے جنھوں نے پہلی جنگ عظیم سے پہلے اسرائیلیوں کو فلسطین میں بسانے کی کوشش میں پیش پیش رہے اور فلسطینی عوام کو ان کی زمین سے بے دخل کرنے میں ہر طریقہ کی تعاون اور مدد اسرائیل کو دیتے رہے، آج برطانیہ کی اسی شہ کی بناء پر فلسطینی مسلمان اپنے ہی وطن میں مہاجرین کی زندگی گزارنے پر مجبور رہیں۔ 1948ء میں فلسطینی سرزمین پر اسرائیل نے اپنی ریاست بنانے کا اعلان کیا تو امریکہ اور برطانیہ نے بھرپور تعاون کیا برطانیہ کے اسی تعاون کی وجہ سے اسے "اسرئیل کا خنجر" کے خطاب سے بھی نوازا گیا برطانیہ میں قائم ہونے والی ہر حکومت نے فلسطین، اسرائیل مسئلہ کو حل کرنے کا دعویٰ بڑے زور شور سے کیے، مگر عملی اقدمات پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔ اسرائیل کی ہر ظالمانہ کاروائی کو نظر انداز کرنے کی پالیسی نے اسے اس قدر

دلیر بنا دیا ہے کہ اسکا جب جی چاہتا ہے نہتے فلسطینیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہیں ہم آئے دن ان کی بر بریت کا منہ بولتا ثبوت فلسطینی شہید بچوں کی صورت میں میڈیا پر دیکھتے ہیں مگر انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اسرائیل، ان مغربی قوموں سے اپنی ہر جائز ناجائز بات منوانے پر قادر ہیں۔

جب تک پوری امت مسلمہ اسرائیل کے خلاف متحد ہو کر فلسطینی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتی اس وقت تک اسرائیل کے ظلم کم ہونے والے نہیں جب تک ہم خود متحد نہ ہوں گے انسانی حقوق کے علم بر دار مغربی ممالک کو اسرائیلی سرپرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے کیسے اقدامات پر اکسا سکتے ہیں ترکی جو اسلامی ممالک میں واحد ملک ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا لیکن کچھ عرصے قبل ترکی کے امدادی سامان پر ہونے والے حملہ کے بعد اس کی طرف سے فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف شدت آئی ہے اسرائیل نے معاہدہ کیمپ ڈیوڈ اور معاہدہ اوسلو کے تحت مذاکرات میں آزاد فلسطینی ریاست کے حق کو تسلیم کیا تھا وہ اس سے اب منکر ہے دیگر ممالک کے شرکاء میں برطانیہ اور امریکہ شامل تھے جنھوں نے اس معاہدے کی رضامندی دی تھی لیکن یہ ممالک بھی آج خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

اس وقت عالم اسلام دو اہم سنگین مسئلوں سے دوچار ہے جن میں پہلا القدس کی آزادی دوئم مسئلہ کشمیر قبلہ اول کی آزادی صلب ہوئے مدت ہوئی فلسطین نے آزدی کے لیے ایک طویل جنگ لڑی آج ان کا اپنا وجود لہو لہو ہے نقل مکانی کیے کئی عشرے گذر گئے وہ کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں آج پوری امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قبلہ اول کو ان کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے متحد ہو کر نتیجہ خیز اقدامات کرنے ہوں گے تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو کشمیر انڈیا کے غاصبانہ قبضے سے اور فلسطین کو اسرائیل سے رہائی دلانے کے لیے سوچنا ہوگا۔۔

عودے سے عید تک

عید کا لفظ "عودے" سے نکلا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں اس سے مراد خوشی کا وہ دن جو بار بار لوٹ کر آئے لیکن ارض پاکستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ گزشتہ کئی سالوں سے ہم یہ دن تو مناتے ہیں لیکن وہ خوشی اور مسرت ہمارے دروازوں پہ دستک نہیں دیتی جس کا ذکر لفظ عید میں پنہاں ہے ہر سال وطن عزیز ایک نئے بحران کا شکار نظر آتا ہے کبھی ہماری قوم زلزلوں سے نبرد آزما ہوتی ہے تو کبھی ہم سیلابوں کی تباہ کاریوں سے نبٹ رہے ہوتے ہیں اور آج پورے پاکستان اور خاص طور پر کراچی کے دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ بے گناہ لوگوں کی سر کٹی لاشوں کے تحفہ وصول کرتی قوم ہر مشکل حالات کا مقابلہ کرنا اور جینا چاہتی ہے رمضان کے مقدس مہینے میں جب کہ دشمن بھی اپنی جنگوں کو موخر کر دیتے ہیں شہر کراچی ٹارگٹ کلنگ کا شکار رہا پاکستانی قوم پورے ماہ روزہ رکھ کر تراویح کی طویل نمازوں اور تلاوت کے بعد اللہ سے اپنے ملک میں امن کے لیے دعا گو رہے۔

ادھر شہر امن میں رمضان المبارک کے آخری عشرے کے فیوض و برکات سمیٹنے کے لیے دنیا بھر کے مسلمان حرم کعبہ میں جمع ہوئے اس سال بھی تقریبا 30

لاکھ سے زائد مسلمانوں نے حرم کعبہ کو اپنا مسکن بنانے کا اعزاز حاصل کیا آخری طاق راتوں کی عبادت، جمعتہ الوداع کے خطبے اور بعد ازاں لیلتہ القدر کی خصوصی دعاؤں میں پاکستان کے لیے کئی مرتبہ دعائیں کی گئی بحثیت مسلمان ہمارا یہ راسخ عقیدہ ہے کہ حرم پاک میں کی جانے والی دعائیں کبھی رد نہیں کی جاتیں ۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے زائرین یہ دریافت کرنے کی کوششوں میں مصروف رہے کہ آخر پاکستان سے کون سی خطا ہوئی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا قہر اس کے رہنے والوں پر نازل ہو رہا ہے کئی لوگوں نے پاکستان کے لیڈروں اور ارباب اختیار کے کردار اور ماضی کے بارے میں بھی استفسار کیا یہ لوگ خلوص نیت سے پاکستان کے بہتر مستقبل کے لیے دعا گو تھے کہتے ہیں کہ دعاؤں سے بلائیں ٹلتی ہیں ،انسان اپنے اعمال کی عبرت سے بچ سکتا ہے مگر ہماری دعائیں غریبوں کی آہ اور فریاد بن کر ساتویں آسمان سے واپس آجاتی ہیں حرم کعبہ میں دنیا بھر کے مسلمان زائرین پاکستان کے لیے فکر مند اور غمزدہ نظر آئے پاکستان کی واحد ایٹمی اسلامی ریاست ہونا تمام مسلم اقوام عالم کے لیے قابل فخر ہے زائرین میں ایک ادھیڑ عمر افریقی مسلمان نے فرمایا کہ پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال پر توجہ دیں ۔ مجھے اس افریقی مسلمان کی رائے سے سو فی صد اتفاق ہے کہ آج پاکستان میں اپر کلاس سے لے کر نچلے طبقے تک سب ہی جلد از جلد دولت کمانے کی دوڑ میں مصروف ہیں اس کے لیے وہ

کوئی بھی اخلاقی حد پھلانگنے کو تیار ہیں پاکستان میں رمضان کے مہینے میں کیا کیا قیا
متیں ٹوٹی ، مملکت خداداد میں سوختہ جانوں پر کیا گزری کہ اصل گناہ گار یہ سوختہ جا
ن نہیں بلکہ دشمن جان تو ارباب اختیار ہیں جو کبھی پاکستان اور اسکے رہنے والے با
سیوں کے لیے کوئی دردمند دل نہیں رکھتے ۔پاکستان کی 67 سالہ تاریخ کی تمام خامیا
ں کرپشن لوٹ مار وڈیرہ شاہی ،جاگیرداری اور مارشل لاء کے فیوض و برکات پوری
دنیا کے آگے آشکار ہو چکے ہیں ہم تو صومالیہ ایتھوپیا کی غربت بے بسی بھوک دیکھ کر
تڑپتے تھے خبر نہ تھی اپنے ملک کی حالت تو اس سے بھی کہیں زیادہ خراب ہے اس قدر
غربت کسمپرسی دوسری جانب ارباب ختیار کے یہ ٹھاٹھ باٹ ،پھر ہماری دعائیں
کیوں کر قبول ہو سکتی ہیں لیکن اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود ہم ہیں کہ کرپشن سے باز
آنے کا نام نہیں لیتے رمضان کا مہینہ جو ماہ رحمت کہلاتا ہے غریب اور نچلے متوسط
طبقے کے لیے قہر بن کر ٹوٹتا ہے ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص ان کو بلیک کرنے پر تلا بیٹھا ہے
ایک طرف غریب کی کھال تک کھینچ لی جاتی ہے تو دوسری طرف چند لوگوں کی تجوریا
ں بھر رہی ہوتی ہیں رمضان کا چاند نظر آنے کے بعد سے لے کر عید تک گوشت ،
دودھ پھل ،سبزیاں و دیگر اجناس کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں شکر اور
آٹا مافیا کے آگے تو سب ہی بے بس نظر آرہے ہیں کہ سجن بیئے تھانیدار اب ڈر کاہے کا
پوری دنیا میں یہودی ،عیسائی اور دیگر مذاہب کے تہواروں پر ،

اشیائے ضرورت پر نصف سے بھی کم میں دستیاب ہوتی ہیں مگر ہمارے ہاں عید پر تما م اشیاء کی قیمتوں پر پچاس فی صد سے بھی زیادہ تک کا اضافہ ہو جاتا ہے اس پر عید کی خوشیوں کی رہی سہی قصر ہلال عید کے اختلاف کا داغ لگا کر پورا کیا جاتا ہے آج اس قوم کو جس قدر اتحاد کی ضرورت ہے اسی قدر مسائل کو ہوا دی جاتی ہے اس سال بھی پہلا روزہ صوبہ پختونخواہ میں ایک دن قبل رکھا گیا جس سے یقینا عوام طاق راتوں کے بارے میں بھی شکوک کا شکار ہوں گے اور امید ہے کہ عید بھی ہمیشہ کی طرح وہاں ایک دن پہلے منائی جائے گی ہر سال کی طرح رویت ہلال اس بار بھی کنفیوژن کا شکار ہے گی وجہ ہر جماعت اپنی ڈیڑھ اینٹ کی رویت ہلال کمیٹی بنائے ہوئے ہے عید جیسے اسلامی اور مقدس تہوار پر ہمارے علماء کا متفق نہ ہونا پوری دنیا میں ہماری تضحیک کا باعث بن رہا ہے۔ بقول عدم کہ عید کیا عید کی حقیقت کیا۔

پاکستانی قوم ااس بار عید پر جس کسمپرسی کا شکار ہے اس کی مثال قیام پاکستان کی پہلی عید پر بھی نہیں ملتی جب کہ آج ہم اس وقت سے کہیں زیادہ بہتر ذرائع رکھتے ہیں مگر ہم ایمان داری، دیانت داری عزم و حوصلہ اور ایک متحد قوم بن کر رہنے کے عزم سے خالی ہوگئے ہیں جب ہی ہماری دعائیں بھی عرش الہٰی سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں جب تک ہم اپنے اعمال و کردار کو

بہتر نہیں کریں گے پوری دنیا کی دعائیں بھی ہمارے لیے چشم رحمت نہیں بن سکتی۔ اس وقت ایک صدی قبل علامہ صاحب کی لکھی گئی نظم پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہمارے دور کو ذہن میں رکھ کر لکھی گئی ہو۔

یہ شالامار میں اک.برگ زرد کہتا ہے
گیا وہ موسم گل جس کا راز دار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یاد فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیونکر کہ سوگوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عید کہن کے مے خانے
گزشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں
پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے۔

ممتاز مفتی کی باتیں

ایک روز میں نے اپنے گرو سے کہا، ایک بات پوچھوں ؟ بولے ، پوچھو۔ میں نے کہا، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں ، مجھ سے ڈرو۔

بولے ، اچھا پھر ؟

میں نے کہا، پتا نہیں کیوں مجھے اللہ تعالی سے ڈر نہیں لگتا، حالانکہ میرا ایمان ہے اللہ کے سوا کوئی قوت نہیں ہے، کوئی خوف نہیں ہے، لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ بچوں کی طرح معصوم ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جاتا ہے، مجھے لگتا ہے جیسے وہ ہمارے لیے بے پناہ ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ اتنا دیالو ہے کہ دینے کے لیے بہانے ڈھونڈتا پھرتا ہے۔

وہ ہنسے ، بولے مفتی ! تم زیادہ نہ سوچا کرو۔ یہ جو سوچیں ہیں، یہ گھمن گھیریاں ہیں، ڈوبنے دیتی ہیں نہ تیرنے ۔ بہت سے بھید ایسے ہیں جو سامنے دھرے ہیں مگر ہمیں دکھتے نہیں چونکہ باری تعالی نہیں چاہتے کہ وہ بھید کھل جائیں۔

میں نے کہا، عالی جاہ ! میں تو ڈرنے کی بات پوچھ رہا تھا کہ مجھے اس سے ڈر نہیں لگتا ہے، اس پر پیار آتا ہے۔

بولے، جنہیں ڈر لگتا ہے وہ بھی خوش قسمت ہیں ، جنہیں پیار آتا ہے وہ بھی خوش نصیب ہیں۔

یہ کیا بات ہوئی ؟ میں نے چڑ کر کہا۔۔

مسکرا کر بولے : ڈر بھی ایک تعلق ہے، محبت بھی ایک تعلق ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ تعلق قائم رہے، سارا کھیل تعلق کا ہے۔ اگر اللہ سے تعلق قائم ہے تو سب اچھا۔

ایک محنتی قوم کو سالگرہ مبارک

مشہور چینی کہاوت ہے کہ دور کے رشتہ دار سے قریب کا پڑوسی زیادہ اچھا ہے " اس کہاوت کو چین کے لوگوں نے سچ بھی کر دکھایا ہے عوامی جمہوریہ چین پاکستان کا ایک پڑوسی دوست جس نے ہر مشکل گھڑی میں پاکستان کی دامے درمے سخنے ہر ممکن مدد کی آج بھی جب امریکہ کی جانب سے پاکستان دھمکیوں کی زد میں ہے تو پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے چینی وزیراعظم مینگ جیان زو نے فرمایا" پاک چین دوستی نسل در نسل آگے بڑھے ہیں اور پاک چین سفارتی تعلقات کی اس سال 60 ویں سالگرہ ہے اور تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ دونوں ملک ضرورت کے وقت کام آنے والے حقیقی دوست ہیں۔ پاکستان کے انقلابی شاعر جناب حبیب جالب نے پاک چین دوستی پر ایک نظم میں فرمایا۔

چین اپنا یار ہے

اس پر جان نثار ہے

غرض پاک چین دوستی ایک خوبصورت بندھن ہے ہمارے دوست عوامی جمہوریہ چین کے لیے یکم اکتوبر ایک خاص اہمیت کا حامل ہے یہ اس کی آزادی کا دن ،زندہ قوم میں اپنی آزادی کے دن بڑے جوش و خروش سے مناتی ہے ہر سال کی طرح اس

سال بھی چینی عوام نے اپنی آزادی کا دن بڑے جوش خروش سے منانے کا فیصلہ کیا ہے اس سال اکتوبر کی تعطیلات کے علاوہ زائد سرکاری چھٹیوں کا اعلان بھی کیا گیا یہ چھٹیاں ہر چند کہ موسم خزاں کے موسم سے منسوب ہوتی ہیں لیکن چینی عوام آزادی کے جشن قریب ہونے کی بناء پر اسے جشن آزادی کا تحفہ ہی سمجھتے ہیں ایک زندہ اور محنتی قوم ہونے کے ناتے چینی عوام ان چھٹیوں کو سارا دن گھر میں ٹی وی کے آگے بیٹھ کر یا سو کر نہیں گنواتی وہ فالتو اوقات ضائع کرنے کے بجائے ملک کی خدمت کو ترجیح دیتی ہیں شہری ان اوقات میں کوئی فلاحی کام مثلا پودے لگانا یا ساحل سمندر کے کنارے رضاکارانہ صفائی کا کام انجام دیتے ہیں چینی قوم بڑی باصلاحیت محنتی اور سادہ قوم ہیں ہزاروں سال قبل جب مغربی قومیں بربریت اور جہالت کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی، تھیں اس وقت فرزندان چین نے مل جل کر با مقصد زندگی بسر کرنا اور با مقصد چیزیں بنانا سیکھ لی تھیں انھوں نے سب سے پہلے کاغذ اور چھاپے خانے ایجاد کرکے دنیائے علم پر ایک احسان عظیم کیا دنیا میں عرصہ دراز تک چین میں کتابوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی چین میں پہلا ناول چھ سو سال ق م میں لکھا گیا چین کی ابتدائی لکھی گئی تاریخ پر زیادہ تر انسانی رنگ غالب ہے۔ 1929ء میں سویڈن کے ماہر ارضیات ڈاکٹر اینڈرسن کو چین کے ایک غار میں ایسے انسانی ڈھانچے ملے جو اس بات کا ثبوت تھے کہ چین میں انسانی تاریخ تقریبا پانچ لاکھ سال

پرانی ہے چین کے قدیم بادشاہت مختلف خاندانوں جن میں شنگ خاندان ، منگ خاندان چاؤ خاندان ، منگ خاندان ، سن خاندان ، یان خاندان ، ہانگ خاندان ، بان اور، سنگ خاندان شامل تھے چین مغرب میں ۵ ہزار میل تک بلند پہاڑیوں اور ریگستانوں میں گھرا ہوا ہے مشرق میں بحر کاہل تک بکھرا ہوا ہے محل وقوع کے لحاظ سے کافی بڑا ملک ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اس کے ایک صوبے سنکیانگ کا رقبہ انگلستان ، روس ، جرمنی اور فرانس سے بھی بڑا ہے۔

اتنے بڑے محل وقوع کے باوجود چینی فطرتی طور پر دنیا سے الگ رہنے کی خواہش مند تھے ان کے فلسفیوں کی تعلیمات نے انھیں اور بھی قدامت پسند اور کنارہ کش کر دیا تھا وہ صلح جو اور امن پسند طبعیت رکھتے تھے دیوار چین بنانے کی وجوہ بھی شائد یہی رہی ہو گی جو انھیں تاتاریوں کے حملے سے بچنے میں بھی مددگار ثابت ہوئی تھی یہ دیوار چین جسے دنیا " دی گریٹ وال آف چائنا" کے نام سے جانتے ہیں یہ دیوار 300 ق۔م میں شہنشاہ ہوآن لی نے بنوائی تھی اس کی لمبائی 15 میل اور چوڑائی 25 فٹ ہے اس کی لمبائی کی بناء پر اسے چاند سے بھی دیکھا جا سکتا ہے چین کی اکثریت بدھ مت کی پیرو ہے ان کے مذہبی فلسفیوں میں لاؤ تسی اور کنفیوشس خاصے مشہور ہوئے خاص طور پر کنفیوشس کے افکار نے ان کے خیالات میں کافی تبدیلیاں پیدا کی

حتیٰ کہ اس کی وفات کے بعد بھی ہر شہر میں اس کے نام کے مندر تعمیر کیے گئے آج بھی اسکے متعقدین کی تعداد کروڑوں میں ہیں جو پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔

اہل مغرب کے قدم چین کے شہر کینٹین میں سب سے پہلے پڑے اور مشہور زمانہ افیون جنگ کا آغاز ہوا جس میں چینیوں کی شکست کے بعد مغربی ملکوں نے یہاں پر اپنے قدم جما لیے ان مغربی ملکوں نے انھیں اپنے زیر نگیں رکھنے کے لیے افیون کا عادی بنا دیا تھا چینیوں نے ایک طویل جد وجہد کے بعد آزادی حاصل کی ہزاروں چینی انقلابیوں کو ایک دن میں تہ تیغ کیا گیا یہاں تک کہ چائنا کی سڑکیں مدتوں خون شہیداں سے رنگین رہی چینی قوم ان شہیدوں کی قربانی کبھی نہیں بھولی جنھوں نے اپنی جانوں کا نذارنہ پیش کرکے وطن کو آزادی سے ہمکنار کیا ان شہیدوں کی یاد میں چینی قوم 4 مئی کو یوم بیداری مناتی ہے۔

اپنی آزادی کے بعد چینی قوم نے تیزی سے ترقی شروع کی وہ قوم جو پوری دنیا میں افیونی قوم کے لقب سے مشہور تھی اس نے ثابت کر دکھایا کہ اگر پوری قوم متحد ہو کر حالات کا مقابلہ کرئے اس کے لیڈرز نیک نیتی سے قوم کی تعمیر میں حصہ لیں تو وہ ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے وہاں کے عوام

اپنے قائد ماوزے تنگ کے افکار پر سختی سے عمل پیرا ہیں جنھوں نے محنت کی عظمت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ہر چینی اپنے ہاتھ سے کام کرے کہ کسی شخص کے لیے تھوڑا سا کام کرنا مشکل نہیں ہوتا جو چیز مشکل ہے وہ ہے تمام عمر اچھے کام کرنا محنت کروگے تو تجربہ ہوگا اور تجربہ ہی علم کا سونا اور معراج ہے۔ چینی قوم انھی افکار کی روشنی میں نے اپنا انفرااسٹرکچر تیار کرنا شروع کیا پورے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا، ریلوے لائنیں، بندرگاہیں اور ایئرپورٹس بنائے گئے تعلیم اور صحت کو سب کے لیے عام کیا گیا پوری دنیا میں سب سے بڑی فورس چین کے پاس ہے اس وقت چین کا گورتھ ریٹ پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے آج پوری دنیا میں ہر گھر ہر محلہ، دکان، اسپتالوں، کارخانے غرض ہر جگہ " میڈان چائنا" چھایا ہوا ہے چین آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک ہونے کے باوجود بہبود آبادی کے مسائل کا شکار نہیں ہوا ایک بڑی آبادی والا ملک ہونے کے ناتے سب سے بڑی افرادی قوت چین کے پاس ہے جو تقریبا پچاس کروڑ کے لگ بھگ ہے یورپ اس وقت چین کی مصنوعات کا سب سے بڑا خریدار ہے اس کے بعد امریکہ کا نمبر آتا ہے چین نے یہ مقام اپنی محنت اور ایمانداری سے حاصل کیا چینی لوگ اپنی کہاوتوں اور محاوروں کے لیے بھی خاصے مشہور رہیں ان کی کہاوت ہے کہ اگر ایک سال کی منصوبہ بندی کرنی ہے تو مکئی لگاؤ اگر دس سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہو تو درخت لگاؤ اور اگر صدیوں کی منصوبہ

بندی کرنا چاہتے ہو تو اپنے عوام کی تربیت کرو انھیں بہترین تعلیم دو۔

اساتذہ عمارت سازوں کی ایک قسم

کیا ہم تصور کر سکتے ہیں کہ یہ وہ وسیع سرزمین ہے جو آج سے پانچ ہزار سال قبل علم وادب کا گھوارہ ہوا کرتی تھی مارگلہ سے سوات کی پہاڑیوں تک یہاں ایک ایسی قوم آباد تھی جو تہذیب و تمدن میں اپنی مثال آپ تھی جس کو تاریخ میں ساری دنیاٹیکسلا، بدھا اور گندھارا کے نام سے جانتی ہیں یہاں عظیم الشان درس گاہ تھی دنیا کے بہترین دانشور، فلاسفر عالم و فاضل اساتذہ یہاں تعلیم دیا کرتے تھے نایاب اور قیمتی کتابوں کے نسخے موجود تھے ہر سال دس ہزار سے زیادہ طالب علم، علم کی پیاس اس بجھانے اس درس گاہ میں آتے تھے اس درس گاہ کے عالم و فاضل اساتذہ دنیا کے ہر علم کو سائنس کی حیثیت سے پڑھایا کرتے تھے داخلے کے لیے باقاعدہ ایک عملی ٹیسٹ سے گزر کر اس عظیم ادارے میں داخل ہو سکتے تھے اس درس گاہ میں داخلے کے لیے اٹلی، عرب، چین، بابل اور ہندوستان سے لوگ آتے تھے۔بڑے بڑے امراؤ روساء اور بادشاہ اپنے بچوں کو یہاں علم کی دولت حاصل کرنے کے لیے بھیجتے تھے اسی درس گاہ کے عظیم اساتذہ نے آریو ویدک طریقہ علاج کے بانی، فن سیاست و سفارت کاری کی شاہکار کتاب " ارتھ شاستر" کے منصنف کوٹلیہ اور یونانی سنسکرت کے بانی جیسے لوگوں کو علم کی روشنی عطا کی ۔آج اسی جگہ وہ شہر اقتدار ہے جہا ں

ہمارے اکثر انگھوٹھا چھاپ امرائ، وزراء کے دولت کدے ہیں جو ہماری قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں جو علم کو مذاق اور اساتذہ کو ملازم سے زیادہ کوئی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں اور بھاری معاوضے دے کر اسکول اور ٹیچرز کو گویا اپنا زرخرید غلام سمجھ لیتے ہیں۔

اساتذہ عمارت سازوں کی ایک قسم ہیں جو کسی بھی معاشرے میں نئی نسل کو مستقبل میں ملک کا بہترین شہری بنانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ علم وفنون کی تعلیم سے لے کر آداب زندگی اور طرز عمل سکھاتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ والد تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ والد ہوتا ہے جس کے خون سے انسان پیدا ہوتا ہے ایک والد وہ ہوتا ہے جو اپنی بیٹی دے کر بیٹا بناتا ہے ایک والد وہ ہے جو اپنے علم کی روشنی سے انسان کی صلا حیتوں کو اجاگر کرکے اس کے دل دماغ کو روشن کرتا ہے اور دولت علم سے اسے مالامال کر دیتا ہے اس لیے استاد روحانی والدین کا درجہ رکھتے ہیں شاگردان کی روحا نی اولاد ہوتے ہیں شاگرد اپنے استاد کا جتنا بھی احترام کریں کم ہے کیونکہ استاد کے احترام کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔سرور کائنات حضور ﷺ نے خوشامد کو سخت ناپسند فرمایا ہے مگر حصول علم کی خاطر استاد کی خوشامد کو بھی روا رکھا جا سکتا ہے گویا استاد کا احترام خوشامد کی حد تک بھی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے مذہب میں علم کی بہت اہمیت ہے اسے مومن کی معراج کہا گیا ہے علم کے حصول کے

لیے فرمایا گیا کہ علم حاصل کرو خواہ اسکے لیے تمھیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ حصول علم کی خاطر گھر سے نکلنے کو جہاد جیسے عظیم مرتبے کے برابر قرار دیا گیا یہ علم ہی جس کی بدولت انسان، حیوان سے انسان کی صف میں کھڑا کیا گیا اور یہ علم و عرفان انسان تک کون پہنچاتا ہے یقینا! استاد ہی انسان کو علم و آگہی کی منزلوں تک پہنچانے کا سبب بنتا ہے اگر ایسے میں اساتذہ ہی نظر انداز کئے جائیں گے ان کی فلاح و بہبود، مالی مشکلات کو سنجیدگی حل کرنے کی جانب توجہ نہیں دی جائے گی تو وہ کیسے اپنا کام مکمل یک سوئی سے کر سکیں گے جب وہ مالی الجھنوں سے آزاد ہوں گے تو ہی وہ یک سوئی کے ساتھ بچوں کو پڑھا سکیں گے۔

لیکن! ابد قسمتی سے ہمارے ملک میں تعلیم کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ اس سال ہماری حکومت نے تعلیمی بجٹ میں صومالیہ جیسے انتہائی پسماندہ ملک سے بھی کم بجٹ تعلیم کی مد میں رکھا ہے نئے اسکول کھولنے اور اساتذہ کی تقرری کے بارے میں اختیارات کرپشن اور غفلت کا شکار ہیں پرائمری سطح پر استاد اور طالب علم کی شرح کے حوالے سے یونیسکو کی مرتب کردہ 175 ممالک کی فہرست کے مطابق کم اساتذہ کے حوالے سے پاکستان کا نمبر 23 واں ہے اس فہرست میں پاکستان سے کم تر صرف غریب پسماندہ افریقی ممالک ہیں جب کہ 121 ممالک میں سیکنڈری سطح کی تعلیم کے لیے طالب علم استاد کی شرح کے حوالے سے پاکستان

104 ویں نمبر ہے وزرات تعلیم ہائر ایجو کیشن کمیشن اور پلاننگ ڈویژن کے اعدادو شمار کے مطابق گزشتہ ایک دھائی (2000۔2011) کے دوران تمام سطحوں پر طالب علموں کی تعداد 2 کروڑ 5 لاکھ 24 ہزار 144 سے 446 فی صد سے بڑھ کر 19 لاکھ 53 ہزار 402 سے 48 فی صد بڑھ 14 لاکھ 12 ہزار 448 ہو گئی ہے اس پر مزید اس سال بجٹ کٹوتی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حکومت کی توجہ تعلیم شعبے کی جانب کہیں کم ہے یہی وجہ ہے اساتذہ کی مالی وسماجی حالت بہت خراب ہے خاص کر سیلاب کی تباہ کاریوں نے اسکولوں کو بھی بہت نقصان پہنچایا ہے پہلے ہی سرکاری اسکولوں کی حالت زار سخت مخدوش تھی فرنیچر نہ ہونے کے برابر ہے بعض علاقوں میں تو سرے سے اسکول کی عمارت ہی نہیں قوم کے معمار کھلے آسمان تلے زمین پر بیٹھ کر پڑھنے پر مجبور ہیں کسی بھی قوم کی ترقی میں تعلیم کو اولین حیثیت حاصل ہے اگر ہمارے ملک کو ترقی یافتہ ممالک کے صف میں شامل ہونا ہے تو حکومت کو اس بارے میں کی جانے والی زیادتی و لاپروائی پر توجہ دینی ہو گی تعلیم کے لیے مزید فنڈز کا اضافہ کرنا ہوگا آج جب پوری دنیا سمیت پاکستان میں بھی یوم اساتذہ منایا جارہا ہے تو یہ دن پوری قوم کو سوچنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم کس طرح ایمانداری اور خلوص نیت سے علم کے نور سے اپنے ملک کا مستقبل روشن کر سکتے ہیں ۔۔

دنیا میں خوراک کا بحران

جس تناسب سے پاکستان میں ملکی و غیر ملکی فوڈز چین، ہوٹلز، اور ڈھابوں کی بھرمار ہو رہی ہے وہ دکانیں جہاں کبھی کتابوں کے خریدار آتے تھے وہاں اب اب انواع واقسام کے کھانوں کا روبار عروج پر ہے عوام میں اس وقت سب سے منافع بخش کا روبار اسے ہی تسلیم کیا جاتا ہے عوام کی بھوک کا ندازہ فوڈ چینلز کی بھرمار ان پر دکھا ئے جانے والے گراں قدر کھانے کی تراکیب جسے دیکھ کر عوام کی بھوک میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اسی موضوع سے ملتا ہوا ایک ایس ایم ایس بھی پڑھ لیجیے اگر آپ کو قیامت کا منظر دیکھنا ہو تو شادی ہالوں میں کھانا کھلنے کے منظر پر نظر ڈال لیجئے کھانا کھلنے کی دیر ہوتی ہے تمام ادب و آداب کو بالائے طاق رکھ کوئی کسی کو نہیں پہنچانتا مائیں بچوں کو بھول کر کھانا لینے دوڑتی ہیں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے ایسا لگتا ہے کہ آخری کھانا ہو اس کے بعد پھر کبھی نصیب نہ ہو گا یہ مناظر ہماری قومی مزاج کی پہچان ہے کہ ہم ایک ناشستہ اور بھوکی قوم ہیں ہم اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کھانے کے بعد ہم جس طرح بہت سارا کھانا اپنی پلیٹوں میں ضائع کرتے ہیں اس سے لگتا ہے کہ ہم کوئی بہت امیر کبیر ،آسودہ حال ملک کے شہری ہیں بد قسمتی سے یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسری جانب ہمیں

گھنٹوں دھوپ میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑے بوڑھے مرد وخواتین نظر آتے ہیں جو چند مٹھی بھر راشن کے لیے ذلت اٹھاتے ہیں انتظامیہ اور پولیس کی دھتکار اور ڈنڈوں کو برداشت کرتے ہیں کئی ایک اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھوتے ہیں پورے سال ملک میں کبھی آٹا، چینی یا پیاز وغیرہ کی قلت کا عوام شکار رہتے ہیں مگر ہمارے حکمراں لمبے لمبے خوشحالی کے دعوے کرتے تو نظر آتے ہیں لیکن وہ حالات کی سنگینی پر سنجیدہ نہیں شاہد اس لیے بھی کہ ان کے محلوں کو بھوک نامی بلا سے کوئی واسطہ نہیں پڑا، یا پھر انھیں تاریخ سے سبق لینا نہیں آتا جب 1789ء فرانس میں آٹا بازار سے غائب ہوگیا عوام بھوک اور غربت کے ہاتھوں تنگ آکر شاہی محل کے سامنے بھوک بھوک کی صدا لگا رہے تھے یہ نعرے ملکہ اینٹونیٹ کو سخت برے لگ رہے تھے اس نے کہا "کہ اگر تم لوگوں کو روٹی نہیں ملتی تو تم کیک کھالو" جواب میں روٹی کا نعرہ لگانے والوں میں بغاوت کی چنگاری بھڑکی وہ اپنے گھروں سے نکلے انھوں نے بیٹاکل جیل کا رخ کیا اور ان تمام لوگوں کو رہائی دلائی جو بے گناہی کا سزا بھگت رہے تھے اس کے بعد پورے فرانس میں ان تمام کسانوں، مزدوروں اور بے روزگاروں کو جو آسودہ حال نظر آیا انھوں نے اسکا سر تن سے جدا کر دیا ملکہ اینٹونے کو پھانسی دے دی گئی یہ بھی محض اتفاق ہے کہ ملکہ کو پھانسی بھی 16 اکتوبر کے دن دی گئی سارا شاہی خاندان مارا گیا، جاگیردار، امراء اور پادری مارے گئے اس دور میں حالت یہ ہو گئی کہ فرانس میں جو شخص خو بصورت

اور صحت مند نظر آتا اسکے بال لمبے، ہاتھ خوبصورت نظر آتے عوام اسے قتل کر دیتے تمام پولیس اور فوج بھی مل کر اپنے حکمرانوں کو نہ بچا سکی آج بھی پوری دنیا اس وقت جس معاشی اور مالی بحران سے دوچار ہے اس میں غریبوں کی حالت سب سے بدتر ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ مزید ابتر ہوتی جا رہی ہے۔۔

پوری دنیا میں 16 اکتوبر 1945ء کو عالمی ادارہ فوڈ اینڈ ایگری کلچر آرگنائزیشن (فاؤ) کا دن مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا اس کی کوشش ہوتی ہے کہ دنیا میں پھیلے ہوئے بھوک کے اژدھے سے مقابلہ کرے 16 اکتوبر کو عالمی یوم خوراک منانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ پیٹ بھرے لوگوں کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ اپنی اس خوش نصیبی میں دوسروں کو برابر کا شریک سمجھیں جنھیں اس کی توفیق نہیں ہوتی وہ اس کا احساس ضرور کریں۔ ہر سال ڈیڑھ سو ممالک میں منائے جانے والے اس دن دنیا بھر میں اقوام متحدہ کی تنظیمیں، یونیورسٹیوں، کانفرسوں اور ورکشاپوں میں خوراک کی پیداوار، تقسیم اور حفاظت کے بارے میں خصوصی اقدامات پر غور کرتی ہیں اس سال عالمی ادارہ خوراک کا دن دنیا بھر میں غذائی اجناس کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے حوالے سے منایا جا رہا ہے جس میں اس سال کا موضوع ہے "خوراک کی قیمتوں میں بحران سے استحکام" دنیا کے غریب ترین ممالک کے لوگوں کے بارے میں اندازہ لگایا

گیا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا اسی فی صد حصہ اپنے کھانے پر خرچ کرتے ہیں غذائی قیمتوں میں اضافے سے مزید غربت میں اضافہ ہوا ہے جب کہ دوسری جانب فاؤ کا شکوہ ہے امریکہ سمیت تمام امیر ممالک عالمی ادارہ خوراک کو وعدہ کے مطابق مالی امداد فراہم نہیں کر رہے سال بہ سال اس کی کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے 1980 میں یہ رقم نو ارب ڈالر تھی جو ایک دھائی کے بعد پانچ ارب ڈالر تک پہنچ گئی افریقی ممالک جو خانہ جنگی، ایڈز اور ٹی بی کے عذاب میں مبتلا ہیں وہاں بھوکوں کی تعداد میں اضافہ تشویش ناک امر ہے فاؤ کانفرس میں عہد کیا گیا تھا کہ 2015ء تک دنیا سے بھوک اور غربت میں کمی کی جائے گی مگر افسوس اس پر عمل درآمد نہ ہو سکا اب سے دو سال قبل غربت کی نچلی ترین سطح پر گزر بسر کرنے والوں کی جو تعداد ایک ارب تھی اب دو ارب پر پہنچ چکی ہے۔

پاکستان میں بنیادی ضرورتوں سے محروم پاکستانیوں کی تعداد کے بارے بے نظیر انکم سپورٹ کی انچارج فرزانہ راجہ کے مطابق 37 لاکھ سے بھی زائد ہے یہ وہ لوگ ہیں جو انتہائی حد تک کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں ہمارا ملک ایک زرعی ملک ہے جس کے پاس افرادی قوت، اچھی آب وہوا اور دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے اسکی 75 فی صد سے زائد آبادی بلواسطہ یا بلا واسطہ زراعت کے پیشے پر انحصار کرتی ہے جب کہ پورے ملک کی نصف سے زیادہ کا شتکاری پنجا

ب میں ہوتی ہے پنجاب کا شمار دنیا کے زرخیز علاقوں میں ہوتا ہے مگر ہماری غلط پا لیسیوں اور اصلاحات کی وجہ سے پورے ملک میں کاشتکاری کا تناسب کم سے کم ہوتا جا رہا ہے دوسال سے سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد جو حالات ہیں ان میں قدرتی آفات سے زیادہ غلط اصلاحات اور ہمارے پالیسی سازوں کے ناقابل حد تک بڑھے ہوئے غیر پیداواری اخراجات ہیں اس میں بیوروکریسی ، افسر شاہی اور حکومتی ارکان شامل ہیں اس بحران سے نکلنے کے لیے ایک مخلص اعلیٰ قیادت کی ضرورت ہے جو ہمیں کہیں نظر نہیں آتی افسوس کہ ہمارے معاشرے میں کس قدر تضاد ہے کہ ایک طرف اشرفیہ طبقہ دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹنے اور پیٹ بھرنے میں مگن ہے طرح طرح کے انواع واقسام کے کھانے اس کے دستر خوان پر سجتے ہیں انھیں سمجھ نہیں آتا کیا کھا ئیں کیا نہ کھائیں اور دوسری جانب وہ لوگ ہیں جنھیں ایک وقت پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہیں ۔۔۔

مادر جمہوریت رخصت ہوئیں

ایک دھائی سے زائد عرصے سے دنیا و مافیا سے بے خبر رہنے والی پاکستان کی سابق خاتون اول بیگم نصرت بھٹو دنیا سے رخصت ہو گئیں بھٹو خاندان کے پورے عہد زندگی پر منیر نیازی کا یہ شعر صادق آتا ہے کہ

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا

اس خاندان نے جمہوریت کی سربلندی کے لیے نا قابل بیاں ذہنی اور جسمانی صدمے سہے ، کوئی پھانسی چڑھا تو کسی نے سینے پر گولیاں کھائیں ان کے ساتھی اور عقدیت مند انہی راہوں پر چلنے والے سر پھرے لوگ جنھوں نے جمہوریت کے لیے اپنی جوانی عقوبت خانوں میں گزاری تو کوئی جلا وطن ہوا اور کسی کی پیٹھ کوڑوں سے ادھیڑی گئی ۔پاکستانی سیاست کے اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈارموں میں ملکیت ہمیشہ غاصبوں کے ہاتھ رہی جنھوں نے اس ملک میں جمہوریت کو کبھی پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا ہمارے ملک کی سیاسی تاریخ میں پیپلز پارٹی کی جمہوری اقدار ان غاصبوں کے سینے میں پھانس بن کر چبھتے رہے لیکن ذالفقار علی بھٹو نے سچائی، جمہوریت اور سولی کا انتخاب

کیا جس کی سزا آنے والے دنوں میں ان کے خاندان کو بھی بھگتنی پڑی یہ بھی حقیقت ہے کہ جب کسی خاندان پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس کا اثر سب سے زیادہ ماں پر پڑتا ہے خاص کر ان حالات میں جب معاملہ حاکم وقت کے زیر عتاب ہو اور باپ کا سایہ بھی سر پر نہ ہو انہی حالات میں بیگم نصرت بھٹو نے اپنے فرائض و کردار بڑی بہادری سے ادا کیا۔

1929ء ایران کے شہر اصفہان میں ایک مالدار خاندان الحریری میں نصرت صبونچی پیدا ہوئیں انکا خاندان کاروبار کے سلسلے میں بمبئی منتقل ہوا والد ایک متمول ایرانی تاجر تھے جو بعد میں کراچی رہائش پذیر ہوئے نصرت صبونچی ایک شعیہ گھرانے کی دلیر لڑکی تھیں انھوں نے اس زمانے میں پاکستان آرمی کے نیشنل گارڈ میں شمولیت اختیار کی اور بعد ازاں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہوئیں نصرت صبونچی کی ملاقات ذوالفقار علی بھٹو سے کراچی میں ہوئی خاندان کے کئی لوگوں کی مخالفت کے باوجود انھوں نے 8 ستمبر 195ء میں ذوالفقار علی بھٹو سے شادی کر لی وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے شانہ بشانہ سیاسی سرگرمیوں میں ان کے ساتھ رہیں ذوالفقار علی بھٹو کے وزیر اعظم بننے کے بعد خاتون اول کہلائیں اور مختلف ممالک کے دوروں میں شریک سفر رہیں ان کے چار بچے ہوئے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ، جن میں ان کی واحد نشانی صنم بھٹو کی صورت میں زندہ ہیں۔

جولائی 1977ء میں جب جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کو بر طرف 5 کر کے مارشل لاء کا نفاذ کیا اور بھٹو صاحب کو نواب محمد احمد خان کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تو نصرت بھٹو نے عوامی جدوجہد کا آغاز کیا شوہر کی گرفتاری کے خلاف جلسے جلوسوں کا انعقاد کیا بیگم بھٹو کے عوامی جلسوں میں عوام کی بڑی تعداد میں شرکت نے جنرل ضیاء الحق کو بو کھلا دیا انھوں نے انتخابات ملتوی کرا دیے اور بیگم نصرت بھٹو نے شوہر کی پھانسی کے بعد پیپلز پارٹی کو سنبھالا، کہا جاتا ہے کہ اگر نصرت بھٹو 1977ء میں پارٹی کو یکجا نہ کرتیں تو پیپلز پارٹی کب کی بکھر چکی ہوتی پارٹی کارکنوں نے انھیں اپنا چیرمین نامزد کیا بیگم نصرت بھٹو نے پارٹی لیڈر کی بیوی کی حیثیت سے تو اپنی ذمہ داری نبھائی اور بحثیت ماں بھی انھوں نے مثالی کردار ادا کیا جب انھوں نے بے نظیر بھٹو کو اس قابل سمجھا کہ وہ پارٹی قیادت سنبھال سکیں تو پارٹی قیادت ان کے حوالے کر دی اور خود بیٹی کا دست بازو بن کر ہر قدم پر ان کی رہنمائی کی انھیں مخلصانہ مشورے دیے یہاں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ بے نظیر بھٹو کی شخصیت میں ایک کامیاب لیڈر کی خوبیاں پیدا کرنے کا سہرا بھی نصرت بھٹو کو جاتا ہے جنھوں نے بیٹی کے اندر یہ ہمت و طاقت پیدا کی کہ وہ ایک آمر سے ٹکرلے سکیں فوجی ڈکٹیٹرز کے خلاف میدان عمل میں آئیں خود نصرت بھٹو پر قذافی اسٹیڈیم میں جلسے کے دوران

لاٹھیاں برسائی گئیں جس کے زخم کبھی مندمل نہ ہو کے اس چوٹ سے ان کے اعصاب
اور یاداشت بہت متاثر ہوئے وہ عمر کے آخری حصے میں الزائمر کی مریض بن گئی تھیں۔
ان تمام مشکلات کے باوجود انھوں نے مثالی کردار ادا کیا انہی کی رہنمائی میں بے نظیر
بھٹو ملک کی پہلی خاتون وزیر اعظم بنیں لیکن دوسری مرتبہ وزیر بننے کے بعد پارٹی
قیادت کے لیے بے نظیر بھٹو اور ان کے بھائی مرتضی بھٹو میں اختلافات ہوئے ماں
نے بیٹے کا ساتھ دیا تو کچھ وقتی دوریاں پیدا ہوئیں لیکن ! اسی دوران ایک افسوس نا
ک واقعہ پیش آیا 20 ستمبر 1996ء کو انکے گھر ستر کلفٹن سے چند قدم کے فاصلے پر پو
لیس مقابلے میں میر مرتضی بھٹو کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا اپنے سامنے یہ سب دیکھنے کے
بعد وہ اس دکھ سے پھر کبھی نہ نکل سکیں، شوہر کی پھانسی، چھوٹے بیٹے کی پراسرار موت
اور پھر بڑے بیٹے کے اچانک قتل نے ان کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا وہ دنیا و مافیا سے بے
خبر ہو کر مفلوج حالت میں جی رہی تھیں وہ اپنی پیاری بیٹی بے نظیر بھٹو کی موت سے
بھی لاعلم تھیں۔ نصرت بھٹو کا خاندان اگر چاہتا تو ایک آسودہ زندگی گزار سکتا تھا کہ
انکے پاس دولت وآسائش کی کمی نہ تھی پھر شائد ان کے اپنے اتنی جلدی نہ بچھڑتے
لیکن ! ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان میں جمہوریت کے فروغ کے لیے قربانیاں دیں۔
ایک جلسے کے دوران

شوہر کے نظریے کو اپنی آواز دیتے ہوئے نصرت بھٹو نے فرمایا" بھٹو صاحب کا ایک مطمع نظر تھا کہ اپنے عوام کو شخصی آزادی دلائی جائے انھیں سماجی ، اقتصادی شکنجوں سے آزادی مل جائے انھیں آمریت کے غاصبانہ اقتدار سے نجات دلائی جائے سیاسی طور پر بھی اظہار کی آزادی ہو وہ سب انھیں فراہم کیا جائے جو آزاد ملک کے عوام کا حق ہے وہ صرف اپنے ہم وطنوں کی ترقی کے خواہاں نہ تھے بلکہ اس ترقی میں تیسری دنیا کے غریب عوام کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے" نصرت بھٹو آگے فرماتی ہیں کہ" میں چاہتی ہوں کہ بولتی چلی جاؤں اور ان کی زندگی کے گوں ناگوں رخ سامنے لاؤں " لیکن افسوس کہ پے در پے صدمات کے بعد وہ ایک دھائی سے خاموش تھیں اور موت نے انھیں تمام دکھوں اور غموں سے نجات دلادی ، جمہوریت کے جس پودے کی آبیاری میں ان کے خاندان نے صعوبتیں ، تکلیفیں برداشت کیں موت کو گلے لگایا ان کے جانے کے بعد وہ شجر مفاد پرست ٹولوں کے نرغے میں ہے اور منیر نیازی کے شعر کی صداقت کا ثبوت دے رہا کہ

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا
شہر کو برباد کرکے رکھ دیا اس نے منیر
شہر پر یہ ظلم میرے نام پر اس نے کیا

جلسے جلسوں کی بہاریں

جائیں تو جائیں کہاں؟ سمجھے گا کون یہاں درد بھرے دل کی پکار؟؟؟ جی ہاں ان پاکستانیوں کے مسائل بھری زندگی کی پکار، کہ آج کل تو پاکستان میں جلسے، جلوسوں، ریلیوں کی بہار ہے۔ سارا سارا دن ٹی وی چینلز ان جلسوں کی کوریج دکھا رہے ہیں ماہرین سے رائے لی جا رہی ہے کہ کس کی ریلی کامیاب ہے موازنہ کیا جا رہا ہے کہ کون سب سے زیادہ بلند و بانگ دعوے سے عوام کا دل جیت پایا ہے اور بے چارے عوام سوچ رہے ہیں کہ کس طرف جائیں اور کس طرف نہ جائیں۔ تمام سیاست داں اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی پارٹی کے پر کشش دعوے، آفرز کا لالچ لیے عوام کو لبھانے میں مصروف ہیں کوئی کہتا ہے ہمارا ساتھ دیں فائدے میں رہیں گے ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے جب کہ ہر بار عوام ان جماعتوں سے مایوسی ہوئی ہے، کسی پارٹی کا بیان ہے لوڈ شیڈنگ کے خاتمے کے ساتھ روزگار فری، کسی کا پیکج ہے کہ اپنے گھر (مملکت پاکستان) ہمیں برا جمان کریں اور تعلیم، صحت، مکان اور مہنگائی سے بے فکر ہو جائیں چیخ چیخ کر جلسوں میں عوام کو اپنی صفائی و دیانت میں خود قصیدہ کہہ رہے ہیں ان محب وطن لیڈروں کو قوم کا غم مارے ڈال رہا ہے جو حکومت میں ہیں وہ تو عوام کو کوئی ریلیف نہ دے سکیں اور جو اپوزیشن میں ہیں وہ بھی لوڈ شیڈنگ

کرپشن ، دہشت گردی ، مہنگائی کے خلاف ریلیاں نکال کر عوام کے سامنے مظلومیت کا ، ناٹک کر رہی ہیں ایک کے بعد ایک سیاسی جلوس جلسے نکال رہے ہیں الیکشن سے پہلے ایک نئے الیکشن کا اہتمام ہے ۔ دوسری جانب عوام کی نگاہوں میں کوئی سمت نہیں نو جوانوں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے فارغ ہو کر جب یہ نو جوان نوکریوں کی تلاش میں نکلتے ہیں تو نو ویکنسی کا بورڈ ان کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے قوم کے ان ہونہاروں کی بے بسی افسوس ناک ہے اب تو معاشرے میں ایسے المیے بھی ملیں گے کہ والدین کسی سے اپنے بچے کی اعلیٰ تعلیم پر فخریہ بات کرتے ہیں تو سامنے سے جواب آتا ہے کہ کیا ضرورت ہے تعلیم ماسوائے پیسے اور وقت کے ضیاع کے کچھ نہیں ! تین نوجوان گلوکاروں کے ایک بینڈ جس نے اپنا نام ہی "بے غیرت بریگیڈ" رکھا ہے "آلو انڈے" کے نام سے ایک گانا متعارف کرایا ہے جس میں پاکستان کی منفی سیاست میں نئی بحث کو چھیڑنے کی کوشش کی گئی ہے معاشرے میں دن بدن پھیلتی برائیوں ، محرومیوں اور مجبوریوں سے بے زار عوام کے لیے اس بینڈ نے اپنے گانے میں دل کی بھڑاس نکالی ہے اس گانے کی خاص بات یہ کہ اس موضوع پر اور بھی بینڈز نے کام کیا لیکن ان نواجونوں نے مسائل کے بارے میں دس قدم بڑھ کر آگے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے یوٹیوب پر موجود اس گانے کے آخر میں ایک پلے کارڈ دکھایا گیا ہے جس پر لکھا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مجھے گولی ماردی جائے تو اس ویڈیو

کو پسند کریں گویا یہ جملہ خود ایک نئی بحث ایک نئے راستے کو جنم دیتا ہوا نظر آتا ہے۔
سیاست اور سیاست دان سے عوامی بے زاری اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن پھر با
ت وہیں پر اٹک جاتی ہے کہ جائیں کہاں کس کا ساتھ دیں حکومت سے نالاں ہیں تو
دوسری جانب بھی تو وہی لوگ ہیں ایک چہرے پر کئی چہرے لگائے ہوئے لوگ اب یہ
مومن کیا کرئے کہ ایک بار ڈسنے کے بعد بھی ڈسوانے کو دوسرا سوراخ نظر نہیں آتا
کہاں سے لائیں ایسا لیڈر جو قوم کو قائداعظم ، مہاتیر یا طیب اردگان بن کر ان
مشکلوں سے خلاصی دلا سکیں ایسا لیڈر جو خوش نما لباسوں اور شاندار محلوں میں رہنے
کے بجائے عوام کی فکر کرئے جو حرام مال کھا کر اپنی قوم کو بھی حرام مال کھانے کی عا
دت نہ ڈالے جو اپنا علم ضلالت کے لیے ، ذہانت مکر وفریب اور سازشوں کے لیے
عقل وفکر کو شرارت کے لیے ، دولت کو ایمان خریدنے کے لیے اور حکومت کو ظلم و
جبر کے لیے کے لیے استعمال نہ کرئے۔ جو عوام کے لیے ترقی کرنے کے تمام راستوں پر
رشوت ، جھوٹ ، خوشامد اور سازش کے کانٹے نہ بچھا دے۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ایک الگ وطن تو بنالیا لیکن کوئی ایماندار بے لوث سیاسی
لیڈر ہمیں دستیاب نہ ہو سکا کسی بھی قوم کے لیے ایک سیا

سی لیڈر کی تعریف کے بارے میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ " قوم دو طبقوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک طبقہ عوام اور ایک خواص ، طبقہ عوام گرچہ کثیر تعداد میں ہوتا ہے اور قوم کی حدودی قوت اسی طبقہ پر مبنی ہوتی ہے لیکن ! سوچنے اور رہنمائی کرنے والے دماغ اس گروہ میں نہیں بنتے نہ ان کے پاس مالی قوت اور جاہ و منزلت ہوتی ہے بلکہ جو راہیں ان کے لیے بنا دی جاتی ہیں وہ ان پر چل پڑتے ہیں اور پوری قوم کو چلانے والے دراصل خواص ہوتے ہیں جن کی ہر بات پر عمل ، دماغ و دولت ، عزت اور حکومت کی طاقت رکھتی ہے قوم کی اصل طاقت ان کے عوام نہیں خواص ہوتے ہیں قوم کے بگڑنے اور بننے کا دارومدار انہی پر ہوتا ہے قوم کو طوعاً و کرہاً انہی کی پیروی کرنی پڑتی ہے جب کسی قوم کے بہترین دن آتے ہیں تو ایسے خواص پیدا ہوتے ہیں "۔شائد ہم پاکستانیوں کے ایسے بہترین دن ابھی نہیں آئے ابھی پاکستانیوں کو مزید نئے سیاسی لوگوں کے تجربے کی بھینٹ چھڑنا ہوگا ہمیں ان جلسے جلوسوں سے آگے کی منزل کا انتظار ہے اور پر امید بھی ہیں کہ جلد مشکلیں ختم ہوں گی ۔

ہار ماننا اس نے سیکھا نہیں۔۔۔

دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے لیے جینا پسند کرتے ہیں جن کی خوا
ہش ہوتی ہے کہ ان کی ساری زندگی مخلوق خدا کی خدمت اور فائدے میں بسر ہو یہ
اعزاز بھی بہت کم لوگوں کو نصیب میں آتا ہے کہ اکیلے منزل کی جانب چلیں اور پیچھے
ایک کارواں شامل سفر ہو جائے عمران خان ایک ایسے ہی محب وطن پاکستانی لیڈر ہیں
جنھوں نے صرف اپنی زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے قول و فعل سے بھی پاکستانی عوام
کے دلوں کو فتح کیا وہ کرکٹ کے میدان سے سیاست کے خار زار راستوں تک.بڑی ثا
بت قدمی سے سفر طے کر رہے ہیں وہ ایک مضبوط ارادے کے مالک ہیں ہار ماننا سیکھا
نہیں انھوں نے جو سوچا وہ کیا جو کہا اس پر عمل کیا کرکٹ سے ریٹائر منٹ سے پہلے پا
کستان کو ورلڈ کپ کا فاتح بنانے کا خواب دیکھا اور اسے شرمندہ تعبیر کیا آج جب انھوں
نے پاکستانی سیاست میں قدم رکھا تو ایک روشن ترقی یافتہ پاکستان کا خواب آنکھوں
میں بسایا ہے ایک ایسا پاکستان جہاں امن، عدل و انصاف اور ملک و قوم کی ترقی و تعمیر
کا پر عزم اعادہ ہے وہ ان سیاست دنواں میں شامل نہیں جو وزارت کو کئی ایکڑ
زمینوں، شوگر ملوں ، نئے ماڈلز کی گاڑیوں اور محل نما حویلیوں کے لالچ میں پا
رلیمینٹ میں قدم رکھتے ہیں قائد اعظم نے فرمایا تھا" کہ قوموں کی ترقی میں آدھی
جنگ اچھے

لیڈر کے انتخاب سے جیتی جا سکتی ہے یہ ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ہما
را لیڈر ایمان دار نہ ہو خلوص نیت، صداقت شعاری اور سچائی کے بغیر یہ ممکن نہیں
خوش قسمتی سے عمران خان ان تمام خوبیوں سے مالا مال ہیں۔"
1992ء میں عالمی کرکٹ سے ریٹائر منٹ کے بعد سماجی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا
آپ نے اپنی والدہ کے نام سے کینسر کا ایک بڑا اور جدید ہسپتال لاہور ٹرسٹ کے
ذریعے قائم کیا یہ انکی جانب سے اپنی والدہ کو ایک ٹریبیوٹ ہے کیوں کہ عمران خان کی
والدہ بھی اسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر بیٹے سے جدا ہوئیں شوکت خانم میموریل
ہسپتال بناء کسی حکومتی سرپرستی کے محض چندہ مہم سے قائم ہوا اسے پاکستان بھر میں یہ
اعزاز بھی حاصل ہے کہ واحد اپنی نوعیت کا بڑا جدید ہسپتال جہاں غریبوں کا مفت علاج
کیا جاتا ہے عام پاکستانی عوام کے بھروسے اور اپنے ارادوں کے بل پر ایک شاندار درسگا
ہ (نمل) کے نام سے قائم کی جو معیار کے اعتبار سے پاکستان کے بڑے سے بڑے تعلیمی
ادارے سے کم نہیں تاریخ کے مطالعے سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں بالاتر قوموں،
گروہوں اور لیڈروں کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں اہل دانش متفق ہیں کہ جو قوم علم میں
بہرہ مند ہو وہ زیادہ سرفراز ہے اگر ہم عمران خان کی تعلیمی گراف پر نظر ڈالیں تو ہماری
اکثریتی سیاسی لیڈرز ان کے مقابل میں عشر و عشیر بھی نہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم لا
ہور کیتھڈرل اسکول سے اور پھر ایچی سن کالج سے

حاصل کی اس کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے. برطانیہ چلے گئے وہاں رائل گرامر اسکول میں پڑھا اور اسکے بعد آکسفورڈ یونیورسی سے سیاسیات میں ایم اے کیا 1974ء میں آکسفورڈ یورنیورسٹی کی کرکٹ ٹیم کے کپتان بھی رہے آج بھی آپ. بریڈ فورڈ یونیورسٹی کے چانسلر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں آپکو (univers of bradford) حکومت پاکستان کی جانب سے صدارتی ایوارڈ 1992ء میں انسانی حقوق کا ایشیاء ایوارڈ اور ہلال امتیاز سے بھی نوازا گیا۔

اپریل 1996ء میں تحریک انصاف کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی 25 ان کی سیاست میں کامیابی کا آغاز بہت جلد ہو گیا ان کی اصول پرستی ، سچائی اور جدو جہد کی بناء پر پاکستان کی ایک نمایاں سیاسی حیثیت کے ساتھ تحریک انصاف نمایاں مقام بنانے میں کامیاب ہوئی خاص طور پر جب عوام تمام سیاسی پارٹیوں کو آزما چکے ہیں سیاست دانوں کے جھوٹے وعدے وعید سن سن کر سخت بیزار ہیں پاکستان اپنے قیام کے چھ عشروں کے بعد بھی سیاسی لیڈروں کی کارگزاری صفر رہی ہے مہنگائی آسمان سے با تیں کررہی ہے بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے بے روزگاری میں اضافہ کیا ہے پورا پاکستان دہشت گردوں کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا ہے ہمارے سیاست دانوں نے پاکستان کو سوائے کمزور کرنے اسے مفت کا مال سمجھ کر سوائے لوٹنے کے کچھ بھی نہیں کیا آج ہما ری پہچان ایک کشکول یافتہ بھکاری قوم کے سوا کچھ نہیں عوام ایسے کرپشن یا

فتہ حکمرانوں سے نجات کا راستہ ڈھونڈھ رہے ہیں اور تبدیلی کی خواہش رکھتے ہیں عمران خان ان محب وطن پاکستانیوں کے لیے امید کی ایک کرن ہیں۔

عمران خان نے آزاد عدلیہ اور ججز کی بحالی میں فعال کردار ادا کیا اور وکلاء تحریک کے ہم قدم رہے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا وہ مزاج کے اعتبار سے پاکستان کے دیگر سیا ست دانوں سے مختلف ہیں ممتاز کالمسٹ اور رائٹر جناب ہارون رشید ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "فاسٹ بالر ہے تھوڑا سا ضبط اس نے پیدا کر لیا ہے گالی وہ ہرگز نہ دے گا داستان وہ تراش نہیں سکتا مگر منہ پھٹ ہے نواز شریف نہیں کہ گالیاں کھا کر حریف سے مصالحت کرے اور جھک جائے دیانت دار ایسا کہ بھاڑے کے سارے ٹٹو مل کر بھی اسے بد دیانت ثابت نہیں کر سکتے سب سے بڑھ کر یہ کہ ہار ماننا اس نے سیکھا نہیں" 21 اپریل کو پشاور میں ڈرون حملے اور حکومت کی منافقانہ پالیسیوں کے خلاف ایک کامیاب دھرنا دیا جس میں کثیر تعداد میں خیبر پختونخواہ کے لوگوں نے شرکت کی ان کا کہنا تھا کہ ہم اپنی کوششیں اس وقت تک اپنی کوششیں جاری رکھیں گے جب تک حکومت اپنی منفقانہ پالیسیوں کو ختم نہیں کر دیتی عمران خان نے کراچی اور فیصل آباد میں بھی کامیاب جلسے کئے جسے عوام نے سراہا اور ابھی لاہور کے جلسے کی شاندار کامیابی اس بات کی دلیل ہے کہ تحریک انصاف کامیابی سے عوام میں اپنے لیے جگہ بنا رہی ہے عمران خان پوری

یک سوئی سے اپنے حریفوں کے مد مقابل ہیں اور آئندہ الیکشن میں قوی امید ہے کہ تحریک انصاف تیس سے چالیس سیٹیں ضرور جیتے گی اس لیے کہ وہ پاکستان کے مقبول ترین لیڈر کا اعزاز رکھتے ہیں اس ملک کے مستقبل کا فیصلہ ووٹ ڈالنے والے عوام کریں گے نہ کہ کردار کشی کرنے والے کریں گے۔۔

قربانی کی حقیقت

رسول للہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا" کہ اے خدا کے رسول ﷺ یہ قربانیاں کیا ہے " آپ ﷺ نے فرمایا" تمھارے باپ حضرت ابرہیمؑ کا طریقہ کہ اللہ کی راہ میں بلا چوں وچرا کسی حیل و حجت کے اپنا مال جان اور قیمتی سے قیمتی شئے اللہ کی راہ میں قربان کرنے عہد،، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید الاضحیٰ کی حقیقت کیا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کو علامتی طور پر اپنا کراس کو عملی طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا عہد کرلینا، ہر مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سنت ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی خوشنودی و رضا کی خاطر قربانی پیش کرنے کی کو شش کرتا ہے عید الاضحیٰ ہر سال ذوالحج کی مخصوص تاریخوں یں منائی جاتی ہے اور حج جو حضرت ابرہیمؑ اور ان کے خاندان کی زندگیوں کی آزمائش کے مختلف پہلوؤں کا اعادہ کرتا ہے اسی کا ایک حصہ قربانی کی شکل میں عید الضحیٰ کے دن منایا جاتا ہے حضرت ابرہیمؑ اور ان کے خاندان نے اپنی پوری زندگی اللہ کی رضا کے لیے وقف کر دی۔

86 سالہ برگزیدہ پیغمبر حضرت ابرہیمؑ جنھوں نے خدا کی جانب سے دی گئی

ہر آزمائش میں کامیابی کا امتحان پاس کیا ہو بھلا اللہ تعالیٰ انکی دعا کیسے رد کر سکتے تھے حضرت ابرہیم علیہ سلام جو اولاد کی نعمت سے محروم تھے آپؑ نے اولاد کے لیے پرور دگار ر عالم سے دعا کی جو منظور ہوئی اور بی بی حاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا فرشتے کی بشارت کے مطابق اس بچے کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا، یہ چونکہ آپؑ کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے آپؑ حضرت اسماعیلؑ سے بے حد محبت کرتے تھے ہر وقت انھیں ساتھ لیے پھرتے انھیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے خدا کو ان کا امتحان لینا مقصود ہوا تو حکم ہوا کہ اپنے شیر خوار بچے اور اہلیہ کو مکہ کے بیاباں صحرا میں چھوڑ دو" آپؑ کی فرشتہ صفت اہلیہ کو جب معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو انھوں نے سر اطاعت خم کیا آپؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اپنے رب سے ان کی حفاظت اور امن واطمینان کی دعا کرتے ہوئے انھیں عرب کے لق ودق صحرا میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے آکیلا چھوڑ دیا حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بی بی حاجرہؓ کی صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر دیوانہ وار سعی کو پرور دگار عالم نے ایسا قبول کیا کہ یہ بے بس خاتون اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے طفیل ایک عظیم شہر آباد ہوا اور آج اہل مکہ ان کے صدقے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی عمر مبارک جب سات سال ہوئی تو یکم ذوالحج کو حضرت

ابراہیمؑ کو خواب میں اپنی سب سے عزیز چیز قربان کرنے کا حکم ہوا مسلسل نو راتوں کو ایک ہی خواب دیکھنے پر آپؑ نے بیٹے کو جب یہ بات بتائی تو بیٹے نے کہا ابا جان آپ مجھے ہر آزمائش میں کامیاب پائیں گے آپ کو جو حکم ملا ہے کر گزرے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے لوگوں میں انبیاء کی آزامائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے پھر جو انبیاء کے لیے زیادہ قریب ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی زیادہ سخت ہوگی جس وقت بیٹے کی قربانی کا حکم آیا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی اور کوئی اولاد نہ تھی آپؑ بیٹے کو لے کر قربانی کے لیے نکلے تو شیطان نے کئی مرتبہ روکنے کی کوشش کی آخر آپ نے اسے کنکریاں مار کر بھگایا حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹایا اور قربانی کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسی لمحے حضرت جبرائیلؑ آسمان سے خوشخبری لے کر اترے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ قربانی قبول کی اور آپ ایک بڑی آزمائش سے سرخرو ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک تمام صاحب حیثیت مسلمان پر اسے قائم کر دیا گیا ایک روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں دیے گئے مینڈھے کے سینگ حجاج بن یوسف کے زمانے تک محفوظ تھے مگر جب حجاج بن یوسف کے حکم پر حضرت عبدللہ بن زبیر کو حراست میں لیے جانے کے لیے خانہ کعبہ کو مسمار کیا گیا تو اس دوران وہ بے مثل یادگار بھی ضائع ہو گئے۔

ذو الحج کے موقع پر ابراہیمی عمل میں جو قربانی دی جاتی ہے وہ دراصل جسمانی قربا 10
نی کی صورت میں اس با مقصد قربانی کے عزم کو دہرایا جاتا ہے قربانی کے وقت جب
یہ دعائیہ کلمات ادا کیے جاتے ہیں کہ " بے شک میری نماز اور میری قربانی
اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہوگا" تو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ
نے اپنے وقت کی آباد دنیا میں جو ایثار، عبادت اور اطاعت انجام دیں اسی طرح آج
تمام مسلمان اپنے خدا کی پکار پر لبیک کہنے اور اپنے اندر کی روح ایمانی کو زندہ کرنے کے
لیے تیار رہنے کا عزم لیے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ادا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کی
خوشنودی اور مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے جان و مال کی قربانی اللہ کے نزدیک سب
سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

مگر بدقسمتی سے آج قربانی کی یہ مقدس روایت بھی اسٹیٹس سمبل کے بھینٹ چڑھ گئی
ہے لوگ باگ فخریہ جانوروں کی تعداد اور قیمتیں بتا کر بلکہ جتا کر نام و نمود کے لیے قر
بانی کی رسم ادا کرتے ہیں طرح طرح کے فضول رسوم میں مشغول ہیں اپنے انفرادی
مفادات کو ترجیح دیتے ہیں محض دکھاوے کے لیے ان لوگوں کے گھروں میں گوشت
بھیجنے کا کیا فائدہ جن کے گھر قربانی ہوئی ہو، گوشت کے اصل حق دار تو وہ ہیں جو قربانی
کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اس سال وطن عزیز میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے با
عث مستحقین کی تعداد میں

اضافہ ہوا ہے بہت سے لوگ تو اب بھی خیموں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس بار قربانی کا گوشت زیادہ سے زیادہ سیلاب متاثرین میں تقسیم کیا جائے تا کہ وہ بھی ایک وقت سیر ہو کر اس نعمت خداوندی سے لطف اندوز ہو سکیں۔

آج کے دن قربانی کی سنت کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ قربانی کی اصل روح کو سمجھنے کی ضرورت ہے حج اور قربانی کا صیح مفہوم فرمانبرداری ،خلوص اور ایثار ہے اور آج کا دن ہمیں اپنے دین اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل جل کر آپس میں محبت وایثار کا درس دیتا ہے

موجودہ حالات اور اقبال کے نظریات

9 نومبر شاعر مشرق، مصور پاکستان، حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا یوم پیدائش ہے۔ علامہ اقبالؒ علم و حکمت کا ایک روشن چراغ ہیں جسے ہم برصغیر میں دانشوری کی نئی روایت کا نقطہ عروج بھی کہ سکتے ہیں دانشوری کی اس نئی روایت کا آغاز اس دور میں ہوا جب ہم عمل میں لکیر کے فقیر تھے ماضی کے اندھیروں میں بے عملی کی چادر اوڑھے گہری نیند سونا ہمارا شعار ہو گیا سر سید احمد خان نے ہمیں خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی تو ہم نے آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا لیکن خواب کی لذت ہمیں اس قدر عزیز تھی کہ ہم سوچنے کے عوض بیداری کی مشقت کیوں مول لیتے لیکن بیداری کا نقیب بھی اپنی دھن کا پکا تھا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو بیدار کرتا رہا نیند بھی تو ایسی نیند تھی کہ اس کو ٹوٹنے میں مدت درکار تھی یہ علامہ اقبالؒ کی آمد تک جا کر پوری ہوتی محسوس ہوتی ہے علامہ اقبالؒ نے اپنی قوم کی بدحالی کو دیکھا اس کے اسباب کو دریافت کرنے میں پورے انہماک سے کام لیا۔ علامہ اقبالؒ کی زندگی پر بہت سی کتابیں پڑھنے کو ملی ہیں جن کے تناظر میں مجھے اور آپ میری بات سے اتفاق کریں گے کہ وہی مسائل اور وہی حالات مسلمانوں اور بالخصوص ہم پاکستانیوں کے آج بھی قائم ودائم ہیں جو سو سال پہلے تھے آج بھی علامہ اقبالؒ کی فکر، خودی

اور رہنمائی کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ سو سال پہلے تھی ان کی زندگی میں مسلما نوں کے جو حالات زندگی تھے ان کے چند خاکے پیش خدمت ہے جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میری یہ سوچ کتنی درست ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک مسلمانوں کی زبوں حالی کی ساری وجہ مسلمانوں کا دین سے بے بہرہ ہونا ہے بے عمل ہونا سمجھا ہے اپنے مسلمان ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن اس میں عمل اور اسلامی اوصاف برائے نام ہوتے ہیں یہی صورت حال آج کے دور میں بھی نظر آتی ہے علامہ کے نزدیک یقین، عمل اور محبت تعمیر خودی کے لازمی اجزاء ہیں خودی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اللہ نے انسان کو بے شمار امکانات کے ساتھ پیدا کیا اوران امکانات میں اس کی تقدیر پوشیدہ ہوتی ہے ان امکانات کو بروئے کار لاکر وہ اپنی تقدیر بناتا ہے انھوں نے خودی کو اس کائنات کی بنیا دی حقیقت کہا ہے جس کو ہم ذہن اور شعور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاں ذہن یا شعور موجود ہے وہاں وہاں زندگی موجود ہے لیکن اس سلسلے میں یہ فرق ضرور ذہن نشین رہنا چاہیے کہ انسان خودی سے آگاہ اور حیوان اس سے محروم ہوتا ہے اس لیے علامہ فرماتے ہیں کہ جب انسان اس حقیقت کو فراموش کر ڈالتا ہے تو کائنات کی اشیاء اس کی حاکم بن جاتی ہے اور ان کے حصول کے لیے خود کو گنو انے پر مجبور ہو جاتا اور بھول جاتا

ہے کہ یہ سب اس کی عظمتوں کے آگے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی علامہ اقبالؒ نے خودی کے لیے زندگی اور حیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی کچھ آج کے دور میں بھی ہو رہا ہے کہ ہم اپنی قومی وقار کو ختم کرکے دوسروں کے آگے بھیک مانگنے پر تلے ہوئے ہیں جب کہ ہمارا ملک وسائل سے مالا مال ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اجماع اور اجتہاد پر بھی بہت زور دیا ہے انکے نزدیک علمائ، سیاسی رہنما، قانونی ماہرین کے علاوہ مختلف علوم وفنون اور شعبہ ہائے زندگی کے افراد جمع ہو کر اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں مگر قیام پاکستان کے بعد جس طرح جمہوریت کی مٹی پلیت ہوئی ہے اور اراکین اسمبلی جس طرح جاہ طلبی، خود غرضی اور خرد بازاری میں مبتلا رہے ہیں اس کی مثال پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی ہمارے حکمران خواہ منتخب ہو کر آئیں یا غضب کے راستے سے آئیں انھوں نے لوٹ کھسوٹ اور فضول خرچی کے نئے ریکارڈ بنائے ہیں سرکاری وسائل بڑے پیمانے پر ہڑپ یا ضائع کئے جاتے ہیں علامہ اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو ہماری قانون ساز اسمبلیوں کی ایسی افسوس ناک کارکردگی دیکھ کر سخت مایوس ہوتے کیونکہ موجودہ حالت میں پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ بدعنوانی اور کرپشن ہے جو ہر سطح پر موجود ہے آج پاکستان کا شمار دنیا کی کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے زندگی کی حقیقت اسکے معنی اور سیاسی حالت پر نظر ڈالنے کے بعد علامہ اقبا

ل مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلمانوں کا لہو

مست تو ہے کہ تیرا دل نہیں دانا راز

جاگیر دارنہ نظام حکومت کی سختی سے مخالفت اقبالؒ کے فکر میں نظر آتی ہے ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی نوعیت اور حقیقت یہ نہیں کہ لوگ بے رحم اور سفاک ہو گئے ہیں اور قتل و غارت گری ان کی فطرت کا تقاضا بن گئی ہے بلکہ اس کے پس پردہ جاگیر دارانہ نظام اور مراعات یافتہ طبقے کے اپنے مفادات ہیں جن کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ طبقہ خود ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کا لازمی نتیجہ تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ طبقہ خود ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن کا لازمی نتیجہ تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اقبالؒ انسان کی انسان پر حکمرانی کو کسی صورت بھی جائز قرار نہیں دیا اپنی نظم "طلوع اسلام" میں کہتے ہیں۔

ابھی تک آدمی پہ زبوں شہریاری ہے

قیامت ہے کہ انسانی نوع انسان کا شکاری ہے

علامہ اقبالؒ مغرب نظام کی فریب کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

اہل مغرب خواہ کتنے ہی بڑے بڑے دعوے کیوں نہ کرے لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ طاقت ہی کا ناروا کھیل کھیلنے میں مصروف ہے آج کے تناظر میں اقبال ہوتے تو کیا کرتے یہ ایک الگ بحث ہے مگر واضح بات یہ ہے کہ فکر اقبال زندہ اور مستحکم شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اسلامی بصیرت پر مبنی فکر اقبال ہماری بہترین رہنمائی کر سکتا ہے کیونکہ سو سال پہلے مسلمانوں کو کامیابی کے لیے جو نسخہ اقبالؒ دے گئے تھے ہم آج بھی انہی مسائل میں گھری ہوئی قوم ہیں اور ہماری نجات علامہ اقبالؒ کے افکار میں پنہاں ہے۔

یوم برداشت

یہ اتوار کی خوبصورت صبح تھی کرکٹ کا میچ شروع ہونے والا تھا ٹیموں نے آپس میں ٹاس کے زریعہ بیٹنگ اور بالنگ کا فیصلہ بھی ہوچکا تھا یہ کراچی کے نشترپارک کا واقعہ ہے جہاں ہر اتوار کو کرکٹ سے دلچسپی رکھنے والے چھٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نوجوان میدان میں جمع ہو کر کھیلنے کا شوق پورا کرتے ہیں. لیکن کھیل شروع ہونے سے پہلے پچ کے بارے میں بحث چھڑ گئی اور تھوڑی دیر میں یہ بحث لڑائی میں تبدیل ہو گئی ایک نوجوان نے عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پستول نکال کر فائرنگ کر دی، تھوڑی دیر میں دو افراد جاں بحق اور تین زخمی ہوگئے وہ میدان جس میں زندگی سے بھرپور نئی نسل ایک صحت مند تفریح کے لئے مخصوص تھا لمحہ بار میں غصہ اور عدم برداشت کی وجہ سے میدان حشر میں تبدیل ہوگیا۔

یہ ھمارے معاشرے کی عدم برداشت کی ایک مثال ہے اسی طرح کچھ دن پہلے ایک محلہ میں آپس کی لڑائی میں بھینٹ چڑھنے والی 5 سالہ لائبہ تھی۔بڑوں کے دلوں میں پلنے والی نفرت سے بے خبر دشمن کے دروازے پر کھیل رہی تھی انتقام کی آگ بجھانے کے لئے ظالم نے باپ کا بدلہ بچی سے لیا اور حلیم کی پکتی ہوئی دیگ میں اسے پھینک دیا۔

اس لڑائی میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا محض ایک ظالم کی نفرت، غصہ، عدم برداشت کی بھینٹ چڑھ گئی۔

اس قسم کی زندہ مثالیں ہر وقت ہر جگہ ہمیں اپنے معاشرے میں بکھری ہوئی ملیں گی ھمارے اندر قوت برداشت کی کس قدر کمی ہو گئی ہے ہم کتنے جلدی آپے سے باہر ہو جاتے ہیں ہم اپنے ہی ملک کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے اپنی فرسٹریشن میں ہم بینکوں کو جلانے، گاڑیوں اور پٹرول پمپوں کو نقصان پہنچانے حتیٰ کہ اپنے ہی بے گناہ بھائیوں کو بھی نقصان پہنچانے سے نہیں چوکتے ہم لوگ اتنے بے رحم اور سفاک ہوگئے ہیں عدم برداشت کی زندہ اور بے مثل قوم بن گئے ہیں.

ہمیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے جبکہ ہمارے مذہب میں بھی اس کی سخت ممانعت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصّہ ایمان کو ایسے خراب کرتا ہے جیسے ایلوا شہد کو۔ معاف کر دینے سے بڑی کوئی فضیلت نہیں حق تعالیٰ نے بھی انکی تعریف فرمائی ہے جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں۔ غصہ آگ ہے جب دل میں لگے تو اسکا دھواں دماغ میں گھس جاتا ہے اور عقل و فکر کی جگہ کو تاریک کر دیتا ہے اسی طرح جس طرح کسی غار میں دھواں بھر جائے تو پھر ایسی تاریکی پیدا کر

دیتا ہے کہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین باتوں پر میں قسم کھا سکتا ہوں، اول صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا تم صدقہ دیا کرو، دوئم کہ جو شخص سوال اور گدائی کا کاسا دوسروں کے آگے پھیلاتا ہے وہ پھر سدا کا محتاج ہی رہتا ہے، اور سوئم جو شخص کسی کا قصور معاف کرتا ہے تو قیامت کے دن حق تعالٰی معاف کرنے والے کی عزت میں زیادتی فرمائے گا۔ اسلئے کہتے ہیں کہ جب غصہ آئے تو برداشت سے کام لیا جائے کہ جس کام میں نرمی کا دخل ہو وہ کام بن جاتا ہے اور جس کام میں نرمی منقطع ہو جائے تو وہ بگڑ جاتا ہے۔ ہمارے مذہب میں بھی عفو درگزر اور معاف کردینے کی بڑی فضیلت ہے مگر بدقسمتی سے جب ہم مسلم معاشرے اور مغربی معاشرے کا موازنہ کریں تو ہمیں وہاں جو نظم وضبط اور اخلاقی قدریں نظر آتی ہیں ہمارے معاشرے میں وہ ناپید ہیں کسی فورم پر احتجاج کرنا ہو تو وہاں پرآمن مارچ ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی املاک کو نقصان نہیں پہنچاتا، پٹرول پمپ اور بینکوں کے آگے کوئی ٹینٹ نہیں لگانے پڑتے۔

مسلمانوں کو دہشت کی علامت کیوں بنا دیا گیا ہے ہم کیوں ہر بات پر اسقدر جذباتی فیصلے کرنے لگتے ہیں 16 نومبر کو پوری دنیا میں برداشت کا عالمی دن منایا گیا مگر ہمارے ،مذہب میں تو ہر دن ہر گھڑی ہر لمحہ درگزر، صلہ رحمی

امن و آشتی کا درس دیا جاتا ہے سلام کرنا ہمارے معاشرے میں کسی دوسرے سے ملنے کی پہلی دعا کا آغاز ہے جو کسی بھی مذہب میں اسلام کو ممتاز رکھتا ہے بحیثیت مسلمان مایوسی کفر ہے اسلئے ہر منفی مایوس پہلو میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی روشن اور مثبت پہلو ضرور موجود ہوتا ہے۔

کبھی آپ نے سوچا کے ہم غصہ کا جواب صرف اسی کو دیتے ہیں جس پر ہمارا بس چلتا ہو کبھی آپ نے کسی ماتحت کو اپنے افسر پر غصہ اتارتے دیکھا یا کسی طالب علم نے اپنے اُستاد پر غصہ اتارا، نہیں، اس وقت بدلہ لینے والا، یہ پہلوان غصہ کہاں چلا جاتا ہے یقینا ہم اسے برداشت کر لیتے ہیں تو پھر ہم بے بس لوگوں پر ہی اپنا غصہ کیوں اتارتے ہیں یہ ہمارے لئے یقینن سوچنے کا مقام ہے ہمیں اپنے رویہ میں تبدیلی کی ضرورت ہی تاکہ ہماری نئی نسل ایک صحت مند تفریح کے لئے میدان میں جائے تو عدم برداشت کی بنا پر نگاہ عبرت نہ بنے، جہاں ننھی معصوم لائبہ جیسے بچے بے فکر اور آزاد ہو کر زندگی سے لطف اندوز ہو سکے۔

رحمان بابا نے کیا خوب کہا ہے:

"

پھولوں کے بیج بو کر ہی تم
اپنے ارد گرد باغیچہ لگا سکتے ہو،

کانٹے نہ بونا کہ یہ
تمہارے تلووں میں چبھیں گیں
تم دوسروں پر تیر اندازی کروگے
تو یاد رکھو کہ یہ تیر
پلٹ کر تمھیں چھیدنے آئیں گے،
دوسروں کے راستے میں گھڑا نہ کھودو
مبادا تم اس گھڑے کے کنارے آ پہنچو۔

عورتوں پر تشدد آخر کب تک ؟

کہتے ہیں وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ! موجودہ دور میں اس تصویر میں مزید خوبصورت رنگ بھرنے کے لیے بیوٹی پارلر موجود ہیں ایسے ہی ایک بیوٹی پارلر کی بات میں یہاں کرنا چاہوں گی بلکہ اسے قابل ستائش بھی کہوں گی اس پارلر کی خاص بات یہ ہے کہ وہاں کی ماہر حسن وہ لڑکیاں ہیں جن کے چہرے بھیانک انداز میں جلے ہوئے ہیں جنھیں معاشرے کے انا پرست بیمار ذہنیت مردوں نے اپنی بدلے کی بھینٹ چڑھا دیا تھا تیزاب اور جلائے جانے والی ان لڑکیوں کا کوئی پرسان حال نہیں وہ اپنے جلے ہوئے چہروں کے ساتھ زندگی کو کس طرح انجوائے کر سکتی ہیں کہ نہ کوئی ذریعہ معاش ہے نہ کوئی پناہ ! بیوٹی پارلر کی اونر مسرت مصباح نے اس نیک کام کا بیڑہ اٹھایا وہ قابل تعریف ہیں کہ معاشرے کی ستائی ہوئی ان بے سہارا لڑکیوں کے روزگار اور علاج کا انتظام کرتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں خواتین پر تشدد اور تیزاب پھینکنے کے واقعات عام ہوتے جارہے ہیں افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے کوئی سخت اقدامات نظر نہیں آتے۔ پاکستان میں 2009ء کی نسبت 2010ء میں خواتین پر جبر تشدد کے واقعات میں زیادہ اضافہ ہوا ہے یہ بھی بد قسمتی ہے کہ جو لڑکیاں اس ظلم کا شکار ہوئیں ان میں اکثریت کے کیس رجسٹرڈ ہی

نہیں کیے جاتے کہیں بدنامی کے خوف سے تو کہیں اس ڈر سے کہ خوامخواہ کی دشمنی ہو گی ملزم کو سزا نہیں ملتی وہ عدالت کے کٹھہرے سے با عزت بری ہو کر واپس آ جاتا ہے ایسی بہت ہی کم مثالیں ہیں جو ملزم نے اپنے کیے کی سزا بھگتی ہو۔

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ایک ایسا ادارہ ہے جو حقوق انسانی سے محروم سماج میں محروم طبقے کے لیے انصاف کی آواز اٹھاتی ہے۔ جو مذہب رنگ نسل، زباں اور علاقے کی تفریق کئے بناء سب کے حقوق کی بات کرتی ہے یہ ادارہ 80ء کی دھائی میں قائم ہوا۔اور 1990ء میں اس ادارے نے پاکستان میں اپنی سالانہ رپوٹوں کا دائرہ کار شروع کیا پاکستان میں انسانی حقوق خصوصا خواتین پر تشدد کے واقعات پر یہ رپوٹیں کم صفحات پر مشتمل تھیں پھر ان میں اضافہ ہوتا گیا ان رپوٹوں میں عمر بھر کے لیے معذور کئے جانے، جنسی تشدد، اغواء و زنا، خودکشی، چولھا پھٹنے اور تیزاب سے جلائے جانے کی دلخراش داستانیں شامل ہیں جس قدر بھیانک احوال اس ضیخم رپوٹ کا ہے دل دہلا دینے کے لیے کافی ہے۔یہ ہمارے مسلم معاشرے کی بے حسی اور سنگ دلی کا منہ بولتا ثبوت ہے مسلم معاشرے میں یہ سب وہ لوگ کرتے ہیں جنھوں نے اسلام کا کلمہ پڑھا ہے لیکن حجتہ وداع کے پیارے خطیب ﷺ کی بات بھول گئے جنھوں نے فرمایا "لوگوں عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو وہ تمھارے پا

س خدا کی امانت ہیں پس تم ان سے نیک سلوک کرو تمھارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے"۔ عورتوں کو تعلیم کا حق دیا گیا لیکن شمالی علاقوں مین شدت پسندوں کے ہاتھوں لڑکیوں کے تعلیم اداروں کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تحس نہس کیا جا رہا ہے ایسا لگتا ہے ہم قبل اسلام کے زمانے میں داخل ہو گئے ہیں جب عورت دنیا میں باعث شرم وذلت اورگناہ سمجھی جاتی تھی ھندومذہب میں ویدوں کی تعلیم کا ادروازہ عورتوں کے لیے بند تھا وہ داسی کہلاتی پتی ورتا اس کا دھرم تھا شوہر اس کا معبود اور دیوتا تھا یہودیت اور عیسائیت میں عورت گناہ کی بانی سمجھی جاتی تھی انھیں کسی مذہب ہیں کوئی مقام نہیں حاصل تھا لاطینی امریکہ اور یورپی مما لک میں خواتین کو دوسرے درجے کا شہری مانا جاتا تھا ان پر تشدد اور جبر عام سی بات تھی۔

اقوام متحدہ کے قیام نے جہاں دنیا مسائل حل کرنے میں مدد دی وہاں انسانی حقوق کی تنظیمیں ادارے قائم ہوئے اقوام متحدہ نے 25 نومبر کو خواتین پر تشدد کے خلاف عالمی دن قرار دیا اس دن کے پس منظر تین بہنوں کا المناک قتل تھا جن کا گناہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے ملک کے ایک ظالم وجابر آمر سے ٹکر لی 25 نومبر 1960ء کو ڈومینکن ری پبلک کے آمر رافیل لیونڈلیس مولینا (Refael Leanidas Molina) نے مرابیل نامی چار بہنوں کو ان کی

گستاخیوں کی سخت سزا دی ان کے خاندان کو کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی آخر 25 نومبر کو تین بہنوں کو بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا اس قتل سے پورے ملک میں غم وغصے کی آگ بڑھک اٹھی عوامی احتجاج رنگ لایا اور رافیل کو حکومت چھوڑنا پڑی ڈومیکن ری پبلک کے نمائندے نے 74 ممالک کی حمایت کے ساتھ اقوام متحدہ میں قرار داد پیش کی اس دن کو خواتین پر تشدد کے حوالے سے منانے کا اعلان ہوا ڈومینکن کے عوام نے ان بہنوں کی جدوجہد پر خراج تحسین پیش کیا انھیں "ناقابل فرموش تتلیاں" کے لقب سے یادگار بنا دیا۔ اقوام متحدہ کی رپوٹ کے مطابق دنیا بھر میں 70 سے 80 فی صد خواتین کو زندگی کے کسی مرحلے میں تشدد اور جبر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں پندرہ سے چالیس سال کی عورتوں اور لڑکیوں کے لیے زنا اور گھریلو تشدد کے واقعات میں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ دیہی اور قبائلی علاقوں میں کاروکاری کی رسم جاری ہے ایک قبیلے کا دوسرے دشمن قبیلے سے خون بہا کے بدلے لڑکی کو ونی کرنے کا رواج ہے اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھی جاتی کہ مرد کتنا بڑا ہے یا معذور ہے ایسے جرائم کو روکنے کے لیے چند روز پہلے قومی اسمبلی میں ایک قانون پاس کیا گیا ہے جس کے تحت زبردستی کی شادی پر قید اور جرمانہ کی سزائیں رکھی گئی ہیں اگر یہ قابل عمل بھی ہو تو بہت اچھا فیصلہ ہے۔ کیونکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ طاقت ور اور کمزور کے لیے الگ الگ قانون کا دہرا نظام ہے۔

دیکھا جائے تو عالمی حقوق انساں کی تنظیمیں بھی دہرا معیا اپنائے ہوئے ہیں اس کی شر مناک مثال عافیہ صدیقی کیس ہے اس عورت پر کیے گئے ظلم و ستم کے خلاف یہ تنظیمیں مجرمانہ خاموشی اپنائے ہوئے ہیں قدرت کا نظام ہے کہ نیکی اور بدی آپس میں صف آرا رہی ہیں ان سب باتوں کا روشن پہلو یہ ہے کہ خواتین کو اپنے حقوق کی پہلے سے زیادہ آگاہی ہو رہی ہے جن جرائم کی پہلے پردہ پوشی کی جاتی تھی اب کھل کر عوام کے سامنے آرہی ہیں یہ کارنامہ دلیر صحافیوں کے سر جاتا ہے مختاراں مائی کیس ہو یا نصیر آباد اور خیر پور میں پیش آنے والے ناقابل یقین واقعات ہوں ان آوازوں نے ایوان بالا کو ہلا کر رکھ دیا ہے ہر بڑا لیڈر اور صاحب اختیار ان سے نالاں نظر آتا ہے خواتین پر تشدد کے خلاف جہاں معاشرے میں درد مند دل رکھنے والے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں وہاں مسرت مصباح جیسی خواتین بھی اپنی کوششوں میں مصروف عمل ہیں کہ چھوٹی چھوٹی کوششیں ہی بڑی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں۔

سقوط ڈھاکہ چشم عبرت

16 دسمبر کے سیاہ دن میجر جنرل ناگرا ایک گولی فائر کئے بغیر ڈھاکہ میں داخل ہو گیا اس کے ساتھ مٹھی بھر بھارتی فوج اور ڈھیر ساری فاتحانہ نخوت تھی عملا یہ ڈھاکہ کا اختتام تھا اگرچہ اس کو دفن کرنے کی رسم ابھی باقی تھی ڈھاکہ یوں چپ چاپ سو گیا جیسے اچانک حرکت قلب بند ہو گئی ہو وہاں نہ کوئی ہاؤ ہو ہوئی نہ کوئی مار کٹائی ہوئی ، سنگاپور ، پیرس.برلن کے سقوط کی کوئی کہانی نہ دہرائی گئی دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹرن کمانڈ کے ہیڈ کواٹر کو سمیٹ لیا گیا دیواروں سے جنگی نقشے اتار لیے گئے ٹیلی فون کی روح قبض کر لی گئی بھارتی ماتحتوں کے لیے پرانے ہیڈ کواٹر کو جھاڑا پونچھا گیا۔ میجر جنرل جیک اپنے ساتھ ایک دستاویز لائے جسے " سقوط ڈھاکہ کی دستاویز،، کہا جاتا ہے جسے پاکستانی جنرل امیر عبد للہ نیازی جنگ بندی کا مسودہ کہنا پسند کرتے تھے تھوڑی دیر میں بھارتی کمانڈر جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے استقبال کے لیے جنرل نیازی ڈھاکہ ائیر پورٹ گئے بھارتی کمانڈر جنرل اپنی فتح کی خوشی میں اپنی شریمتی کو بھی ساتھ لایا تھا جوں ہی یہ میاں بیوی ہیلی کاپٹر سے اترے،لاکھوں بنگالی مردوں اور عورتوں نے اس نجات دہندہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا پھولوں کے ہار پہنائے شکریہ کے

جذبات سے خوش آمدید کہا جنرل نیازی نے سلوٹ کیا یہ نہایت ہی دلدوز منظر تھا فا
تح اور مفتوح ۔ وہاں سے دونوں جنرل رمنا ریس کورس گراونڈ آئے جہاں سر عام جنر
ل نیازی سے ہتیار ڈالنے کی تقریب کا نظارہ کرنے کے لیے لاکھوں بنگالی موجود تھے
چھوٹی سی میز پر بیٹھ کر جنرل نیازی نے سقوط مشرقی پاکستان پر آخری مہر ثبت کی ۔ اس
اقتباس کے خالق.بریگیڈیر صدیق سالک اس تمام سانحہ کے چشم دید گواہ ہیں ہماری نئ
نسل اور ہمارے قائدین کے لیے ان کی کتاب "میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا" چشم
عبرت سے کم نہیں اس تاریخ کے حقائق کو جاننا ان غلطیوں کی روشنی میں اپنی اصلاح
کرنا 16 دسمبر منانے کی اصل بنیاد ہے ۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک گھمبیر اور وسیع موزوں ہے جس کے کئی تاریخی ، سیاسی
اور معاشی پہلو ہیں مگر بھارت کی جارحیت اور سازش نے اہم کردار ادا کیا شروع دن
سے بھارتی سیاست دانوں اور حکمرانوں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں وہ مشرقی پا
کستان میں دبی چنگاری کو شعلے میں تبدیل کرنے کی تگ ودو میں لگے رہے ایک طرف
تو وہ بنگالیوں میں قوم پرستی کے جذبہ کو ابھار رہے تھے تو دوسری طرف انھوں نے
مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان حائل جغرافیائی فاصلے کو اپنی مفاد میں استعمال کر
نے کو ششیں بھی جاری رکھیں بظاہر 30 جنوری 1970ء کو دو کشمیری نوجوان ہندوستا
ن کا فوکر

طیارہ اغوا کرکے لاہور لائے بعد کی عدالتی تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ ہندوستان کی سا زش تھی اس نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر ہندوستان کے اوپر سے گزرنے والی پی آئی اے کی پروازیں بند کر دیں اسکا نتیجہ یہ نکلا دونوں صوبوں میں جو فاصلہ دو گھنٹے میں طے ہوتا تھا اب (براستہ سری لنکا) چھ گھنٹے لگتے تھے اغوا کی یہ اسکیم ہندوستان نے بہت پہلے تیار کی تھی مگر اس پر عمل درآمد بھٹو مجیب مذاکرات کی ناکام ہونے پر کیا اس طر ح اسے ڈھاکہ سے قریب ہونے کی وجہ سے کھلم کھلا مشرقی پاکستان میں مداخلت کی موقع ملا۔

سقوط ڈھاکہ کے اسباب واقعات میں غیروں نے تو اپنا کردار ادا کیا ہی تھا اپنوں کا کیا حصہ تھا کہاں کہاں اور کیا کچھ سازشوں کے تانے بانے بنے گئے تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں تو اصلاح احوال کی کہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی حمود الرحمان کمیشن رپو ٹ کا ایک حصہ شائع ہوگیا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے اسے بھی شائع کر دیا جائے تاکہ تمام حقائق بے نقاب ہو جائیں اور قوم کو معلوم ہو جائے کہ اصل مجرم اور سازشی کو ن تھے۔ قیام پاکستان میں مشرقی پاکستان نے اہم کردار ادا کیا 1930ء میں مسلم لیگ اسی صوبے میں قائم ہوئی جب 1940ء میں پاکستان کی قراداد منظور کرنے کے لیے ووٹ ڈالے گئے تو بنگال کے مولوی عبدالحق نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا

قیام پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کے سیاسی کرداروں نے مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے ہتک آمیز سلوک روا رکھا اسمبلیوں میں ان کے کسی مشورہ اور تجویز کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کا فیصلہ بھی اس نفرت میں اضافہ کا سبب بنا بنگالی قومیت کے جذبات کو ابھارا گیا مشرقی پاکستان کے وسائل اور آمدنی مغربی پاکستان پوری طرح استعمال کر رہا تھا اس کے احساس محرومی کا بیج آہستہ آہستہ نفرت کے تنا آور درخت میں تبدیل ہو رہا تھا پاکستان میں برابر فوجی حکومتیں طاقت کے زور پر بنگالی عوام کے حقوق غصب کرنے کی کوششیں کرتی رہیں ایسے سنہری موقع سے بھارت نے خوب فائدہ اٹھایا بنگالی عوام کو اپنی ہمدردیوں کے فریب میں جکڑ کر بنگالی بہاری فسادات کرائے گئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الحسن جو وفاقی وزیر بھی رہ چکے تھے ان کا کہنا تھا "کہ مشرقی پاکستان میں فسادات کا اصل سبب مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان وہ غلط فہمیاں ہیں جن سے نفرت پیدا کی جارہی ہے" ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اختلافات ختم کئے جاتے مگر ان سے لاپرواہی برتی گئی جنرل یحییٰ خان کی آمریت کے سائے میں 9 دسمبر 1970ء کو الیکشن کرائے گئے نتائج سامنے آئے تو مشرقی پاکستان ہیں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ نے اور مغربی پاکستان سے ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔ 3 مارچ کو قوانین کے مطابق ڈھاکہ میں اجلاس منعقد ہونا تھا

مگر پیپلز پارٹی نے بیٹھنے سے انکار کر دیا ان معاملات کو سلجھانے اور دونوں لیڈروں کو متحد کرنے کی خوبی یحییٰ خان میں نہ تھی ان کی اپنی مصروفیات اور دلچسپیاں تھیں انھیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ پاک فوج کس قدر نا مساعد حالات میں مشرقی پاکستان کو سنبھالا دیے ہوئے ہے بار بار کے ٹیلفون اور پیغامات دینے کے باوجود جنرل یحییٰ کوئی جواب نہ دیتے تھے بالاخر شیخ مجیب الرحمٰن کی شرانگیزی اور بغاوت کے باعث پاک فوج اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکی اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ زندہ قومیں ماضی کی غلط فیصلوں سے سبق سیکھ کر اپنے مستقبل کو بہتر بناتی ہیں لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے ماضی کی غلطیوں سے چشم پوشی کی حمود الرحمٰن کمیشن رپوٹ کبھی منظر عام پر نہ آ سکی 8 دسمبر 2011ء کو جسٹس جاوید اقبال نے ایبٹ آباد سانحہ کی رپوٹ منظر عام پر لانے کی سفارش کی اور سانحہ مشرقی پاکستان کی غلطی کو یاد کرکے وہ اس بات سے پر امید تھے کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے میڈیا کی آزادی نے عوام کو صیح حقائق کا ادراک دیا ہے لیکن اب بھی بہت سارے مسائل حل ہونے باقی ہیں کیونکہ آج بھی صوبے اپنے وسائل کو استعمال کے لیے وفاق کے دست نگر ہیں اب بھی ہم لسانی قومیتی فسادات کا شکار ہیں بھارت وزیرستان اور بلوچستان میں کھلی مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہے ان مسائل سے چشم پوشی نہیں

کی جاسکتی اور 16 دسمبر ہم پاکستانیوں کو چشم عبرت کی دعوت گزشتہ چالیس سال سے دے رہا ہے۔۔۔۔

قائداعظم کی زندگی کے چند واقعات

کفایت شعاری۔۔۔

محمد حنیف آزاد کو قائداعظم کی موٹر ڈرائیوری کا فخر حاصل رہا ہے ایک بار قائداعظم نے اپنے مہمانوں کی تسلی بخش خدمت کرنے کی صلے میں انہیں دوسو روپے انعام دئے چند روز بعد حنیف آزاد کو ماں کی جانب سے خط ملا جس میں انھوں نے اپنے بیٹے سے کچھ روپے کا تقاضا کیا تھا حنیف آزاد نے ساحل سمندر پر سیر کرتے ہوئے قائد سے ماں کے خط کا حوالہ دے کر والدہ کو کچھ پیسے بھیجنے کی خاطر رقم مانگی قائداعظم نے فورا پوچھا " ابھی تمھیں دوسو روپے دئے گئے تھے وہ کیا ہوئے "حنیف آزاد بولے " صاحب خرچ ہو گئے قائداعظم یہ سن کر بولے " ویل مسٹر آزاد، تھوڑا ہندو بنو "

وقت کی پابندی۔۔۔

وفات سے کچھ عرصے قبل بابائے قوم نے اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کیا یہ وہ آخری سرکاری تقریب تھی جس میں قائداعظم اپنی علالت کے باوجود شریک ہوئے وہ ٹھیک وقت پر تقریب میں تشریف لائے انہوں نے دیکھا کہ شرکاء کی اگلی نشست ابھی تک خالی ہیں انہوں نے تقریب کے منتظمین کو پروگرام شروع کرنے کا کہا اور یہ حکم بھی دیا کہ خالی نشستیں ہٹا دی جائیں حکم کی تعمیل

ہوئی اور بعد کے آنے والے شرکاء کو کھڑے ہو کر تقریب کا حال دیکھنا پڑا ان میں کئی دوسرے وزراء سرکاری افسر کے ساتھ اس وقت کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان بھی شامل تھے وہ بے حد شرمندہ تھے کہ ان کی ذرا سی غلطی قائداعظم نے برداشت نہیں کی اور ایسی سزا دی جو کبھی نہ بھولی گئی۔

رشوت ایک لعنت ہے۔۔

ایک بار قائداعظم سفر کر رہے تھے سفر کے دوران انہیں یاد آیا کہ غلطی سے ان کا ریل ٹکٹ ملازم کے پاس رہ گیا ہے اور وہ بلا ٹکٹ سفر کر رہے ہیں جب وہ اسٹیشن پر اترے تو ٹکٹ ایگزامنر سے ملے اور اس سے کہا کہ چونکہ میرا ٹکٹ ملازم کے پاس رہ گیا ہے اس لیے دوسرا ٹکٹ دے دیں ٹکٹ ایگزامنر نے کہا آپ دو روپے مجھے دے دیں اور پلیٹ فارم سے باہر چلے جائیں قائداعظم یہ سن کر طیش میں آ گئے انہوں نے کہا تم نے مجھ سے رشوت مانگ کر قانون کی خلاف ورزی اور میری توہین کی ہے بات اتنی بڑھی کہ لوگ اکھٹے ہو گئے ٹکٹ ایگزامنر نے لاکھ جان چھڑانا چاہی لیکن قائداعظم اسے پکڑ کر اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے بالاخر ان سے رشوت طلب کرنے والا قانون کے شکنجے میں آ گیا۔۔

ظرف بڑا ہونا چاہیے ۔۔۔

1943ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں ہندو اور مسلمان طلباء کے درمیان اس بات پر تنازعہ ہو گیا کہ یونیورسٹی میں کانگریس کا پرچم لہرایا جائے۔ مسلمان طلباء کا ماننا تھا کہ کانگریس کا پرچم مسلمانوں کے جذبات کا عکاس نہیں اور چونکہ الہ آباد یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کی اکثریت زیر تعلیم تھی اس لیے یہ پرچم اصولاً وہاں نہیں لہرایا جا سکتا ابھی یہ تنازعہ جاری تھا کہ اسی سال پنجاب یونیورسٹی کے مسلم طلباء کی یونین سالانہ انتخاب میں اکثریت حاصل کر گئی یونین کے طلباء کا ایک وفد قائداعظم کے پاس گیا اور درخواست کی کہ وہ پنجاب یونیوسٹی ہال پر مسلم لیگ کے پرچم لہرانے کی رسم ادا کریں قائداعظم نے طلباء کو مبارک باد دی اور کہا اگر تمھیں اکثریت مل گئی ہے تو یہ خوشی کی بات ہے لیکن طاقت حاصل کرنے کے بعد اپنے غلبے کی نمائش کرنا نازیبا حرکت ہے کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے کسی کی دل آزاری ہو ہمارا ظرف بڑا ہونا چاہیے کیا یہ مناسب بات نہیں کہ ہم خود وہی کام کریں جس پر دوسروں کو مطعون کرتے ہیں۔۔

تعمیر پاکستان میں ایک لیڈر کی ذاتی خصوصیات ہی تھیں جس نے محض چند عشروں میں ایک نئی مملکت کو دنیا کے نقشے پر لا کھڑا کیا کاش ! کہ اس لیڈر کی تھوڑی سی خوبیاں بھی ہم سب میں موجود ہوتیں تو ہم آج روح قائد سے شرمندہ نہ ہوتے۔۔

کاش ! ایسے ہوتے عوام پاکستان
سب رکھتے ایک دوسرے کا مان
ہراک ! ضمیر کی عدالت میں کرتے اپنا احتساب
کاش ! ایسے ہوتے عوام پاکستان ۔۔

قائداعظمؒ ایک باہمت پر عزم شخصیت۔۔

یہ کہانی ہے ایک ناکام معاشرے کے کامیاب آدمی کی ،ایک صاحب استقلال کی داستا
ن حیات !جو عمر بھر اپنے مقاصد سے جڑا رہا جس نے کبھی اپنی راہ کھوئی نہیں ہونے
دی وہ آدمی جس نے اپنے طے کردہ ہدف کو حاصل بھی کیا اور اس پر کبھی کسی زعم کا
شکار بھی نہ ہوا، ایک اجلا،برتر خواب آدمی کو کیا بنا دیتی ہے قدرت جب کسی کا انتخا
ب کرلیتی ہے تو وہ دوسروں جیسا نہیں رہتا قائداعظمؒ کی پوری زندگی بھی عام لوگوں
سے مختلف تھی انھوں نے اپنے اس قول کی عملی تفسیر بن کر ساری زندگی گزاری کہ
کسی کام کو کرنے سے پہلے سو بار سوچو کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا ایسا کرنا چاہیے جب
تمھارا ذہن فیصلہ دے کہ ہاں ایسا کرنا درست ہے تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا
عصم ارادہ کرلو اور دم اس وقت لو جب اسے پورا کرلو اس بات سے نہ گھبراؤ کہ را
ستے میں مشکلیں آئیں گی رکاوٹیں ہوں گی اپنی منزل کی جانب نگاہ کرکے آگے.بڑھتے
چلے جاؤ انشاءاللہ کامیابی تمھارے قدم چومے گی ہم جتنی زیادہ تکلیفیں قربانیاں
دینا سیکھیں گے اتنا ہی زیادہ پاکیزہ ،خالص اور مضبوط قوم بن کر ابھریں گے جیسے سونا
آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے ”

اس کندن جیسی شخصیت نے 25 دسمبر 1876ء نیو نھم روڈ کراچی کے ایک گھر میں آنکھ کھولی 6برس کی عمر میں مدرسہ اور پھر سندھ مدرستہ اسلام اسکول میں داخل ہو ئے جس کے دروازے پر لکھا تھا کہ 'علم حاصل کرنے کے لیے آؤ اور خدمت کے لیے جاؤ' زمانہ طالب علمی میں ان کے جوہر کھلنا شروع ہوئے چچازاد بھائی کی بیوہ فاطمہ بائی کا کہنا ہے 'کہ مجھے محمد علی کی صحت کا بڑا خیال رہتا تھا میں اکثر ان سے کہتی کہ اتنی رات نہ جاگا کریں صحت پر برا اثر پڑے گا اس پر محمد علی مسکرا کر کہتے کہ بائی میں اس لیے زیادہ پڑھتا ہوں کہ مجھ کو ایک دن بڑا آدمی بننا ہے کیا آپ پسند نہیں کرتیں کہ میں بڑا آدمی بنوں' دسویں جماعت امتیازی نمبروں سے پاس کی جس کے بعد آپ کی شادی مٹھی بائی سے ہو گئی والد کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے لیکن بیٹے کے مزید تعلیمی شوق کی خاطر انگلستان بھیجنے پر راضی ہو گئے لندن پہنچ کر لنکن اِن میں داخلہ لیا جس کے صدر دروازے پر عظیم ترین قانون سازوں کے نام درج تھے جن میں سر فہرست محمد ﷺ کا نام مبارک تھا۔لندن میں بڑی محنت سے قلیل مدت میں تعلیم حاصل کی مگر لنکن اِن کی رسم پورا کرنے کے لیے انھیں مزید دوسال وہاں رکنا پڑا آپ انگلستان بار میں شامل ہونے والوں میں سب سے کم عمر تھے قدرت نے آپ کو انگلستان میں دوران قیام لبرل مکتب خیال سے ملنے کا موقع دیا نتیجہ آپ ان کے نقطہ نظر کو بخوبی سمجھنے لگے قائدا عظمؒ 1896ء کو لندن سے قانون کی اعلیٰ ڈگری لے کر واپس

ہندوستان آئے اس دوران آپ کی شفیق والدہ اور بیوی کا انتقال ہو چکا تھا والد کی طویل علالت کے باعث علاج پر پیسہ پانی کی طرح بہایا دوسری جانب کاروبار پر بھی توجہ نہ دے سکے جس کے باعث کاروبار بھی تباہ ہوگیا گویا کراچی آتے ہی قائداعظمؒ کو گھریلو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا مگر آپ ہمت ہارنا نہ جانتے تھے کراچی کی بعض فرموں نے آپ کو کام کی پیشکش کی قائداعظم کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو اس آفر کو قبول کر لیتا مگر آپ بڑے عزائم لے کر آئے تھے سو بمبئی میں بہتر مواقع کی تلاش میں چل دیے تین سال انتہائی تنگ دستی اور عسرت میں گزارے مگر اپنے کام کو انتہائی تندہی، محنت اور جرات سے کرتے رہے وہ لوگ جنھیں دنیا میں عظیم کام کرنا ہوتے ہیں وہ مشکلات کی پرواکیے بغیر منزل مقصود کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ 1900ء میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کے انتخابات ہوئے بڑے بڑے کامیاب وکیلوں کے مقابلے میں آپ کامیاب ہوئے گرچہ یہ ملازمت تین ماہ کے لیے تھی مگر آپ کی محنت وجانفشانی کو دیکھ کر افسران بالا نے اسے مزید تین ماہ بڑھا دیا محکمہ عدلیہ کے سربراہ سر چارلس اولیونٹ نے آپکو مستقل اس عہدے کو قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن آپ نے اس سے انکار کر دیا اب آپ کے مالی حالات پہلے سے بہت بہتر تھے آپ اعلیٰ سوسائٹی میں جانے پہچانے جاتے تھے قائد کا فرمان تھا کہ ’ زندگی ہر شعبے میں کیریٹر کی بلندی ضروری چیز ہے آپ میں

احساس خودی کردار اعلیٰ کے ساتھ ساتھ یہ صنف بھی ہونا چاہیے کہ آپ دنیا میں کسی کے ہاتھ بک نہ جائیں' قائدا عظمؒ خود اس قول کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ہر بڑے آدمی کی کچھ خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں قائداعظمؒ میں ایسی بہت سی خوبیاں تھیں آپ کی خوش لباسی ضرب المثل بن چکی تھی آپ کی نشست و برخاست اور گفتار دیکھ کر ایک امریکی ڈرامہ نویس کو کہنا پڑا کہ "صد افسوس دنیائے اسٹیج نے ایک عظیم آرٹسٹ کو کھو دیا' قائدا عظمؒ وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے جس طرح وہ اپنی رائے کا اظہار نہایت بے باکی اور جرات سے کرتے تھے اسی طرح دوسروں سے بھی اس کی امید رکھتے تھے جب کوئی فیصلہ ہو جاتا تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے قائدا عظمؒ نے اپنی زندگی میں رتن بائی کو شامل کرنے کا فیصلہ کئی مخالفتوں کے باوجود کیا ١٩ اپریل 1908ء کو رتن بائی نے اسلام قبول کیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

قائدا عظمؒ کی ذاتی زندگی سے الگ آپ اپنی قوم کی محبت اور ان کی فلاح کے جذبہ سے بھی سرشار تھے دادا بھائی نوروجی کی تربیت نے قائدا عظمؒ کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ بھر دیا تھا یہاں سے ایک نئے سفر نئی منزل اور ولولے کا آغاز ہوتا ہے قائدا عظمؒ کی قیادت میں مسلمانوں کا کاروان آزادی حصول پاکستان کی جانب رواں دواں ہوا 1940ء میں قرارداد پاکستان

کامیاب ہوئی اور صرف سات سال کے قلیل عرصے میں پاکستان معرض وجود میں آگیا اسے معجزہ کہ لیں یا اس مرد مجاہد کی شب روز کی انتھک محنت کا نتیجہ دنیا کے نقشے پر ایک بڑی اسلامی ریاست بن کر ابھرا ہمارے سیاسی قائدین کے لیے انکی سیاسی زندگی کا یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ سیاست میں شرکت کے لیے آپ نے اپنی مالی حالت بہتر ہونے کا انتظار کیا حقیقت یہ ہے کہ صرف وہی شخص خلوص سے وطن کی خدمت انجام دے سکتا ہے جو قومی چندے کی فراہمی کا محتاج نہ ہو قائد کی ساری زندگی شاہد ہے کہ انھوں نے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا بانی پاکستان نے قوم کو اتحاد تنظیم اور یقین محکم کا درس دیا بابائے قوم نے اپنی قوم کے لیے تن من دھن کی قربانی دی ایسے لوگ مر کر زندہ وجاوید رہتے ہیں اور ان کی کامیابی سب کو آسودہ کر دیتی ہے۔۔۔

بلوچستان ! لفظوں کی سولی پر

چند سال بیشتر شہر کی گہما گہمی سے دور اپنی فیملی کے ہمراہ بلوچستان کے ایک فارم ہاؤس جانے کا اتفاق ہوا مگر افسوس کہ ہمارا وہ سفر انتہائی دکھ اور تکلیف بھرا ثابت ہوا۔ فارم ہاؤس کی حد تک تو زندگی بڑی سرسبز و پر بہار دکھائی دیتی تھی لیکن اس کے باہر چٹختی سنگلاخ سرزمین بلوچستان اپنی بھوک، غربت، بے چارگی اور مجبوری کی داستان سناتی ایک ایسی کہانی تھی جو بیان سے باہر ہے۔بڑوں کی تو چھوڑیے ان کی آنے والی نسل کی بات کریں تو خوشیوں سے آزاد لڑکپن کی عمر کے معصوم بچے محسوس ہوتا تھا کہ اپنی زندگی کے تمام ماہ وسال گزار چکے ان بچوں کی صحت، حلیے،ناخن، چہرے، بال ان کی زندگی کے کئی دھائیاں طے کر چکے تھے اگر یہ کہا جائے کہ یہ بچے بچپن میں بوڑھے ہو چکے تھے تو بلکل غلط نہ ہوگا انھیں زندگی کی کوئی بنیادی سہولتیں حاصل نہ تھیں وہ زندہ تو تھے لیکن زندوں سے بدتر ! وہ یقیناآگے زندگی کا سفر حیات طے کریں گے لیکن ایک بدتر زندگی ! لیکن وہ کیوں ایسی بدتر زندگی گزاریں ؟ان کا قصور کیا ہےَ؟ کیوں ڈر ڈر کر سہم سہم کر جئیں ؟ روٹی، کپڑے، پانی، صحت اور تعلیم سے محروم رہیں ان کے حصے کی تمام خوشیاں کیوں دوسرے لوٹ کر لے جائیں ہمارے تمام سیاتدان کب تک وعدے تسلی اور دلاسوں سے بلوچ عوام کو

بہلاتے رہیں گے ؟کب تک بلوچستان کو خوبصورت لفظوں کی سولی پر لٹکائے رہیں گے ؟۔

قدرت کی عطا کردہ معدنی خزانوں سے لبریز صوبہ بلوچستان آج سماجی معاشی اور سیاسی بحران کا شکار ہے بلوچستان کی داستان الم بہت پرانی ہے جس میں ٹوٹے ہوئے وعدوں کی کہانی، بلند وبانگ دعوؤں کی کہانی شامل ہے، جس کی سنگلاخ چٹانوں کے نیچے چھپے خزانوں پر تو سب نے اپنا حق سمجھا لیکن ! فرض پر کسی کا دھیان نہیں گیا۔بلوچستان جو صوبے اور رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے مگر آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا تقریبا دس فی صد ہے اس کی سرزمین کو اللہ تعالی نے قدرتی وسائل سے مالا مال کیا ہے یہاں تیل، گیس، کوئلہ، سونے چاندی، قیمتی ماربل اور دیگر دھاتوں کے وسیع ذخائر موجود ہیں لیکن ! کبھی کبھی انسان کے لیے قدرت کی دی ہوئی نعمتیں بھی زحمت بن جاتی ہیں جس طرح ماضی میں اور آج بھی تیل کی دولت جن ممالک کو حاصل ہے وہ مغربی ممالک کے سازشوں کے جال میں جکڑے ہوئے اپنے ہی لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہیں بلکل یہی حالات.برسوں سے صوبہ بلوچستان کو درپیش ہے۔قیام پاکستان کے بعد اگر درست زاویے سے اس کی منصوبہ بندی کی گئی ہوتی تو شائد اس صوبے کا ہر باشندہ خوشحال آسودہ ہوتا اور زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے آزاد ہوتا مگر اس صوبے کی بد

قسمتی دیکھیے کہ پورے پاکستان میں سب سے زیاد بھوک، غربت، تعلیم ،اور بیماری کے علاج سے محروم یہ صوبہ ہی نظر آتا ہے زندگی کی بنیادی سہولتوں کے لیے دیگر صوبوں کے دست نگر ہے ستم ظریفی یہ کہ اس کے وسائل پر پورا ملک ہی نہیں بلکہ غیر ملکوں نے بھی اپنی حریص نظریں جمائی ہوئی ہیں۔ ہمارے اقتدار ایوان میں بیٹھے ہوئے مہربان چین کی بانسری بجاتے نیرو کی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ آخر روم جل رہا تھا اور نیرو بھی تو بانسری بجانے میں مصروف تھا۔

بلوچستان کی تباہی وبربادی کی جب بات آتی ہے تو ہمیشہ سرداری نظام اوران کی اجارہ داری کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے لیکن یہ سچ ہے کہ پاکستان کے تمام حکمرانوں نے اپنے مفادات اور مراعات کے پیش نظرا سے ایک سیاسی صوبہ بنانے کے بجائے سرداری صوبہ بنانے کی کوشش کی جب بھی صوبائی حکومتیں تشکیل دی جاتیں وہاں سرداری حاکمیت رہی۔ان سرداری حاکمیت نے بلوچستان کے عوام کو اپنی حاکمیت سے آگے کوئی حق نہیں دیا۔ عوام کے تمام مسائل بے انصافی کی ندرر ہے ہمارے حکمرانوں کی اسی مجرمانہ غفلت کا نتیجہ ہے کہ بلوچستان جو ہمارا اندورونی معاملہ تھا اب بیرونی دنیا اس پر کھلے عام مداخلت پر آمادہ ہے بلوچی عوام جو حکومتی رویئے سے بہت دل برداشتہ اور شاکی ہو چکے ہیں ان کو ورغلانے اور علیحدہ کرنے کی سازشیں کی

جا رہی ہیں اس کے کئی ثبوت بھی ملے ہیں ہمارے دشمن ممالک جو پاکستان کو ایک مضبو
ط ملک کی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے انھیں ہماری کمزوری بلوچ عوام کی
صورت میں ہاتھ آ گئی ہے یہ صورت حال افسوس ناک تو ہے ہی لیکن اس میں قصور
بھی ہماری غلط پالیسیوں کا ہے مشرف دور حکومت سے لا پتہ بلوچ نوجوانوں کو جس
انداز سے اغوا اور قتل کیا گیا نواب اکبر بگٹی کو شہید کیا گیا اس نے نفرت کی آگ پر تیل
کا کام کیا پاکستان دشمن قوتوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملا اسی سلسلے میں امریکی ایوان نمائندہ
گان نے ایک قرار داد جمع کروائی جس میں کہا گیا کہ بلوچ عوام کو اپنے لیے الگ ملک بنا
نے کا حق حاصل ہے اس میٹنگ میں بلوچستان کی حمایت میں پاکستان کے خلاف زہر
اگلا گیا گو اس کے جواب میں ہمارے وزیر اعظم صاحب نے اس قرار داد کی شدید
مذمت کی کہ یہ پاکستان کی سالمیت پر حملے کے مترادف ہے۔ لیکن دشمن ہمارے خلاف
سازش کرنے میں مصروف ہیں کہ کسی طرح بلوچستان کے معدنی ذخائر کا خزانہ ہمارے
ہاتھ لگ جائے ادھر ہماری بد قسمتی دیکھئے کہ اپنی مٹی کو سونا کرنے کی صلاحیت پیدا کر
نے کے بجائے پوری دنیا میں کشکول لیے پھرتے ہیں اگر پاکستان کی حکومت اپنی نگرانی
میں اپنے بل بوتے پر دیانت داری سے ان ذخائر کا استعمال کرے تو بلوچ عوام کے مسا
ئل ان کی محرومیوں کا ازالہ ہو سکتا ہے ان کے صوبے میں بھی زندگی کی بنیادی
ضرورتیں پانی، خوارک، صحت، تعلیم اور روزگار جیسی اہم ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا

ہے آخر ان کے وسائل پر ان کا پورا حق ہے اس وقت صوبہ بلوچستان میں جولا قانونیت شدت پسندی، معاشی اور سیاسی بحران نظر آتا ہے اس کا واحد حل یہی ہے اسے طا، قت کے بل ختم کرنے کے بجائے ان کے مسائل پر ہمدردانہ توجہ دی جائے اب عملی اقدامات کا وقت ہے اپنی غلطیوں کی اصلاح کا وقت ! ایسے عمل کا وقت کہ جس سے بلوچ عوام کے زخموں کی دادرسی ہو سکے آخر کب تک ہم بلوچ عوام کو دلفریب وعدوں اور خوبصورت لفظوں کی سولی پر لٹکائیں رہیں گے کہ بات اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گئی ہے ۔۔

پانی ہے زندگی

مجھے ہمیشہ سے پانی کی یہ خاصیت بہت بھلی لگتی ہے کہ یہ ہر میلی اور گندی شے کو صاف اور پاک کر دیتی ہے قدرت نے اس میں یہ صلاحیت بھی رکھی ہے کہ اسے جس رنگ میں ملایا جائے وہ اسی میں رنگ جاتا ہے اس میں کوئی انا نہیں کوئی تکبر نہیں ہوتا لیکن حضرت انسان اسے بھی اپنے اختیار میں رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہے پانی جیسی اہم ضرورت پر قبضے کی کہانی بہت پرانی ہے جو لوگ دنیا کی تمام وسائل اپنے قبضے میں رکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ اس بات سے ضرور آگاہ ہیں کہ پانی انسان کی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے اگر ہم اسلامی تاریخ پر بھی نظر ڈالیں تو اوائل اسلام کے زمانے میں بھی مسلمان و دیگر قبائل کے لوگ کس طرح پانی کے حصول میں سرگرداں رہتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت بیحد مشہور ہے جس میں انھوں نے مکہ کے سب سے بڑے (آبی ذخیرہ) کنواں کو ایک یہودی سے منہ مانگے داموں خرید کر اسے بلا مذہب و تفریق تمام مکہ والوں کے لیے وقف کر دیا تھا یہ ان کی سخاوت کی بے شمار بے مثالوں میں سے ایک خوبصورت مثال ہی۔

۲۲ مارچ کو پوری دنیا میں آبی وسائل کا دن منایا جارہا ہے اس دن پانی کے

حوالے سے درپیش مسائل کے حل کے لیے ورلڈ فورم کا انعقاد کیا جاتا ہے دنیا کو صاف پانی مہیا کرنے کا خواب دیکھنے والوں کا سب سے بڑا اجتماع'' ورلڈ واٹر فورم'' جس کا اجلاس ہر تین سال بعد ہوتا ہے اس فورم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں 180 ممالک کے 20 ہزار افراد حصہ لیتے ہیں جن میں 90 وزراء' 250 ارکان پارلیمنٹ' سائنس دانوں اور پانی فروخت کرنے والے پیشہ ور شامل ہوتے ہیں 2009ء میں اس کا آخری اجلاس ترکی کے شہر مارسیلی میں ہوا اس سال 2012ء میں ہونے والے اجلاس کی میزبانی فرانس کے حصہ میں آئے گی آبی ماہرین کا کہنا ہے کہ آئندہ آنے والی دھائیوں میں ملکوں کے درمیاں جنگ آبی وسائل کے حصول کے لیے ہو گی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر گھمبیر مسئلہ ہے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک جہاں کروڑوں لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہوں جہاں خون پانی سے بھی ارزاں ہو گیا ہو وہاں لوگ آنے دنوں کی منصوبہ بندی پر کس طرح صرف نظر کر سکتے ہیں بیشتر ترقی یافتہ ممالک آنے والے دنوں کی جامع حکمت عملی میں مصروف عمل ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ دوسرے ترقی پذیر ممالک کے آبی ذخائر پر قبضے کی کوششیں بھی جاری ہیں جس طرح اسرائیل نے فلسطین اور اردن کا پانی روک رکھا ہے اسی طرح ہر سال بھارت پاکستان کے آبی حصہ داری پر ڈاکہ ڈالتا رہا ہے۔

آج کی دنیا میں پانی کے حوالے سے بہت گرما گرمی پائی جاتی ہے خصوصا وہ

ترقی یافتہ ممالک جہاں پانی کے مسائل نہیں وہ بھی دوسرے ترقی پذیر ممالک کے آبی ذخائر پر حریصانہ نظریں جمائے ہوئے ہیں یہ ترقی یافتہ ممالک ورلڈ بنک کے مضبوط رکن کی حیثیت رکھتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو دیے گئے قرضے کی کڑی شرائط میں سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں غریب ممالک کی بقاء کا دارومدار اسی قرضے اور غیر ملکی امداد پر ہوتا ہے لہٰذا یہ کسی دباؤ اور شرائط کو نہ ماننے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے ان کی مجبوریوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ورلڈ بنک نے پانی کی نجکاری کی پالیسی متعارف کرائی ہے جس کے تحت پانی کی پوری پوری قیمت وصول کی جائے گی اس کی ایک مثال ورلڈ بنک نے 2005ء میں اپنے مقروض ملک بولیویا (جنوبی امریکہ) میں ورلڈ بنک کے احکام نے حکومتی کابینہ کے اجلاس میں شرکت کی اور بولیویا کے تیسرے بڑے شہر ”کوچابا ما“ میں صاف پانی کی فراہمی کے لیے 25 ملین امریکی ڈالر قرضہ دینے سے انکار کر دیا شرط یہ رکھی گئی کہ حکومت جب تک پہلے پانی کے نظام کو نجی ملکیت میں نہیں دے دیتی اور اسکے اخراجات صارفین پر نہیں ڈالے جاتے یہ قرضہ نہیں دیا جا سکتا اس ضمن میں ہونے والی نیلامی میں صرف ایک ٹینڈر کو منظور کیا گیا جس کی سربراہی بدنام زمانہ ایک بڑی انجینئر کمپنی کے پاس تھی جس نے چین میں تین بڑے ڈیموں کی تعمیر میں بڑی کرپشن کی تھی لیکن ورلڈ بنک کے دباؤ میں آ کر اس کمپنی کو کام سونپا دیا گیا اس کمپنی نے ابھی کام شروع بھی نہیں کیا تھا کہ پانی کی قیمتیں دوگنی کر دی گئی ہو

لیویا کے عوام کے لیے اب پانی کا حصول غذا سے بھی مہنگا ہو گیا تھا ان لوگوں کے لیے جو کم آمدنی رکھتے تھے یا جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا ان کے لیے اس طرح زندگی گزارنا قابل برداشت ہو گیا پانی کے بل ان کے گھریلو بجٹ کی آدھی رقم بہالے جاتا عوام کی زندگی مزید اجیرن بنانے کے لیے ورلڈ بنک نے مراعات یافتہ طبقے کو پانی کے نرخ مقرر کرنے کا مکمل اختیار دے دیا نیز حکومت کو تنبیہ کی گئی کہ اس کی قرضے دی گئی رقم پانی کے غریب صارفین کو سبسڈی دینے کے لیے استعمال نہیں کی جائے گی کسی بھی ذریعے سے حاصل ہونے والے پانی کو خواہ وہ کمیونٹی کنویں سے ہی کیوں نہ نکالا گیا ہو اس کے حصول پر پابندی لگا دی گئی ان تمام شرائط کی ورلڈ بنک یہ دلیل دیتا ہے کہ غریب حکومتیں اکثر بد عنوانی کا شکار رہتی ہیں لہٰذا غریب عوام کو پانی کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے موثر انتظام اور آلات سے قاصر رہتی ہیں اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ورلڈ بنک سرمایہ کاری اور ہنر کے نئے راستے کھولتا ہے یہ الگ بات ہے کہ پانی کی قیمت میں اضافے سے غربت کی شرح میں مزید اضافہ ہوتا ہے پانی کے حوالے سے ورلڈ بنک نے جو کڑی شرائط رکھ کر ترقی پذیر ممالک کو اپنے بس میں کیا ہوا ہے اس میں ارجنٹائن ، کولمبیا ، چلی ، ایکواڈور ، مراکش اور فلپائن شامل ہے اگر ہم اپنے ملک کی پاکستان کی بات کریں تو ہم بھی اس وقت ورلڈ بنک کے شکنجے میں پھنسے ہوئے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ حالات اس نہج پر نہیں پہنچے کہ ورلڈ بنک ہمارے

آبی وسائل کی بابت فیصلے کرنے کا مجاز ہو لیکن یہ ہماری بد قسمتی بھی ہے کہ پاکستان اپنے بیش بہا وسائل کے باوجود مشکلات کا شکار ہے جب بارش نہ ہو تو ہم قحط سالی کا شکا رہو جاتے ہیں اور اگر باران رحمت برس پڑے تو ہم اس ذخیرے کو محفوظ کرنے بجا ئے سیلاب کے ہاتھوں ہلاکتوں سے پریشان ہوتے ہیں ہر سال ایک نیا سیلاب ہمیں معاشی مسائل کے گرداب میں کئی دھائی پیچھے کر دیتا ہے اس مسئلہ سے نبٹنے کے لیے ہماری حکومت کو موثر حکمت عملی کی ضرورت ہے بھارت ہمارے آبی وسائل پر قابض ہونے کے لیے درجنوں ڈیمز بنا رہا ہے تاکہ ہماری زرعی زمینوں کو بنجر کر کے ہمیں بھی نئے ڈیمز بنانے اشد ضرورت ہے موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث آئندہ آنے والے سالوں میں آبی مسائل کی ٹھوس منصوبہ بندی کر کے ہم آزاد اور ترقی یافتہ ممالک کی صفوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

خوف آتا ہے

شہر کراچی کا ہر فرد سہا ہوا ڈرا ہوا دکھائی دے رہا ہے یوں محسوس ہوتا ہے گویا دشمن کے نرغے میں ہیں قابض فوج فاتح کی طرح قتل عام کر رہی ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم اپنے مقدر کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتے کہ آخر دہلی بھی تو سات بار لٹی تھی نادر شاہ نے وہاں پر پانچ روز تک قتل عام کا حکم صادر کرایا تھا۔ لیکن ! یہاں تو اپنے ہی اپنے گھر کو آگ لگانے والے اپنے ہی گھر کے چراغ ہیں یہ تو ہمارے اپنے ہم وطن اور مسلمان ہیں کراچی میں آگ و خون کا کھیل پھر اپنے عروج پر ہے سارا دن ٹی وی چینل کراچی کی سڑکوں پر آگ و خون کی ہولی دکھاتے رہے ارباب اختیار اسے روکنے سے قاصر اور بے بس ہیں پھر وہی سیاسی پارٹیوں سے گفت وشنید اور باہمی مفاہمت اور تعاون کی یقین دہانیاں اہل کراچی کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں چھاپے آپریشن گرفتاریاں پھر اس کے نصیب میں ہے قیام پاکستان کے بعد سے اب تک کئی مرتبہ کراچی پر اس کا اطلاق ہو چکا ہے خدا کرے یہ نسخہ تیر بہ ہدف ثابت ہو اور شہر میں دیرپا امن قائم ہو سکے۔

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا "تم میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مقتول

کو خبر نہ ہو گی کہ اسے کیوں قتل کیا گیا "۔آج ایسے ہی زمانے سے ہم گزر رہے ہیں' یہ ہمارے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ' جب انسان کے دلوں سے انسان کا احترام اٹھ جا ئے تو سمجھ لیجیے کہ عذاب کا موسم آ پہنچا۔ایک ہی ملک کے ایک ہی مذہب کے پیرو کار ایک ہی ملت کے امین ایک دوسرے کو خوفزدہ کریں یا ان سے خوف زدہ رہیں تو اس سے بڑھ کر عذاب موسم اور کیا ہو سکتا ہے۔ایک ہی وطن کے لوگ ایک دوسرے کو بر ی نگاہوں سے دیکھیں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو تو باقی کیا رہ جاتا ہے انسان اپنے ہی دیس میں خود کو پردیسی محسوس کرنے لگے تو عذاب ہے جناب واصف علی واصف نے فرمایا" جب زمانہ امن کا ہو اور حالات جنگ جیسے ہوں تو سمجھو عذاب ہے جنا زے اٹھ رہے ہوں کندھا دینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہو۔آنکھیں نم ہوں ارد گرد جشن منانے والے درندے ہوں۔ دلوں سے مروت نکل جائے ایک دوسرے کا احساس ختم ہو جائے " کیا ہم ظالم قوم ہیں ،کیا ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا یوم حساب نہیں آئے گا مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم واقعی ظالم پاکستانی بے حس قوم ہیں ہما ری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھی ہوئی ہے ،کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ ہم اپنے آنے والی نسلوں کے لیے کیسا پاکستان بنا رہے ہیں ہم انھیں کیا جواب دیں گے ۔ ہم نسل، زباں علاقے کی بنیاد پر کب تک خون بہاتے رہیں گے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب تعصب کی ہوا چلتی ہے تو پھر انسانیت کوچ کر جاتی ہے ۔کراچی کے بارے میں اب یہ

کہنا غلط نہ ہو گا کہ اسے مختلف لسانی اور قومیت کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے ایک قو میت کے فرد کو دوسرے علاقے میں جانے کی اجازت نہیں یا اسکے لیے خطرناک ہے کراچی ایک آتش فشاں کا روپ دھار چکا ہے جس میں وقفے وقفے سے لاوا ابل کر باہر آتا ہے تباہی مچاتا ہے جانوں کا نذرانہ وصول کرتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے۔
ایک دن میں پچاس سے زائد گاڑیاں نذر آتش ہو جائیں کسی کو بھی گھر میں گھس کر دن دھاڑے قتل کر دیا جائے کیا یہ المیہ نہیں ؟کچھ دن امن رہتا ہے پھر وہی بگڑتی صو رتحال ، روزانہ گھروں سے کام پر نکلنے والوں کو کوئی امید نہیں ہوتی کہ واپس صحیح سلا مت آ ئے گیں یا خدا نخواستہ کسی ان جانی گولی کا شکار ہو جائیں گے کہیں سے کوئی انسا ن نما حیوان وارد ہو کئی گھروں کے چشم وچراغ گل کر کے غائب ہو جاتے ہیں، پھر لا کھ کوشش کریں قاتلوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لگتا۔خانہ پری کے لیے بے گناہ لو گ پکڑے جاتے ہیں قانون نافذ کرنے والے الگ بے بس ہیں گویا اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگے جا رہے ہیں
۔درجنوں لوگوں کی ہلاکتوں کے بعد سرکاری مشنری حرکت میں آتی ہے تصفیہ کے لیے پارٹیوں کو ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے سیاست دان اپنی پارٹی کی مظلومیت میں نعرہ لگاتے ہیں کہ یہ سیاسی نعرے ان کی سیاسی اقتدار کو

مستحکم کرتے ہیں ان کے وسائل کاروبار چلتا ہے ان کی فتح کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہماری معصوم عوام نہیں جانتے کہ جس جگہ اور جہاں ان کے مفادات وابستہ ہوں وہ اپنی قوم کو قربانی کے لیے آگے کر دیتے ہیں یہ معصوم عوام اپنی قومیت کے زعم میں ماری جاتی ہے۔ کوئی سندھی ہے تو اسے وڈیروں کی بڑائی اپنے اندر محسوس ہوتی ہے، کوئی پنجابی ہے تو گوجر چوہدری سب سے اعلیٰ وارفع نظر آتے ہیں، پشتون ہیں تو اپنے اندر خلجی عظمت کے امین بنتے نظر آتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ پاکستانی ایک قوم بن کر رہنے میں ہماری عظمت اور بھلائی ہے باقی سب باتیں فضول ہیں ہم سب ایک پاکستانی شہری ہیں جو صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے، جہاں تمام قومیت اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے اس لسانی فسادات میں ہم اپنے ہی مسلمان بھائی خون بہا رہے ہیں ایسی خطرناک صورتحال سے نبٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ان ٹارگٹ کلنگ کے اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے جب تک اصل مسئلہ کو حل نہیں کیا جائے گا یہ سلسلہ جاری رہے گا ٹارگٹ کلنگ کی جو لہر اس شہر میں آئی ہے خدا کرے کہ اس کا خاتمہ ہو سکے۔ افتخار عارف کی یہ نظم ایسا لگتا ہے اسی شہر کے تناظر میں لکھی گئی آپ کی نذر ہے۔

اس شہر و خس خاشاک سے خوف آتا ہے
جس شہر کا وارث ہوں اس سے خوف آتا ہے
شکل بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے

نئی مٹی کو چاک سے خوف آتا ہے
وقت نے ایسے گھمائے کہ افق، آفاق کہ بس
محور گردش سفاک سے خوف آتا ہے
یہی لمحہ تھا کہ معیار سخن ٹھہرا تھا
اب لہجہ بے باک سے خوف آتا ہے
آگ جب آگ سے ملتی ہے تو لہو دیتی ہے
خاک کو خاک کی پوشاک سے خوف آتا ہے
کبھی افلاک سے نالوں کے جواب آتے تھے
ان دنوں عالم افلاک سے خوف آتا ہے
رحمت سید لولاک پہ کامل ایمان
امت سید لولاک سے خوف آتا ہے

ایک لیڈر کے عوامی خواب

"میں لیاری کو یورپی ممالک کی صف میں لا کھڑا کروں گا" آج جب لیاری آگ وخون کی لپیٹ میں ہے دہشت گردی و لا قانونیت کی بدترین مثال نظر آتا ہے تو موجودہ دور حکومت کے لیڈر کا یہ جملہ کانوں میں گونجتا ہے انھوں نے بڑی یقین سے لیاری کے عوام کو خواب دکھائے تھے اور اسی دکھائے گئے خوبصورت خواب کی قیمت کا خراج لیاری کے عوام ادا کر رہے ہیں اس لیے کہ انھیں اپنے عوامی لیڈر پر مکمل بھروسہ تھا اعتماد تھا انھیں اپنے لیڈر کے جملوں میں سچائی کی خوشبو آتی تھی کہ ان کا لیڈر مر تو سکتا ہے مگر اپنی عوام سے غداری نہیں کر سکتا اور کسی دانشور نے کیا خوب کہا ہے کہ سچ اور سولی کے درمیاں گہرا رشتہ صدیوں سے چلا آرہا ہے اس کے اجزائے ترکیبی میں زہر کا پیالہ ، لکڑی کی سلیب اور پھانسی گھاٹ وہ حقیقتیں ہیں جو تاریخ کے ہر دور میں ان لوگوں کا مقدر بنتی ہیں جنھوں نے حق کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا بنا ء کسی لالچ و خود غرضی اور ذاتی مفاد کے دنیا کو خوبصورت اور امن کا گہوارہ بنانے کے خواب دیکھے تو ایسے لوگوں کو غدار ، جنونی اور پاگل قرار دیا گیا ان کا قصور تھا کہ انھوں نے حق کا دامن نہ چھوڑا پاکستان کی 62 سالہ سیاسی تاریخ میں ذوالفقار علی بھٹو واحد سیاسی لیڈر ہیں جنھوں نے حق بات کی خاطر

سقراط کی طرح زہر کا پیالہ پینا پسند کیا اور عوام کے دلوں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔

5 جنور1928ء کو لاڑکانہ میں انھوں نے ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں غربت و آلام کا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا دولت کی ریل پیل اعلیٰ تعلیم وتربیت اور بہترین معیارزندگی وروشن مستقبل کے ساتھ زندگی بسر کرتے تو ایک لمبی عمرپاتے لیکن انھوں نے اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر اپنے آس پاس پھیلی غربت، ناانصافی، جہالت، دکھ اور بیماری کی دیواریں دیکھی تو وہ ان دو انتہاوں کے فرق کو برداشت نہ کر پائے انھوں نے عوام کے مسائل حل کرنے کے لیے سیاست کے خارزار پر قدم رکھا۔

پاکستان کی تاریخ میں جس جمہوری سیاسی لیڈر کو سب سے زیادہ شہرت، عزت اور پذیرائی حاصل ہوئی وہ بلاشبہ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو تھے انھوں نے اپنی تقریروں میں عوام کو سنہرے مستقبل کی نوید سنائی دیتی تھی وہ پاکستان کے کونے کونے تک سرحد، بلوچستان، پنجاب اور سندھ کے دورافتادہ علاقوں تک گئے جہاں کوئی سیاست داں آج بھی نہ پہنچ سکا ہے عوام کی وارفتگی اور انکی محبوبیت نے ذوالفقار علی بھٹو کو خواص کے دل فریب حصار کے بجائے عوام کی محبتوں کے حصار میں محفوظ کر دیا انھوں نے

غریب عوام کو خواب دکھایا کہ انکے بچے بھی اسکولوں اور یورنیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ان کا بھی حق ہے کہ علاج کے لیے بہتر سہولتیں انھیں دستیاب ہو ان کے تن پر اچھے کپڑے ہوں ان کے ارد گرد پھیلی بے بسی خوشحالی بن کر ابھرے بقول منیر نیازی کہ" اک ایسی زندگی جو اس قدر مشکل نہ ہو" ذوالفقار علی بھٹو کے مشہور زمانہ ' نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان نے انھیں اقتدار کی مسند پر بٹھایا، پاکستان کی غریب عوام نے انھیں اپنا نجات دہندہ جانا۔

مگر بدقسمتی سے بھٹو کے اقتدار میں زیادہ عرصہ نہ رہ پائے اور 5 جولائی 1977ء کو ایک فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے عوام کی حکومت پر شب خون مارا اور ذوالفقار علی بھٹو کو پابند سلاسل کر دیا ڈکٹیٹر کو زندہ بھٹو ان کی آمرانہ خواہش کے آگے دیوار محسوس ہوا اور اس نے یہ دیوار گرانے کا فیصلہ کر لیا ان پر جھوٹا مقدمہ چلایا گیا اور عدالت نے حکومتی خواہشات کے عین مطابق فیصلہ دے دیا۔ پنجاب کے راولپنڈی جیل میں 4 اپریل 1979ء کی درمیانی شب جس کی نحوست سے پاکستانی سیاست آج تک نہیں نکل پائی جب نمود سحر سے قبل جناب ذالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی جب ان کی عمر محض اکیاون برس تھی راویان بتاتے ہیں کہ بھٹو نے اپنی کال کوٹھری سے پھانسی گھاٹ تک کا سفر انتہائی سکون اور برداشت سے طے کیا ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ

مضروب تھے انھیں ضربات اور جسمانی اذیتیں دی گئی تھیں یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ اپنے قول کہ " میں فوج اور ضیاء کے ہاتھوں مرنے کو تاریخ میں مر نے کو ترجیح دوں گا "۔

ذوالفقار علی بھٹو نے پس زنداں میں لکھا تھا کہ "مفاد پرستوں کا ٹولہ مجھے اس لیے نا پسند کرتا ہے کہ میں پہلا اور واحد رہنما ہو ں جس نے ان کی اجارہ داری کا آہنی حصار توڑا ہے اور میرا عوام سے براہ راست رابطہ ہے وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی تقلید کروں میں نے انکار کر دیا" ذو لفقار علی بھٹواس دور حکومت میں ہم سب کو اس لیے بھی زیادہ یاد آتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں جس پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی وہ آج پاکستان یں‌برسر اقتدار ہے بھٹو سے زندگی نے وفا نہ کی مگر ان کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کرنے والی موجودہ حکومت نے انکے نعرے روٹی کپڑا اور مکان کو الیکشن میں خوب استعمال کیا.بر سر اقتدار ہونے کے بعد نعرہ ہی رہا غریب عوام، غریب ہی رہے جو کھلے آسمان تلے رہتا تھا اس کا سر اسی طرح بے سایہ ہی رہا جس کو تن پر کپڑا میسر نہ تھا وہ بدستور ننگا ہی رہا جو بھوکے پیٹ سونے پر مجبور تھا وہ اسی طرح سونے پر مجبور رہا ہاں ! البتہ بھٹو صاحب کے جانے کے بعد انکے نعرے نے ان کی پارٹی کے سیاست دانو ں پر کامیابی کے دروازے کھول دیے انھیں عوام کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کا فن آگیا سو بھٹو صاحب کے بعد

جو بھی سیاست داں آیااس نے عوام کو' ووٹ دو خواب لو' کے مصادق خوب استعمال کیامگر روٹی ، کپڑااور مکان ہر دور کی طرح آج بھی عوام کی پہنچ سے دور ہے آج بھی عوام زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں اپیپلز پارٹی الیکٹ ہونے کے بعد حسب دستور کرپشن لوٹ کھسوٹ ، اقرباء پروری اور بے قاعدگی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کی کہ عقل دنگ ہے پیپلز پارٹی ہر وہ کام کر گزرنا چاہتی ہے جس سے عوام میں اسکے خلاف نفرت اور اشتعال بڑھتا جائے اس کی درجنوں مثالیں اس کے دور حکومت میں منظر عام پر آتی رہی ہیں پیپلز پارٹی کی حکومت برسر اقتدار آنے سے ہمیں کوئی آئیڈیل حکومت کی توقع نہ تھی لیکن اتنی امید ضرور تھی کہ ایک جمہوری پارٹی ہونے کے ناطے اسے عوام کے دکھ درد کا کچھ تو اندازہ ہوگا اور وہ جو کہا جاتا ہے کہ بہترین آمریت سے بدترین جمہوریت اچھی ہے مگر آج حکومت کے اس چارسالہ دور حکومت میں مہنگائی میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے بجلی گیس پٹرول اور دیگر تمام چیزوں میں ہر چند مہینے بعد نئے اضافے منی بجٹ کی صورت میں عوام پر نازل ہوتے رہے ہیں عوامی مسائل میں ناقابل حد تک اضافہ ہو چکا ہے اس وقت تمام پاکستانی قوم کے دل میں ایک ہی سوال ہے کہ کوئی ہے جو حکومت سمیت تمام سیاسی جماعتوں سے پوچھ سکے حکومت اس اضافے سے کتنا کما رہی ہے ان سب کے مفادات کبھی ختم بھی ہوں گے ؟کیا کبھی ان کا پیٹ اور نیت سیر بھی ہوگی یا یوں ہی عوام کی کھال کھینچتے رہیں گے ؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اگر حکومت کے یہی کرتوت جاری

رہے تو وہ دن دور نہیں جب غاصب آمر لوگوں کے ہیرو کہلائیں گے اور بھٹو صاحب نے وہ خواب جو روٹی، کپڑا اور مکان کی صورت میں عوام کو دکھایا تھا اب صرف خواب بن کر رہ جائے گا۔۔

ماؤں کا عالمی دن

کائنات کے خالق !
دیکھ تو مرا
آج میری آنکھوں میں
کیسی جگمگاہٹ ہے
آج میرے ہونٹوں پہ
کیسی مسکراہٹ ہے
میری مسکراہٹ سے تجھ کو کیا یاد آیا
میری بھیگی پلکوں پہ تجھ کو کچھ نظر آیا
ہاں ترا گماں سچ ہے
ہاں کہ آج میں نے بھی
زندگی جنم دی ہی۔۔۔ !

پروین شاکر کی یہ نظم ماں کی تمام خوبصورت جذبوں کی عکاس ہے کہ ماں بننے کے بعد ہی ماں کی محبت شفقت اور قربانیوں کا صیح اداراک ہوتا ہے اک نئ زندگی کو جنم دینا اسے اپنے ہاتھوں میں پہلی بار اٹھا کر پیار کرنا ماں کے لیے دنیا کا سب سے قیمتی لمحہ ہوتا ہے جس دکھ وتکلیف کو جھیل کر وہ ماں بنتی ہے اللہ تعالی نے بطور انعام جنت اس کے قدموں میں رکھ دی ہمارے پیارے

نبیؐ نے باپ کی نسبت تین گنا زیادہ حقوق ماں کو عطا دیے۔

ماں کو قدرت نے نجانے کون سی کیمسٹری سے بنایا ہے کہ وہ زندگی اپنی گزارتی ہے مگر عمر کی تمام سانسیں اپنے بچوں میں پیار منتقل کرتی رہتی ہے اس کا سونا، جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب اولاد کے لیے ہوتا ہے وقت گزرنے کا ساتھ اپنی اولاد کے لیے اپنی چاہتیں، محبتیں قربان کرتی ہے اپنے ہر عمل سے اپنی محبت کا اظہار کرتی ہے یہ تمام جذبے آج کی ماں میں بھی موجود ہے مگر آج ان ماؤں کو خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے جنھوں نے اپنے بچوں کی بہترین پرورش، تعلیم وتربیت پر اپنا تن من دھن وار کر انھیں اس مقام پر پہنچایا کہ وہ اپنے ملک وقوم کے لیے باعث فخر ہو گئے ہمیں بی اماں'' جیسی ماوئں کی ضرورت ہے جو مولانا محمد علی و شوکت علی جیسے بہادر'' فرزند قوم کو دیں، علامہ اقبال کی ''بی جی'' جیسی ماں کی چاہت وتربیت چاہیے جو وطن عزیز کو لعل وگہر دے سکیں قائدا عظم جیسی ذی وقار، نڈر اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہنے والا لیڈر عطا کر سکیں ایسی بصیرت افروز ماوئں کی جتنی ضرورت موجودہ دور میں ہے اتنی کسی ادوار میں نہیں تھی۔

آج کے دور میں ماؤں کی ترجیحات اور سوچ یکسر تبدیل ہو چکی ہے وہ یہ سوچتی

ہیں کہ وہ گھرداری اور بچوں کی تربیت میں وقت گنوا کر اپنی شخصیت تباہ کر رہی ہیں انھیں وہ تمام باتیں دقیانوسی لگتی ہیں جب مائیں بچوں کو بڑوں کا احترام، چھوٹوں سے شفقت، تاریخ کی عظیم شخصیات کے قصے، مذہب کی خوبیاں، جھوٹ سچ اور بے ایمانی سے بچنے کی ترغیب دیا کرتی تھیں ان کے نزدیک یہ جنک فوڈ، موبائل فون، انٹرنیٹ اور کیبل کا زمانہ ہے آج کا دور بہت فاسٹ ہے لیکن وہ یہ بھول گئیں کہ اس فاسٹ دور کی لگامیں آج بھی قانون قدرت کے ہاتھوں میں ہے ماہ سال میں کوئی فرق نہیں ہوا دن آج بھی چوبیس گھنٹوں کا ہے سورج آج بھی مشرق سے نکلتا ہے مغرب میں غروب ہوتا ہے تو پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ بچوں کی تربیت ماں کے بجائے کیبل، انٹر نیٹ کے ذریعے ہو۔ماں کی گود بہترین تربیت گاہ ہے یہ اصول اٹل ہے ہمارے مشاہدے میں یہ بات اکثر آتی ہے کہ جس گھر میں مائیں اپنے بچوں پر خصوصی توجہ دیتی ہیں ان کے ہوم ورک سے لے کر دوستوں تک کی تمام باتوں کی خبر رکھتی ہیں ان کی قدم قدم پر رہنمائی کرتی ہیں وہ بچے زیادہ خود اعتماد اور کامیاب ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ایسی مثالی خاندان میں کمی واقع ہوتی جا رہی ہے خرابی کی یہی جڑ ہے کہ ابلاغ کا عمل ختم ہوتا جا رہا ہے اکثر مائیں اولاد کی سرگرمیوں سے بے خبر بے فکر رہتی ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں برائیاں، چوری، اسٹریٹ کرائمز، چھینا جھپٹی، مار دھاڑ کی برائیاں تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں۔

آج ہمارے ملک کو اچھے سیاست داں اور لیڈروں کی نہیں اچھی ماؤں کی ضرورت ہے
جو اس ملک کی آئندہ آنے والی نسلوں کو بہترین تعلیم تربیت دے سکے نپولین بوناپا
رٹ نے کہا تھا کہ ’’ تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمھیں بہترین قوم دوں گا‘‘آج مدرز
ڈے پر تمام ماؤں کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ انکے آنگن کے پھول قوم کا مستقبل ہیں
انہیں خصوصی توجہ وتربیت کی اشد ضرورت ہے جس طرح ماں بننا اللہ تعالیٰ کا ایک انعام
ہے اسی طرح اولاد کی پرورش وتربیت بھی ماں کے لیے ایک امتحان ہی ۔۔

یوم تکبیر

ہمارے وہ پاکستانی سائنس دان جو ایٹم بم کے خالق ہیں انھوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ گا کہ جو ایٹم بم وہ اپنے وطن کی حفاظت کے لیے بنا رہے ہیں وہ حفاظتی حصاران کے ملک کے لیے عذاب بن جائے گا دشمن کسی طرح اسے ہضم نہیں کر پائیں گے کہ ایک اسلامی ملک کیوں ایٹمی طاقت بنے لیکن اس میں سب سے زیادہ قصور بھی تو ہمارے اپنے پالیسی سازوں کا ہے جنھوں نے کبھی اس سے مثبت انداز سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی آج کے دور میں کسی ملک کی ترقی یافتہ ہونے کی سب سے پہلی شرط صنعت و حرفت میں اضافہ ہے جب کہ ہم لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں ایٹم بم بنانے کے بعد ہونا تو چاہیے تھا کہ ہم ایٹمی پاور پلانٹ پر توجہ دیتے مگر ہم آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے نتیجہ یہ کہ اس وقت ملک شدید لوڈ شیڈنگ کے بحران کا شکار ہے بے روزگاری نے ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی ہے اتنا نقصان تو کسی ملک کو سونامی سے نہیں ہوگا جتنا ہمیں اس لوڈ شیڈنگ کرائسس سے ہو رہا ہے اس منفی پہلو کے باوجود اگر ہم آج تکبیر ڈے منا رہے ہیں ایٹمی طاقت کے حامل ملک کے شہری ہیں تو اس پر ہمیں فخر بھی ضرور ہے کہ اسے بنانے والوں نے بہت نیک نیتی سے ہماری حفاظت اور سلامتی کے لیے ہی بنایا ہے جو ان کے بس میں تھا انھوں نے وہ

کیا جو اسے بگاڑنے والوں کے ہاتھ ہے وہ اپنی ایڑی چوٹی کا دم لگا رہے ہیں۔

انسان نے اس دنیا میں آنے کے بعد ہی اپنی حفاظت کے لیے ہتھیار ر ایجاد کر لیے تھے یہ ہتھیار کبھی کوئی درخت کی موٹی شاخ تو کبھی کوئی نوکیلے پتھر کی صورت ہیں اس کو تحفظ فراہم کرتی پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس نے بھالے، نیزے، تیر کمان، تلوار اور منجیقوں کا استعمال شروع کیا انیسویں صدی میں جب سائنس اور ٹیکنالوجی نے ترقی کی تو ہتھیاروں میں بھی جدت آتی گئی دور جدید کے ہتھیاروں میں کلاشنکوف،

ریوالور، مشین گن اور راکٹ لانچر کی کئی چھوٹی بڑی قسمیں متعارف ہوئیں 1905ء میں عظیم سائنس داں البرٹ آئن سٹائن نیوکلیئر پر ایک رسرچ کی جس ہیں وہ ناکام رہے مگر اس کے تیس سال بعد 1934ء میں اسی ریسرچ کو بنیاد بنا کر ایزیکو فیئر مین یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ایٹم کا نیوکلیئر آہستہ کرنے والے نیوٹران کو اپنی جانب متوجہ کر سکتا ہے جو ایک جدید اور مہلک ہتیار بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے یوں ایٹمی ہتیاروں کا دور شروع ہوا امریکہ نے پہلے ایٹم بم کی تخلیق اور اسکا کامیاب ایٹمی تجربہ 16 جولائی 1945ء ہیں کیا امریکہ کو اپنی طاقت ثابت کرنے کا شوق روز اول سے ہے اس لیے اس نے اپنے ایٹمی تجربے کے محض 20 دن کے بعد ہی دوسری جنگ عظیم میں اپنے حریف جاپان کے دو شہروں

پر بم برسائے جس سے جاپان کو شکست کے ساتھ سخت جانی ومالی نقصان اٹھانا پڑا امریکہ کی اس فتح کے بعد تو گویا یورپی ممالک اپنی بقاء کے لیے اسے لازم وملزوم سمجھنے لگے فرانس، روس، فرانس، اسرائیل، چین اور برطانیہ ایٹمی دھماکوں کے بعد ایٹمی طاقت والے نا قابل تسخیر ممالک میں شامل ہو گئے۔

تقسیم برصغیر کے بعد بھارت نے اپنا ایٹامک انرجی کمشن 1948ء میں قائم کر لیا تھا لیکن پاکستان نے اس بابت کوئی پیش رفت نہیں کی تھی 1917ء کی جنگ کے بعد جب پاکستان کے دو ٹکڑے ہوئے تو یہ احساس جڑ پکڑ تا گیا کہ پاکستان کو اپنی عسکری طاقت کو نا قابل تسخیر بنانا ہوگا تا کہ دشمن آئندہ اس پر ضرب نہ لگا سکے قوم ابھی اسی مایوسی کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ 976ء میں بھارت نے اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کا تجربہ کر ڈالا جس کے جواب میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنا مشہور زمانہ جملہ ادا کیا کہ '' ہم گھاس کھالیں گے لیکن ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔'' قوم کے اس سپوت نے ایٹمی پلانٹ کی بنیاد رکھی جس میں آنے والے دنوں میں محب وطن آرمی چیف اور حکومتی سر

براہوں نے اس کام کو آگے بڑھایا ان لیڈروں نے جن میں جنرل ضیاء الحق، صدر غلام اسحاق خان، میاں محمد نواز شریف، محترمہ بے نظیر بھٹو، مرزا جنرل مرزا اسلم بیگ، جنرل وحید کاکڑ اور جہانگیر کرامت شامل رہے

جہاں ان لیڈروں نے اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کیے وہاں ہمیں اپنے مایہ ناز سائنس دانوں پر بھی فخر ہے جنھوں نے سخت مالی ودیگر مشکل حالات میں ایٹمی تجربے کو کامیاب بنایا ڈاکٹر عبدالقدیر خان، ڈاکٹر ثمر مند مبارک ، ڈاکٹر اشفاق ، ڈاکٹر بٹ، ڈاکٹر بشر الدین ، اور دیگر قابل فخر سائنس دانوں کی دن رات کی پر خلوص محنت اور قومی جذبے کی سرشاری نے وطن عزیز کو اس قابل بنایا۔

ڈاکٹر ثمر مند مبارک یوم تکبیر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''بلوچستان میں چاغی کے مقام پر 28 مئی 998ء بروز جمعرات تین بجکر سولہ منٹ پر الٹی گنتی گننے کے بجائے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ٹیسٹ کا بٹن دبایا گیا اس لیے اس دن کو یوم تکبیر کا نام دیا گیا''۔ یوم تکبیر کے بابرکت نام کا نعرہ ہماری تاریخ کی تمام غزوات میں دین اسلام کی نصرت وکامرانی کا سبب بھی رہا ہے ایٹمی دھماکے کے تجربہ کے بعد پاکستان دنیا میں ساتویں اور اسلامی دنیا میں واحد ایٹمی طاقت بننے کا اعزاز حاصل ہوگیا تمام دنیا کے مسلمانوں نے اس کامیابی پر مبارک باد کے پیغامات دیے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کے خطیب نے فرمایا ''یہ قوت محض پاکستان کی قوت نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی قوت ہے'' ۔ایٹمی قوت بننے کے بعد تمام مسلم ممالک میں پاکستان کی عزت وتوقیر میں اضافہ ہوا اس کامیابی میں ہمارے اسلامی

ممالک کی مالی اور اخلاقی مدد بھی شامل رہی 28 مئی کو یوم تکبیر کے حوالے سے ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ زندہ قومیں اپنے ہیروز اور قومی دن کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں اس کی حفاظت اور احترام کرتی ہیں۔

آج جب پوری قوم یوم تکبیر کی سالگرہ منا رہی ہے تو ہماری ایٹمی تنصیبات کی سلامتی اور حفاظت پر چاروں طرف سے سوالیہ نشان اٹھائے جا رہے ہیں ہمارے بہی خواہ (امریکہ اور بھارت) اپنے تحفظات کا اظہار کر رہے ہیں ہمارے سول اور فوجی ادارے بارہا اس بات کی یقین دھانی کروا چکے ہیں کہ ایٹمی پروگرام انتہائی محفوظ ہاتھوں میں ہے ڈاکٹر ثمر مند مبارک ایٹمی پلانٹ کی سیکورٹی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ " ویپنز کی سیکورٹی کو محفوظ کرنے پر کڑی توجہ دی گئی ہے اس میں کمپیوٹرز، پروٹیکٹیڈ اور بہت کچھ سیکورٹی کے حوالے سے لگا ہوتا ہے جو ایک خاص طریقہ سے پروگرام کیا گیا ہوتا ہے اس میں کوڈ لگے ہوتے ہیں اور یہ کوڈ ہر کسی کو دستیاب نہیں ہو سکتے "۔یہی وجہ ہے بھارت ،امریکہ اور اسرائیل ہماری ایٹمی تنصیبات کی حفاظت کے لیے ہم سے زیادہ فکر مند نظر آتے ہیں آج کے حالات میں امریکہ جو دہشت گردی کی جنگ میں ہمارا اتحادی ہے جس نے ماضی میں ہمارے ایٹمی تجربے کی پاداش میں ہماری اقتصادی امداد پر پابندی عائد کر دی تھی پوری دنیا میں ہمیں تنہا کرنے کی تدبیروں میں پیش پیش تھا لیکن وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکا

ماضی سے سبق سیکھتے ہوئے ہمیں یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ایٹمی قوت کی طاقت ہی ہے جس نے ہمارے ملک کو اپنی حفاظت میں لے رکھا ہے ورنہ ہمارا بھی آج وہی حشر ہو تو جو افغانستان اور عراق کا ہوا۔ ایٹمی طاقت بننے کے باوجود ہماری قوم کو اس بات کا ملال ضرور ہے کہ اتنی بڑی کامیابی بعد ہو نا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم جدید ٹیکنالوجی کے میدان میں مزید ترقی کرتے ملک سے بے روزگاری، دہشت گردی، لوڈ شیڈنگ اور کرپشن کی دلدل سے نجات حاصل کرتے مگر افسوس کہ ہمارے سول ادارے

اور حکمراں اشرافیہ اپنی تجوریاں بھرنے ہیں مصروف نظر آتے ہیں دہشت گردی کے شعلے ہمارے پورے ملک کو اپنی گرفت میں لپیٹے ہوئے ہے لیکن گھاس کھا کر ایٹم بم بنانے والے لیڈر کے جانشینوں کو اس بات کا قطعی احساس نہیں امریکی آقاؤں کے آگے سر نگوں ہے جب کہ قوم تمام تر مصائب ومشکلات کے باوجود وطن عزیز کی حفاظت وسلامتی کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہے۔۔

خوشبو کی کہانی

خوشبو کو دین اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے پیارے نبی ﷺ کو دنیا میں سب سے زیادہ پسند آنے والی دو چیزوں میں عورت اور خوشبو شامل ہے آپ ﷺ نے خوشبو کو بہترین تحفہ کا درجہ بھی عطا کیا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ خوشبو ہر دور میں حضرت انسان کی کمزوری رہا ہے ہماری کسی بھی تقریب کی تیاری خوشبو کے بناء ادھوری ہے ہمارے ہاں اکثر لوگ ایک ہی خوشبو عرصہ دراز تک استعمال کرتے ہیں اور آخرکار وہ ان کی شخصیت کا حصہ سمجھی جانے لگتی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں خوشبو یا پرفیوم سازی کو ایک آرٹ اور سائنس ہی نہیں بلکہ ایک منافع بخش انڈسٹری کی حیثیت حاصل ہے جدید سائنسی تحقیق نے اب تو ایسی خوشبویات بھی بنا لی ہیں جو ٹوٹے ہوئے تعلقات کو دوبارہ جوڑنے اور جڑے ہوئے تعلقات کو توڑنے کا کام کر سکتی ہیں اس سے دلوں میں نفرت بھی پیدا کی جا سکتی ہے اور جذبہ محبت بھی اجاگر کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اب ایسے پرفیوم بھی ایجاد ہو گئے ہیں جن کے استعمال سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسان دنیا کی تمام پریشانیوں سے آزاد ہو کر ماں کی ٹھنڈی آغوش میں پہنچ گیا ہو انسان اپنے حواس خمسہ جن میں لمس، چھونا، ذائقہ، دیکھنا، سننا اور سونگھنا شامل ہے دیگر حواس کی نسبت ہم سونگھنے کی اہمیت کو کم ہی استعمال کرتے ہیں

سونگھنے کی قوت سے ہم نہ صرف حسین گلاب، موتیا،چنبیلی اور دیگر پھولوں کو سونگھ کر دماغ میں ان سے وابستہ یادیں بھی تازہ کر لیتے ہیں۔

خوشبو کا استعمال ہزاروں سال سے کیا جا رہا ہے۔پرانے زمانے میں چینی لوگ اپنے لباس پر خوشبو لگاتے تھے اور جنازوں پر لوبان جلاتے تھے انھوں نے سب سے قیمتی خوشبو مشک کو بھی دریافت کیا مشک کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے حضرت علیؓ نے اپنے کلام نہج البلاغہ میں بھی مشک کی تعریف کی ہے۔یونانیوں اور رومیوں نے خوشبویات کے علم کو بہت پروان چڑھایا یونانی لوک داستان میں ٹرائے کی ہیلن نے ایک خوشبوکے ذریعے سے خوبصورتی حاصل کی جس کا راز وینس نے اسے بتایا تھا۔بابل اور نینوا پرانے زمانے میں خوشبوکے بڑے مراکز سمجھے جاتے تھے قلوپطرہ کے حسن میں خوشبو کا بہت دخل تھا کہتے ہیں ملکہ نور جہاں نے سب سے پہلے گلاب کا عطر دریافت کیا روایت کے مطابق جب ملکہ نے غسل کے لیے حوض میں گلاب کے پھول ڈال کر پانی تیار کیا تو اس نے دیکھا کہ پانی کی سطح پر تیل کے چند قطرے تیر رہے تھے ملکہ نے قطروں کو جمع کیا تو ان میں گلاب کی خوشبو پائی گئی اس طرح گلاب کی خوشبو کا طریقہ عمل میں آیا۔مسلمان سائنس داں بو علی سینا نے دسویں صدی عیسوی میں گلاب اور دیگر پھولوں کو کشید کرکے عطر بنانے کا طریقہ دریافت کیا روایتی طریقے کے مطابق پھولوں کو بھاپ میں کشید کیا جاتا

ہے دو ہزار کلو گرام پھولوں سے کشید کے بعد آدھا کلو گرام تیل حاصل ہو پاتا ہے جو ایک قیمتی خوشبو کہلاتی ہے۔ صندل کا تیل درآمد کرنے میں بھارت کا نام پہلے نمبر پر آتا ہے گلاب کا تیل بلغاریہ سے ، دارچینی کا تیل چین سے اور لیونڈر کا تیل جنوبی فرانس کے ایک پودے سے حاصل کیا جاتا ہے

پرانے زمانے میں پھولوں کے ساتھ ساتھ جانوروں سے بھی خوشبویات حاصل کی جا تی تھیں جو بے انتہا قیمتی ہونے کے باعث صرف بادشاہ، ملکہ، راجہ اور مہاراجہ اسے استعمال کرتے تھے عام لوگوں کی دسترس سے یہ دور تھے سب سے پہلے قیمتی خوشبو مشک کے بارے میں بتاتے چلیں کہ یہ ایک خاص قسم کے ہرن کے غدود سے حاصل کیا جاتا ہے شکاری انھیں ہمالیہ کے پہاڑوں سے شکار کرکے ان کے غدود کو سکھا کر اخروٹ جیسی شکل میں پیک کرکے فروخت کرتے ہیں، دوسری خوشبو عنبر جو ایک وہیل مچھلی کی آنتوں میں بنتی ہے اس خوشبو کے بننے کی وجہ مچھلی کے ہاضمے کی خرابی بیان کی جاتی ہے مچھلی جو وہیل مچھلیوں کی پسندیدہ غذا ہے کھا(cuttle fish) یہ ہاضمے کی خرابی کٹل نے سے ہوتی ہے وہیل مچھلی سے حاصل ہونے والی اس خوشبو کو مختلف مرکبات کے ساتھ تیار کیا جاتا ہے اور چونکہ خوشبویات بنانے میں مختلف قسم کے کیمیکل جو کہ اکثر جراثیم کش بھی ہوتے ہیں استعمال ہوتے ہیں یہی وجہ ہے خوشبو کے استعمال سے جراثیم بھی دور رہتے ہیں۔ غرض خوشبو کی ایک الگ دنیا ایک الگ

کہانی ہے جس میں ہم سب رہنا پسند کرتے ہیں جیسے جیسے سائنس اور کیمسٹری کا علم آگے بڑھتا رہے گا اس میں مزید پیش رفت ہوتی رہے گی ماہرین ہمیں نت نئی منفرد خوشبو سے مسحور کرتے رہیں گے اور شاید ایسی خوشبویات بھی ایجاد ہو جائیں جو جہالت کے اندھیروں کو روشنیوں میں تبدیل کر سکیں۔

یرغمال بوڑھے والدین

ثمینہ آج کل نہایت مصروف تھی اس کا گھر پنچایت کا گڑھ بنا ہوا تھا اس کا ایک قدم بڑے جیٹھ کے گھر تو کبھی دوسرا قدم چھوٹے جیٹھ کے گھر کبھی ایک پاؤ ں بڑی آپا (نند) کے ہاں تو کبھی دوسرا پاؤں باجی (نند) کے گھر چکر کاٹنے میں گزر جاتا تھا وہ اپنے مثبت مزاج کے باعث فریقوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ یا گھن چکر بنی ہوئی تھی ۔بات دراصل یہ تھی کہ ثمینہ کے بڑے جیٹھ اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی میں راضی خوشی سب بہن بھائیوں کو شریک رکھنا چاہتے تھے لیکن ! ان کی تمنا کسی طرح پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ بڑی باجی نے شادی میں شرکت کا بائیکاٹ کر دیا موقف ان کا بھی درست تھا انھیں غلہ تھا کہ جب انھوں نے اپنی پہلی بیٹی کی شادی کی تو بڑے بھائی صاحب ایک معمولی سی بات کو لے کر اتنے ناراض ہوئے کہ شادی میں شریک نہ ہوئے وہ خود تو شریک نہ ہوئے نہ سہی،اپنے ساتھ بوڑھے والدین کو رکھنے کے زعم میں نانا، نانی کو بھی نواسی کی شادی میں شرکت کی اجازت نہ دی نواسی کی شادی میں شرکت کرنے کا ارمان لئے نانا، نانی دل مسوس کر رہ گئے وہ دونوں کر بھی کیا کر سکتے تھے بیٹے کی حکم عدولی کا مطلب تھا گھر سے در بدری جو وہ بلکل افورڈ نہیں کر سکتے تھے اور بچوں کی نسبت وہ اپنے بڑے بیٹے کے ہاں زیادہ سہولت سے گزر بسر ہو رہی

تھی اس بات کا فائدہ اٹھا کر بڑے بیٹے نے ماں ، باپ کو یرغمال بنا لیا تھا جس سے جی چا
ہتا انھیں ملنے دیتے جس سے وہ خود ناراض ہوتے تو ماں باپ کو بھی جرات نہ تھی
کہ وہ ان سے رابطہ رکھتے خواہ وہ ان کی سگی اولاد ہی کیوں نہ ہو ثمینہ نے مجھے ایک مر
تبہ اپنا قصہ بھی سنایا تھا کہ کس طرح اسکے شوہر اور جیٹھ میں کسی بات پر تکرار ہو گئی
تھی تو جیٹھ صاحب نے ماں باپ کو پانچ سال تک بیٹے سے ملنے نہیں دیا ثمینہ کے شوہر
کبھی کسی تقریب تو کبھی کسی رشتہ دار کے ہاں اتفاقاً ماں، باپ سے ملتے وہ بھی چوری
چھپے کہ بھائی کو پتہ نہ چل جائے یہ سلسلہ پانچ سال تک چلا آخر صلح صفائی ہوئی اور ما
ں ، باپ سے ملنے کے راستے بحال ہوئے لیکن اب سیر کو سوا سیر کے مترادف بڑی با
جی ادھار چکانے کے موڈ میں تھیں سو وہ اس شادی میں کسی صورت شریک ہونے پر
راضی نہ تھیں جیٹھ صاحب کی جانب سے خاندان کے بزرگوں کو سفارشی مشن پر بھیجا جا
رہا تھا معافی اور در گزر کی کئی اسلامی اور خاندانی روایات و کہانیوں کے حوالے اور مثا
لیں پیش کی جا رہی تھیں مگر بڑی باجی ٹس سے مس نہ ہوئیں خاندان کے تمام بزرگ
ان کی اس دلیل کے آگے خاموش ہو جاتے اور انھیں حق بجانب سمجھتے ان کا شکوہ تھا کہ
بڑے بھائی کو د شریک نہ ہوئے کوئی بات نہیں مگر ماں ، ابا کو تو شرکت کی اجازت
دے سکتے تھے میرے گھر کی پہلی شادی تھی بھائی صاحب نے اماں ابا کو یرغمال بنا رکھا
ہے ۔ یہ ایک ہمارے معاشرے کا عام سا واقعہ ہے مگر المیہ یہ ہے کہ

نجانے ایسے کتنے والدین ہیں جو اپنے بچوں کے ہاتھوں یر غمال ہیں،نہ اپنی مرضی سے کہیں آ جا سکتے ہیں نہ کسی سے ملا سکتے ہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ٹی وی پر ایک سماجی پروگرام میں دیکھا جس میں ایک بوڑھے والد اپنا مقدمہ عوام کی عدالت میں لے کر آئے والد بزرگوار کے تین بیٹے تھے انھوں نے ڈرائیور کی نوکری کرتے ہوئے تینوں بیٹوں کو بہت اعلی تعلیم دلائی بیٹوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد جب زندگی کی دوڑ میں اچھے اسٹیٹس پر پہنچے تو والد کو اپنے پرانے دوستوں سے رابطہ رکھنے پر پابندی لگا دی بیٹے اس بات پر ہتک محسوس کرتے تھے کہ انکے والد معمولی کام کرنے والوں سے ملنا جلنا رکھیں۔ ہماری مشرقی اقدار میں والدین کی خدمت اور تعظیم پر اب بھی بہت سے گھرانے سختی سے پابند ہیں،لیکن ! جس تیزی سے ہمارے سماج میں مغربی لائف اسٹائل درآمد ہو رہے ہیں اس کی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی اب سے محض چند سال پہلے اولڈ ہاوس کے نام سے ہمارے لوگ سوچتے تھے کہ کیسی بری اولاد ہے جو والدین کو اولڈ ہاوس میں قید کرا دیتی ہے مگر آج ہمارے اپنے ملک میں بزرگوں کے لیے پناہ گاہیں بننی شروع ہو گئی ہیں اب نہ کوئی چونکتا ہے نہ افسوس و دکھ کا اظہار کرتا ہے کسی کو بھی اس بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ہے سب نے مصلحت کی چادر اوڑھ لی ہے اور کہیں والدین اولاد کے ساتھ رہتے بھی ہیں تو وہاں ثمینہ جیسی مثالیں بھی موجود ہیں

اولادوں نے اپنا ہی ضابطہ اخلاق والدین پر لاگو کیا ہوا ہے کہ جہاں جس سے ہم ملیں گے آپ بھی

اسی سے ملیں گے ورنہ سے آگے بہت کچھ ہے جو والدین کو یر غمال بننے پر مجبور کئے ہو ئے ہے۔

سمجھ نہیں آتا کہ ہم اپنے بزرگوں سے اس قدر لاپراوئی اور بے حسی کا رویہ کیوں رکھتے ہیں شائد ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم نے بھی کبھی بوڑھا ہو نا ہے بات چل نکلی تو میں آپ کو ایک اور رویہ سے متعارف کراتی جاؤ ں اسی معاشرے میں ایک ایسی خاتون کو جا نتی ہوں جو اکلوتی بہو ہو نے کے زعم میں مبتلا ہیں گھریں ساس بہو کی معمولی سی ان بن پر وہ پچھلے پندرہ سالوں سے اپنی ساس سے ناراض ہیں اورایک ہی گھر میں رہتے ہو ئے سلسلہ کلام کو بند کئے ہوئے رہنا اس طرح کی بے رخی وہ کس طرح نبھاتی ہو ں گی عقل حیران ہے۔ان کی بوڑھی ساس کو خاندانی تقریبات میں خاموشی سے کو نے میں بیٹھے دیکھتی ہو ں تو دل بہت دکھی ہوتا ہے کیونکہ اس نا رضگی والی با ت کا بہت کم لو گوں کو علم ہے ایسی نجانے کتنی خاموش مثالیں ہمارے آس پا س مو جو د ہیں ہمیں خبر بھی نہیں ہو گی وقت جس تیزی سے گزر رہا ہے اور ہم ماہ سال کو گن بھی نہیں پا تے کہ کیلنڈر تبدیل ہو جاتے ہیں یہ یا د رکھنا چا ہیے کہ بے بسی کا یہ دور جلد ہم سب پر بھی آنے والا ہے خدارا اپنے بزرگوں سے اچھے برتاؤ کی ایسی مثالیں اپنے بچوں کے سامنے پیش کریں کہ وہ بزرگوں کی خدمت کو زندگی کالازم و ملزوم حصہ سمجھنے لگے آج اگر ہم اپنے والدین کو یر غمال بنائیں گے تو کل

تا وان بھی تو ہمیں ادا کرنا ہو گا یہ تو سب جانتے ہیں کہ جیسا کریں گے ویسا ہی بھریں گے

۔

جنگ بدر مسلمانوں کے لیے ایک پیغام

بقول مولانا آزاد کہ " دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیات الھیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں " پھر ایسے خون شہادت کا کیا مرتبہ کہ جس میں لڑنے والوں نے صرف اللہ تعالی کی رضا و خو شنودی کو اپنا مرکز عمل سمجھا۔دنیا کی تاریخ لڑائیوں اور جنگوں سے بھری پڑی ہے لیکن وہ جنگ جس کا مدعا نہ جہاں گیری ہو ،نہ اقتدار کا شوق ،نہ مال غنیمت جمع کر نے کا لالچ ، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو یہ.ٹرے دل گردہ چاہتی ہے آپ تمام غزوات اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو ان ہیں دو ہی چیزیں قدر مشترک نظر آئیں گی اول جہاد فی سبیل للہ دوئم اپنی مدافعت اور حق وانصاف کا حصول۔اسلام کی پہلی جنگ بدر بھی مسلمانوں نے اپنی مدافعت میں مشرکین مکہ سے لڑی تھی ۔

17 رمضان المبارک سن 2 ھجری جمعہ کے دن کفار مکہ اور اہل ایمان کے درمیان بدر کے مقام پر یہ معرکہ ہوا بدر ایک گاؤں کا نام تھا جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا یہ مقام شام سے مدینہ جانے کے دشوار ترین راستے سے ہو کر گذرتا ہے مکہ کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گزرا کرتے تھے قریش کے تجا

رتی قافلہ سے حضرت عبداللہؓ کی جھڑپ ہو گئی جس میں قریش کے ایک رئیس اعظم کا بیٹا قتل ہوا اور دو گرفتار ہوئے اس واقعہ نے قریش کو مشتعل کر دیا نیز انھیں اطلاع ملی کہ ان کے تجارتی قافلے پر مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔ادھر جب آنحضرت ﷺ کو ان سب باتوں کا پتہ چلا تو انھیں بہت افسوس ہوا انھوں اس کا خون بہا ادا کر دیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا مگر قریش جو کہ مسلمانوں کی ہجرت اور انکی بڑھتی ہوئی تعداد سے سخت خائف تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا جاسکے وہ بھلااس سنہری موقع کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے کفار قریش کو بدر کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ تجارتی قافلہ بحفاظت مکہ پہنچ چکا ہے تو کئی سرداروں نے مشورہ دیا کہ اب لڑنا ضروری نہیں لیکن ابو جہل نہ مانا انھیں اپنی بہادری اور لاؤ لشکر کا بہت گھمنڈ تھا فوج آگے بڑھی قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے انھوں نے مناسب جگہوں پر قبضہ کر لیا بخلاف مسلمانوں کی طرف کوئی چشمہ اور کنواں نہ تھا زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ان میں دھنس دھنس جاتے تھے تائید ایزدی سے بارش ہوئی جس سے گرد جم گئی مسلمانوں نے جا بجا پانی روک کر چھوٹے چھوٹے تالاب بنا لیے تاکہ وضو اور غسل کے کام آسکے اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد مشرکین کے مقابلے میں انتہائی قلیل تھی مشرکین مکہ کی تعداد جو کہ 1000 ہزار تھی 300 گھوڑے اور ۷۰۰ اونٹ تھے ،جب کہ مسلمانوں کی تعد313 70, اونٹ اور صرف تین

گھوڑوں پر مشتمل تھی مگر صحابہ کرام کے دل جذبہ ایمانی کی طاقت سے مالامال تھے انھیں اپنے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پر پورا بھروسہ تھا۔

لشکر اسلام کا یہ قافلہ 16 رمضان المبارک کو بدر کے مقام پر پہنچا حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ زمین پر ایک خاص جگہ ہاتھ رکھتے اور فرماتے کہ فلا ں کافر کے مرنے کی جگہ ہے حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں دوسرے روز جنگ ختم ہوئی تو ہم نے ان نشانات کی جگہ کو دیکھا ہر کافر اسی جگہ مرا پڑا تھا جس جگہ آپ ﷺ نے نشانات لگائے تھے اس جنگ میں حضور ﷺ کے لیے جنگی ہیڈ کوارٹر کے طور پر ایک جھونپڑی بنائی گئی تمام صحابہ کرامؓ نے رات بھر آرام کیا صرف ایک ذات تھی جو رات بھر نماز اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کرتی رہی آپ ﷺ نے نہایت رقت آمیز لہجے میں دعا فرمائی " یا اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر ! اے اللہ اگر آج اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبا دت نہیں ہو گی " آپ ﷺ کی رقت آمیزی دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا " اے نبی ﷺ اللہ سے آپ کی یہ دعا ہی کافی ہے آپ ﷺ کا رب آپ کی دعا اور وعدہ کبھی رد نہیں کرے گا "۔ دوسرے دن جنگ شروع ہوئی اس جنگ میں زیادہ تر صحابہ کرام اور کفار قریش آپس میں قریبی رشتہ دار تھے مسلمان ہونے کے بعد ان کے لیے یہ خونی رشتے اللہ کی محبت میں بے معنی ہو گئے وہ اپنے

بیٹوں، بھائیوں اور باپ کے خلاف صف آرا ہوئے صرف ایک رشتہ باقی رہا جو اللہ کی ذات سے تھا اس جنگ میں کافروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا' ابو جہل اور عتبہ جیسے بڑے سرداروں کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی مسلمانوں نے انکو گرفتار کرنا شروع کر دیا قریش کے بڑے معتبر لوگ گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی جا کر خبر لائے کہ ابو سفیان کا کیا حال ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابو سفیان کی گردن کاٹ کر آپ ﷺ کے قدموں رکھ دی اس جنگ میں مسلمانوں کے 14 صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی جب کہ قریش کے بڑے سرداروں سمیت 70 لوگ مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔اس جنگ کے بعد قریش کا نشہ ہرن ہو گیا بدر کی فتح سے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا اب وہ محض دین اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ ایک سیاسی طاقت کی حیثیت بھی اختیار کر چکے تھے انھوں نے ظالمانہ قوت کو مٹا کر عدل وانصاف کی سلطنت قائم کرنے کی بنیاد رکھ دی۔

اس جنگ سے مسلمانوں کے لیے کئی پہلو سے سبق اور نئی راہیں موجود ہیں ایک طرف آپ ﷺ نے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا تو دوسری طرف آپ ﷺ نے فدیہ دے کر انھیں چھوڑنے کا حکم بھی دیا جو نادار تھے اور پڑھے لکھے تھے ان کو فدیہ کے طور پر دس دس بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری دی اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ ﷺ تعلیم کو کتنی اہمیت دیتے تھے اس معرکہ میں دو صحابہ کرامؓ جنگ

کے لیے آرہے تھے تو قریش نے ان کو اس وعدہ پر جانے دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے انھوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افرادی قوت کی کمی ہونے کے باوجود انھیں جنگ میں حصہ لینے سے روک دیا اس سے آپ ﷺ کے وعدہ اور اپنی بات پر قائم رہنے کی اہمیت کا ندازہ ہوتا ہے۔

آج اگر ہم تھوڑی دیر کو یہ سوچیں کہ اس زمانے میں 17 رمضان المبارک کو مسلمان کس قدر مشکلات کا شکار تھے نہ کھانے کو کچھ تھا، نہ پہنے کو ڈھنگ کا کپڑا، نہ رہنے کو مکان اور نہ زندگی گزارنے کے لیے تحفظ کا کوئی سائبان تھا ہر طرف دشمن ان کی طاق میں تھے کہ کسی طرح ان کو نیست ونابود کر دیا جائے ان حالات میں انھوں نے محض اپنے جذبہ ایمانی کی بنیاد پر اتنی بڑی فوج سے یہ جنگ لڑی اور فتح حاصل کی آخر ہم بھی تو اسی دین کے پیروکار ہیں اسی اللہ کو ماننے والے ہیں پھر کیوں ہم اس قدر بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اتنے بے بس اور ذلیل و خوار ہیں ہم کیوں آپس میں مسلمان ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوئے ہیں آج اپنے ہی مسلمان بھائی کا گلا کاٹنے پر فخر محسوس کرتے ہیں کیوں ہم لسانی بنیادوں پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں اس سے نقصان تو ہمارا اور ہماری نئی نسلوں کا ہے جو عدم تحفظ کا شکار ہو کر رہ گئی ہے جو نہ اسکول وکالج جا

سکتے ہے نہ روزگار کے مواقع تلاش کر سکتے ہے ہم سب کو رہنا اسی ملک میں ہے تو کیوں ان لوگوں کی حمایت میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کو قربان کر رہے ہیں جن کے اثاثے بیرون ملک ہیں جو کسی بھی مشکل وقت میں ملک چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے بھگتنے کے لیے غریب عوام رہ جائیں گے اس بارے میں ہم سب کو سوچنے کی ضرورت ہے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ یہ محض ایک تاریخی واقعہ ہی نہیں کہ جس میں مسلمانوں نے اپنے خون بہا کر فتح حاصل کی بلکہ ہم سب کے لیے ایک سبق،ایک پیغام بھی ہے۔

یوم القدس

بیت المقدس کا تصور بچپن سے میرے لیے ایک خاص کشش کا باعث رہا ہے بیت المقدس جو تاریخی اعتبار سے انبیاء کرام اور پیغمبروں کی سرزمین کہلاتی ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں کی اولین قبلہ گاہ رہی ہے مسجد اقصیٰ کی روحانیت اور اس کے دامن میں بنی بیت الصخرہ ایک خوبصورت سنہرے گنبد اور اسلامی فن تعمیر کا اعلیٰ شاہکار مسجد ہے ہر مسلمان کی طرح میں نے بھی اس آرزو کو دل میں جگہ دی کہ کبھی نہ کبھی اسکی زیارت ضرور ہو گی ایک نہ ایک دن اسلامی مرکز کے روشن ستاروں میں سے ایک ستارہ ضرور بنے گا اس یہاں پنج وقتہ اذانیں اور نماز کا روح پرور نظارہ بھی ہو گا لیکن آج جب انٹرنیٹ پر اس مسجد کی شکستہ دیواریں اور جگہ جگہ کھدائی کی ہوئی حالت دیکھتی ہوں تو بے حد دکھ ہوتا ہے خاص کر اس بات پر کہ دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہوتے ہوئے اس مسجد کی یہ حالت ہم سب کے لیے باعث شرمندگی وندامت اور لمحہ فکریہ ہے اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اقوام متحدہ کے چارٹر آف انسانی حقوق میں بھی تمام انسانوں کو اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی کھلی آزادی ہے یہ وہ حق ہے جسے کسی طور پر بھی ختم نہیں کیا جا سکتا لیکن فلسطین کی سرزمین پر مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کی جنگ شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو

گیا ہی۔

فلسطین کا شہر جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے لیے مقدس سرزمین کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حضرت سلیمانؑ کی تعمیر کردہ معبدہیں جو بنی اسرائیل کے نبیوں کا قبلہ سمجھا جاتا ہے یہی شہر حضرت عیسیٰ علیہٰ سلام کی جائے ولادت ہے اور انھوں نے اپنی تبلیغ کا مرکز بھی اسی شہر کو بنائے رکھا ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ چٹان سے نیچے معراج کی رات ہمارے پیارے نبیؐ حضرت جبرائیل امین کے ہمراہ براق پر سوار ہو کر آسمان پر گئے جہاں اللہ سبحان وتعالی نے انھیں نماز کا تحفہ عنایت فرمایا مسلمانوں نے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے تک اسی طرف رخ کرکے نمازیں ادا کی۔ 2 ھجری 624 ء ھجری تک یہ مسلمانوں کا قبلہ اول رہابیت المقدس جسے القدس بھی کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ سلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ سلام نے عراق سے ہجرت کرنے کے بعد یہاں بیت المقدس کی تعمیر کی حضرت یعقوب علیہ سلام نے وحی الہیٰ کے حکم سے مسجد بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی بنیاد ڈالی جب نبی کریمؐ معراج کو جاتے ہوئے بیت الصخرہ پر پہنچے تو وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ کوئی ہیکل تھا اس لیے قرآن مجید میں اس جگہ کو مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ 7 ھجری 630ء میں عہد فاروقیؓ میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو اس علاقے کو صاف کیا گیا وہاں ایک چٹان نظر آئی اس

چٹان کے ساتھ ایک مسجد بنائی گئی جو مسجد اقصیٰ کہلائی خلیفہ عبدالماک بن مروان کے عہد میں 85 ء میں 91 ء کے درمیاں کثیر سرمائے سے چٹان کے اوپر صخرہ معراج پر قبلہ الصخرہ تعمیر کیا گیا جو اس وقت کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھی یہ ہشت پہلو عمارت پچھلی تیرہ صدیوں سے دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ 1099 ء پہلی صلیبی جنگوں کے موقع پر یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرکے ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کو شہید کیا 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو دوبارہ عیسائیوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ پہلی جنگ عظیم دسمبر 1917ء میں جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لے کر فلسطین عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اس کے نتیجے میں 78 فی صد علاقے پر اسرائیل قابض ہو گیا تیسری عرب اسرائیل جنگ جون 1967 میں اسرئیلوں نے بقیہ فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا یہ امریکہ اور برطانیہ ہی تھے جنھوں نے پہلی جنگ عظیم سے پہلے اسرائیلیوں کو فلسطین میں بسانے کی کوشش میں پیش پیش رہے اور فلسطینی عوام کو ان کی زمین سے بے دخل کرنے میں ہر طریقہ کی تعاون اور مدد اسرائیل کو دیتے رہے، آج برطانیہ کی اسی شہ کی بناء پر فلسطینی مسلمان اپنے ہی وطن میں مہاجرین کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔948ء میں فلسطینی سرزمین پر اسرائیل نے اپنی ریاست بنانے کا اعلان کیا تو امریکہ اور برطانیہ نے بھرپور تعاون کیا برطانیہ کے اسی تعاون کی وجہ سے اسے " اسرائیل کا

خنجر" کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔برطانیہ میں قائم ہونے والی ہر حکومت نے فلسطین ،اسرائیل مسئلہ کو حل کرنے کا دعویٰ بڑے زور شور سے کیں، مگر عملی اقداما ت پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔اسرائیل کی ہر ظالمانہ کاروائی کو نظرانداز کرنے کی پالیسی نے اسے اس قدر دلیر بنا دیا ہے کہ اسکا جب جی چاہتا ہے نہتے فلسطینیوں پر بکتر بند ٹینکوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہیں ہم آئے دن ان کی بربریت کا منہ بولتا ثبوت فلسطینی شہید بچوں ،نوجوانوں اور روتی التجا کرتی ماؤں کی صورت میں میڈیا پر دیکھتے ہیں مگرانسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اسرائیلی مغربی قوموں سے اپنی ہر جائز وناجائز بات منوانے پر قادر ہیں۔

جب تک پوری امت مسلمہ اسرائیل کے خلاف متحد ہو کر فلسطینی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتی اس وقت تک اسرائیل کے ظلم کم ہونے والے نہیں پوری دنیا میں میں القدس منا نے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب تک ہم خود متحد نہ ہوں گے انسانی حقوق کے علم بردار مغربی ممالک کواسرائیلی سرپرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے کیسے اقدامات پر اکسا سکتے ہیں ترکی جو اسلامی ممالک میں واحد ملک ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا لیکن کچھ عرصے قبل ترکی کے

امدادی سامان پر ہونے والے حملہ کے بعد اس کی طرف سے فلسطینی مسلمانوں پر ہو نے والے مظالم کے خلاف شدت آئی ہے اسرائیل نے معاہدہ کیمپ ڈیوڈ اور معاہدہ اوسلو کے تحت مذاکرات میں آزاد فلسطینی ریاست کے حق کو تسلیم کیا تھا وہ اس سے اب منکر ہے دیگر ممالک کے شرکاء میں برطانیہ اور امریکہ شامل تھے جنھوں نے اس معاہدے کی رضامندی دی تھی لیکن یہ ممالک بھی آج خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اس وقت عالم اسلام اہم سنگین مسئلوں سے دوچار ہے جن میں پہلا القدس کی آزادی، برما کے لاکھوں مسلمانوں کی دربدری و کسمپرسی اور مسئلہ کشمیر سرفہرست ہے قبلہ اول کی آزادی صلب ہوئے مدت ہوئی فلسطین نے آزدی کے لیے ایک طویل جنگ لڑی آج ان کا اپنا وجود لہو لہو ہے نقل مکانی کیے کئی عشرے گذر گئے وہ کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں آج پوری امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہو ئے قبلہ اول کو ان کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے متحد ہو کر نتیجہ خیز اقدامات کرنے ہوں گے تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو اسرائیل کی غاصبانہ قبضے سے رہائی دلا نے کے لیے سوچنا ہوگا کچھ کرنا ہوگا۔

ایک کالم۔ شہیدۃ الحجاب کے نام

میں نے یہ کالم حجاب ڈے کے حوالے سے لکھا ہے امید کہ پسند آئے گا۔ عالم اسلام میں حجاب ڈے ۴ ستمبر کو منایا جاتا ہے۔

مروہ الشربینی جب بھی گھر سے باہر نکلتیں ان کو اپنے حجاب کی وجہ سے کئی حیران اور سوالیہ نظروں کا سامنا کرنا پڑتا مروہ الشربینی کا تعلق مصر سے تھا وہ ایک مسلمان شادی شدہ شعبہ طب (فارمیسی) سے وابستہ بتیس سالہ خاتون تھیں مروہ اپنے شوہر ایلوے علی اوکاز اور تین سالہ بیٹے مصطفیٰ کے ہمراہ جرمنی میں مقیم تھیں کہنے کو تو ساری دنیا میں مسلمانوں کو شدت پسند، مذاحمت کار اور دہشت گرد جیسے خطابات سے نوازا جاتا ہے لیکن ان خوبیوں سے آراستہ لوگوں کی مغرب میں کمی نہیں جرمنی جیسے ترقی یافتہ ملک میں روسی نژاد نسل پرست ایک شہری (Alex) الیکس بھی اپنی اسلام دشمن جنونیت میں بہت آگے تھا ساری دنیا میں مسلم خواتین کی پہچان اسکارف سے ہے مروہ الشربینی بھی اسکارف لیتی تھیں مروہ جب گھر سے باہر نکلتیں ایلکس ان کا پیچھا کرتا انھیں ہراساں کرنے کی کوشش کرتا اس نے کئی بار ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی وہ انھیں حجاب کے ساتھ رہنے پر اکثر سخت الفاظ میں طنزیہ جملے کستا۔

تنگ آکر مروہ الشربینی نے قانون کی مدد چاہی مروہ کی شکایت پر ایلکس پر جرمانہ کیا گیا جولائی 2009ء کو عدالت میں مقدمہ کے دوران دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو ایلکس 1 نے بھری عدالت میں مروہ پر حملہ کر دیا۔ تمھیں جینے کا کوئی حق نہیں،، کی تکرار کرتا ہوا ایلکس تیز دھار چاقو سے مروہ پر پے در پے ۹ ا حملے کئے مروہ کو اس کے تین سالہ بیٹے اور شوہر کے سامنے اسے شہید کر دیا گیا مروہ کے شوہر جب انھیں بچانے کے لیے آگے بڑھے تو وہاں موجود پولیس نے ان پر گولی چلا دی وہ شدید زخمی ہو گئے جس طرح یہ دردناک واقعہ پیش آیا دہشت گردی اور لاقانونیت میں اپنی مثال آپ ہے جرمن پولیس بس منہ دیکھتی رہ گئی تین ماہ سے حاملہ مروہ الشربینی اسلام دشمن نفرت اورتعصب کی بھینٹ چڑھ گئی مروہ الشربینی کی میت جب مصر لائی گئی تو ائیرپورٹ پر اس کا استقبال کرنے کو لاکھوں مصری بہن بھائی موجود تھے جو اس کی شھادت پر سوگوار تو تھے لیکن اس بات پر مطمئن تھے کہ ان کی قوم کی بیٹی نے اپنی اسلامی ثقافت و تہذیب پر جان قربان کر دی قوم کی اس بیٹی کو عالم اسلام نے (شہیدۃ الحجاب) کے خطاب سے نوازا۔ ادھر جرمن عدالت نے مجرم ایلکس کو ذہنی مریض قرار دے کر موت کے منہ سے بچالیا حلانکہ ایلکس جیسے مجرم کو کیفر کرارتک پہچانے کے لیے کسی گواہ، کسی ثبوت اوروکیل کی ضرورت باقی نہیں تھی اس نے بھری عدالت میں جرم کیا تھا اس واقعہ نے پورے عالم اسلام میں مسلم خواتین کے لیے اسکارف کو لے کر سوچ کا ایک نیا در کھول دیا آخر

دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو مسلم خواتین کے اسکارف پہننے سے پرابلم کیا ہے ؟
ہم مسلمان ملکوں میں رہنے والی خواتین اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انھیں اسکارف پہننے کی کھلی آزادی ہے جب کہ غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمان اپنے نظریئے کی جنگ میں مصروف ہیں وہاں مسلم خواتین بھی اسکارف کو لے کر رکاوٹوں کا سامنا کر رہی ہے نائن الیون کے بعد جس طرح مغربی ممالک میں اسلام کے خلاف کھل کر تنقید شروع ہوئی ہے وہاں مسلم خواتین کی پہچان حجاب کو لے کر بولنے کا چلن بھی عام ہو اہے انھیں معاشرتی روکاوٹوں کا سامنا ہے کہیں ان پر تعلیمی دروازے بند کئے جاتے ہیں تو کبھی ملازمت کے حصول میں ان کا لباس آڑے آتا ہے حجاب پہننے کے خلاف بعض ممالک یں سخت قوانین نافذ ہیں مغربی ممالک میں فرانس پہلا متعصب ملک ہے جس نے مسلم خواتین کو گھر سے باہر حجاب پہن کر نکلنے پر پابندی عائد کر دی ہے جرمانے کے ساتھ سات دن قید کی سزا کا بھی قانون نافذ کر دیا ہے فرانس کی پیروی کرتے ہوئے بیلجیم نے بھی مسلمانوں سے یہی سلوک روا رکھنا شروع کر دیا ہے۔
فرانس نے 2003ء میں حجاب پر پابندی کا قانون اسمبلی میں پیش کیا جس کے جواب میں عالم اسلام کے ممتاز رہنما علامہ یوسف القرضاوی نے 2004ء میں بین

الاقوامی کانفرس (او آئی سی) میں 4 ستمبر کو ساری دنیا میں عالمی حجاب کا دن منانے کی تجویز پیش کی جو منظور کر لی گئی یہ بھی حقیقت ہے کہ 2004 ء کو حجاب کا عالمی دن منانے کے فیصلے کے بعد پوری مغربی دنیا میں حجاب کو لے کر ایک نئی بحث کا آغاز ہو چکا ہے مغربی دنیا اس سے قبل اس شدت سے پردے کی مخالفت کا اظہار نہیں کرتی تھی جس قدر تعصب اب روا رکھا جا رہا ہے ایسا اس لیے بھی ہے کہ انسانی نفسیات ہے کہ جس چیز سے وہ خوف زدہ ہوتا ہے اس کی مخالفت بڑھ چڑھ کرتا ہے شیطان کا کام ہی انسانوں کو درست راستے سے ڈرانا ہے دور کرنا ہے۔ڈاکٹر سمعیہ قاضی نے اس بارے میں خوبصورت بات کہی ہے کہ بے حجابی شیطان کی اولین چال تھی جس میں اس نے حضرت آدمؑ کو گرفتار کیا اور آج تک اس کی کوشش ہے کہ ابن آدمؑ کو گمراہ کر کے اس کے لباس سے محروم کردے،،۔بحثیت مسلمان ہم سب کو اس دن اپنی اسلامی ثقافت کو زندہ رکھنے کے لئے اسے منانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے یہاں میں اتنی بات ضرور کہوں گی کہ حجاب کے بارے میں مثبت رائے رکھنے والوں کو خدارا! دقیانوسی، جاہل، حقیر مت سمجھیں اس لیے کہ آج کی دنیا میں اسکارف پہننے والی خواتین ہر شعبے میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں حجاب نے ان کی مرتبے، عزت و توقیر میں اضافہ کیا ہے ان کو اعتماد اور وقار بخشا ہے۔اسکندریہ کی مٹی میں محو خاک مروہ الشربنی بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ حجاب محض ایک ڈیڑھ گز کپڑے کو سر لپیٹنے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک

مسلمان خاتون کے حیا و عفت کا ترجمان ہے۔

قائداعظمؒ محمد علی جناح کا آخری سفر۔۔

قریب ہی مہاجرین کی سینکڑوں جھگیاں تھیں وہ اپنے روز مرہ کے کاموں میں
مصروف تھے انھیں معلوم نہ تھا کہ ان کا قائد جس نے انھیں ایک وطن لے کر دیا ان
کے درمیان موجود ہے اور ایک ایسی پرانی ایمبولینس میں بے یارومددگار پڑا ہے جس
کا پٹرول بھی ختم ہوگیا ہے کاریں ہارن بجاتی گزر رہی تھیں ٹرک اور بسیں اپنی منزل
کی جانب رواں دواں تھیں میری ساری زندگی میں کوئی اور گھنٹہ اتنا طویل اور درد نا
ک نہیں آیا تب خداخدا کرکے ایمبولینس آئی کتنی عجیب بات تھی کہ دو گھنٹے میں ہم
کوئٹہ سے کراچی پہنچے اور دو گھنٹے ہمیں ماڑی پور سے گورنر جنرل ہاؤس پہنچنے میں لگے
قائد کے ڈاکٹر نے دبی آواز میں فرمایا، فضائی سفر ان کی حالت کے لیے کیا کم ہی
خراب تھی کہ ایمبولینس کا انتہائی تکلیف دہ واقعہ پیش آگیا،، گورنر ہاؤس پہنچ کر قائد
گہری نیند سوگئے میرا بھائی گہری نیند سو رہا تھا میرے ذہن میں گویا وجدان تصور
ابھرااور میں نے یہ محسوس کیا کہ یہ پرسکون نیند بجھنے والی شمع کی لو کی آخری چمک ہے
دو گھنٹوں کی پرسکون نیند کے بعد بھائی نے آنکھیں کھولیں اشارے سے قریب آنے
کو کہا آخری مرتبہ کوشش کرکے زیر لب مجھ سے مخاطب ہوئے ؛ فاطی خدا حافظ،،
کلمہ شہادت کے بعد ان کا سر آہستگی سے دائیں جا

نب ڈھلک گیا اور آنکھیں بند ہو گیں چند منٹ میں ڈاکٹر جمع ہو گئے میں گم سم کھڑی سب کچھ دیکھ رہی ہوں انھوں نے بھائی کو سر سے پیر تک سفید چادر سے ڈھک دیا میں اس کا مطلب سمجھ گئی تھی کہ موت انھیں اس زندگی کی طرف لے گئی تھی جو لا فانی ہے ابدی ہے ڈاکٹر الہیٰ بخش بو جھل قدموں سے میری جانب بڑھے اور میرے کاندھے، پر سر رکھ کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رودیئے ان آنسوؤں نے مجھے ساری بات سمجھا دی،، میرا بھائی کے عنوان سے محترمہ فاطمہ جناح کی یہ تحریر قائد کی زندگی کے آخری لمحات کی حقیقت بیان کر رہی ہے کہ اس عظیم مملکت کے بانی کی ایمبولینس کراچی کی سڑک پر خراب حالت میں کھڑی ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ اس میں کون سی ز ندگی سانس لے رہی ہے قائد اعظم کی بے کسی اور مادر ملت کی بے بسی ایک سازش نظر آتی ہے یہ ان لوگوں کی سازش ہے جو قائد کو اپنے گھناونے عزائم میں راستے کی دیوار سمجھتے تھے۔ قائد کا فرمان تھا کہ ’زندگی کے ہر شعبے میں کیریکٹر کی بلندی ضروری چیز ہے آپ میں احساس خودی کردار اعلیٰ کے ساتھ ساتھ یہ صنف بھی ہونا چاہیے کہ آپ دنیا میں کسی کے ہاتھ بک نہ جائیں‘ قائد اعظمؒ خود اس قول کا جیتا جاگتا نمونہ تھے مگر افسوس کہ قائد کے قریبی ساتھیوں میں ایسے لالچی اور خود غرض لوگ موجود تھے جو پاکستان کو اپنے ذاتی مقاصد کے مطابق چلانے کی کوششوں میں مصروف تھے یہ اس عظیم آدمی کی داستان حیات کا انجام ہے جس نے کبھی اپنی راہ کھوٹی نہیں ہونے دی وہ آدمی

جو عمر بھر اپنے مقاصد سے جڑا رہا جس نے اپنے طے کردہ ہدف کو حاصل بھی کیا اور اس پر کبھی کسی زعم کا شکار بھی نہ ہوا قدرت جب کسی کا انتخاب کر لیتی ہے تو وہ دوسروں جیسا نہیں رہتا قائد اعظمؒ کی پوری زندگی بھی عام لوگوں سے مختلف تھی۔

اس کندن جیسی شخصیت نے 25 دسمبر 1876ء نیو تھم روڈ کراچی کے ایک گھر میں آنکھ کھولی 6 برس کی عمر میں مدرسہ اور پھر سندھ مدرستہ اسلام اسکول میں داخل ہوئے جس کے دروازے پر لکھا تھا کہ ' علم حاصل کرنے کے لیے آؤ اور خدمت کے لیے جاؤ' زمانہ طالب علمی میں ان کے جوہر کھلنا شروع ہوئے دسویں جماعت امتیازی نمبروں سے پاس کی جس کے بعد آپ کی شادی مٹھی بائی سے ہو گئی والد کاروبار میں شریک کرنا چاہتے تھے لیکن بیٹے کے مزید تعلیمی شوق کی خاطر انگلستان بھیجنے پر راضی ہو گئے لندن پہنچ کر لنکن اِن میں داخلہ لیا جس کے صدر دروازے پر عظیم ترین قانون سازوں کے نام درج تھے جن میں سر فہرست محمد ﷺ کا نام مبارک تھا۔ لندن میں بڑی محنت سے قلیل مدت میں تعلیم حاصل کی قائد اعظمؒ 1896ء کو لندن سے قانون کی اعلیٰ ڈگری لے کر واپس ہندوستان آئے اس دوران آپ کی شفیق والدہ اور بیوی کا انتقال ہو چکا تھا والد کی طویل علالت کے باعث علاج پر پیسہ پانی کی طرح بہایا دوسری جانب کاروبار پر بھی توجہ نہ دے سکے جس کے باعث کاروبار

بھی تباہ ہو گیا گویا کراچی آتے ہی قائدِ اعظمؒ نے تین سال انتہائی تنگ دستی اور عسرت میں گزارے مگر اپنے کام کو انتہائی تندہی، محنت اور جرات ء سے کرتے رہے 1900 ء میں پریذیڈینسی مجسٹریٹ کے انتخابات یں ہبڑے بڑے کامیاب وکیلوں کے مقابلے میں آپ کامیاب ہوئے ہر بڑے آدمی کی کچھ خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں قائدِ اعظمؒ میں ایسی بہت سی خوبیاں تھیں آپ کی خوش لباسی ضرب المثل بن چکی تھی آپ کی نشست وبرخاست اور گفتار دیکھ کر ایک امریکی ڈرامہ نویس کو کہنا پڑا کہ "صد افسوس دنیائے اسٹیج نے ایک عظیم آرٹسٹ کو کھو دیا" قائدِ اعظمؒ وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے جس طرح وہ اپنی رائے کا اظہار نہایت بے باکی اور جرات سے کرتے تھے اسی طرح دوسروں سے بھی اس کی امید رکھتے تھے جب کوئی فیصلہ ہو جاتا تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے قائدِ اعظمؒ نے اپنی زندگی میں رتن بائی کو شامل کرنے کا فیصلہ کئی مخالفتوں کے باوجود کیا 19 اپریل 1908ء کو رتن بائی نے اسلام قبول کیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

قائدِ اعظمؒ کی ذاتی زندگی سے الگ آپ اپنی قوم کی محبت اور ان کی فلاح کے جذبہ سے بھی سرشار تھے دادا بھائی نوروجی کی تربیت نے قائدِ اعظمؒ کے دل میں وطن کی محبت کا جذبہ بھر دیا تھا یہاں سے ایک نئے سفر نئی منزل

اور ولولے کا آغاز ہوتا ہے قائد اعظمؒ کی قیادت ہیں مسلمانوں کا کاروان آزادی حصول پاکستان کی جانب رواں دواں ہوا1940ء میں قرارداد پاکستان کامیاب ہوئی اور صرف سات سال کے قلیل عرصے میں پاکستان معرض وجود میں آگیا اسے معجزہ کہ لیں یا اس مرد مجاہد کی شب روز کی انتھک محنت کا نتیجہ دنیا کے نقشے پر ایک بڑی اسلامی ریاست بن کر ابھرا قائدؒ نے اپنی زندگی کی آخری دھائی علیحدہ وطن کی خاطر انگریزوں اور ہندوؤں سے لڑتے گزار دی ڈاکٹر انھیں پہلے ہی کہ چکے تھے کہ اتنا زیادہ کام صحت کے لیے ٹھیک نہیں شب و روز کی محنت نے انکی بیماری کو بڑھا دیا وزن جو 112 پونڈ تھا تیزی سے گرنے لگا سانس پھولنے اور کھانسی میں مسلسل اضافہ ہوگیا 6 جولائی 1948ء کو مادر ملت بھائی کو بغرض آرام کوئٹہ لے گیں لیکن قائد کی صحت مسلسل خراب ہوتی گئی یکم ستمبر کو انھیں برین ہیمرج کا حملہ ہوا ڈاکٹر الہیٰ بخش نے مشورہ دیا کہ انھیں کراچی لے جانا چاہیے کوئٹہ کی بلندی ان کے لیے ٹھیک نہیں تو انھیں کراچی لے آیا گیا۔

مادر ملت 11 ستمبر 1948ء کا دن یاد کرتے ہوئے ہوئے فرماتی ہیں کہ 'جب میں کراچی میں اس مزار کو خشت بہ خشت بلند ہوتے دیکھتی ہوں جو میرے بھائی کی باقیات کے سایہ فگن ہو رہا ہے تو اس دن کی اذیت ناک یادیں غول در غول وارد ہونے لگتی ہیں جب میں اپنے بھائی سے ہمیشہ کے لیے محروم اور میری قو

م یتیم ہو گئی میں مناسب سمجھتی ہوں کہ ان کی قبر پر جاؤں فاتحہ پڑھوں عقیدت کے پھول چڑھاوں محبت کے آنسو نچھاور کروں ،، آج جب ہم تمام پاکستانی اپنے بابائے قوم کی برسی منارہے ہیں تو ہمارے اپنے دامن میں ایسا کیا کارنامہ ہے جو ہم اس عظیم لیڈر کو پیش کرسکیں جو خواب لے کر انھوں نے پاکستان کی بنیاد رکھی تھی کیا ہم تمام پاکستانیوں نے اسے تعبیر دی ہے ؟ اس بارے میں پورے خلوص سے ضرور سوچئے۔

آیئنے

رضا جعفری ہندوستان کے ایک نام قلم کار ہیں گذشتہ چالیس برسوں کے دوران ان کی کہانیاں اردو اور ہندی زبانوں میں ہندوستان کے مقتدر جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں یوں تو ان کا قلم سماج کے سبھی طبقوں کے دکھ درد میں شریک رہا مگر تقسیم کے بعد جو مسلم خاندان اپنے بزرگوں کے مسکن کو چھوڑ کر جانے پر راضی ہوئی ان پر کیا گزری (راستے کھول دو) اسی موضوع پر بہت خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ ہے اسی سے مطلق ایک کہانی (آیئنے) پیش خدمت ہے۔ عینی نیازی

--------------------------------------آیئنے--------------------------------------

یہ سن اسّی کی بات ہے چھوٹے ماموں نے کراچی سے روانہ ہو کر دہلی پہنچنے کی اطلاع دی سارے گھر میں بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی یہ خبر اتنی اچانک اور چونکا دینے والی تھی کہ ابھی تک گھر کے جو بھی حالات تھے وہ اک دم سے جیسے اپنی جگہ منجمد ہو کر گئے اب سب کے سامنے ایک بالکل نئی اور دلچسپ صورتحال آن کھڑی ہوئی تھی اماں اپنے بیمار اور کمزور جسم کو سنبھالتی ہوئی اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں، ابا اپنی ضعیف ٹانگوں کو پلنگ سے اتار کر اپنے ڈنڈے کے سہارے کھڑے ہونے لگے چھوٹا بھائی اسرار ہمیشہ کی طرح ہنگامی وقت پڑ

نے پر اپنے کمر بند کو کھولنے باندھنے لگا اس کی بیوی جو دور خاندان سے بیاہ کر آئی تھی آنکھیں پھاڑ کر سارے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی میری بیوی فاطمہ کے سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو میرے ہاتھ سے تار کا کاغذ لے کر اس مضمون کو پھر سے پڑھنے لگی جس کو میں کئی بار زور سے پڑھ کر سب کو سنا چکا تھا بس پورے گھر میں بچے ہی ایسے تھے جو ہر چیز سے بے نیاز اپنے کھیل کی دنیا میں مگن تھے۔میں فاطمہ کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا اماں اور ابا کے پلنگوں کے درمیاں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر آکر بیٹھ گیا اماں جب سے صاحب فراش ہوئی تھیں ہم اسی طرح ان کے پلنگ کے گرد جمع ہو کر مختلف موضوعات پر تبادلہ خیالات کرتے تھے اماں کو چونکہ گھر میں مرکزی حیثیت حاصل تھی لہٰذا زیادہ تر باتوں کی ڈور انہی کے ہاتھوں میں رہتی تھی اماں آج بہت خوش تھیں ان کا برسوں کا بچھڑا بھائی ملنے کے لیے آ رہا تھا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس طرح اڑ کر دلی پہنچ جائیں جہاں چھوٹے ماموں کسی انٹرنیشنل سیمینار میں شرکت کے لیے پہنچ چکے تھے مگر اماں اپنے حالات اور بیماری سے مجبور تھیں آج ان کی ذہنی کیفیت بتا رہی تھی کہ ان کی نگاہوں کے سامنے ماضی کی کتاب کے بیتے ورق ورق کھل رہے ہیں انہیں یاد آ رہا تھا کہ تقسیم ہند کے وقت بھرت پور سے ان کا لٹا ہوا قافلہ آگرہ پہنچا تھا اور وہاں سے اماں کے والدین ان کے پانچوں بھائیوں کو لے کر کراچی روانہ ہو گئے تھے اماں، ابا کے ساتھ میرٹھ آگئی تھیں کیوں کہ وہ اس زمانے میں

وہاں تعینات تھے میں اس زمانے میں بہت چھوٹا تھا اماں یہ باتیں سینکڑوں بار بتا چکی تھیں وہ جب بھی سوچ میں ڈوبتی ہم سمجھ جاتے کہ وہ یہی سوچ رہی ہیں۔ اماں نے یکا یک مجھ سے پوچھا تو پھر تم نے کیا سوچا کب لینے جا رہے ہو ؟،، میرے لئے جواب دینا اتنا آسان نہیں تھا بہت سی باتیں سوچی تھیں ان کا دل رکھنے کے لیے میں نے کہا آج کا دن تو نکل گیا کل دیکھتے ہیں آفس جا کر انتظام کرنا ہو گا،، میں نے سب کے چہروں کی طرف دیکھا خوش وہ تو سب تھے مگر شائد گھر میں بوریا نہ ہونے کا احساس ان کو اندر ہی اندر کہیں سال رہا تھا اتنی بڑی نوکری اور ملکوں ملکوں گھومنے والے ، عالیشان زندگی گزارنے والے چھوٹے ماموں ان کے اس خستہ حال مکان میں کیسے رہے گے شائد یہی بات سب سوچ رہے تھے میں نے بھی نظریں دوڑائیں تو لگا گھر واقعی بڑا بوسیدہ اور پرانا ہو گیا ہے دل چاہا کہیں سے اللہ دین کا چراغ مل جائے جس کا جن نکل کر سارے حالات بدل کر رکھ دیتا ہے میں نے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا اس نے شائد میرے دل کا حال پڑھ لیا اور اسی لیے اس نے پلکیں جھپکا کر اپنی بیوی کی طرف دیکھا مگر اس وقت کوئی کچھ کر سکنے کی حالت میں نہیں تھا میں نے دیکھا خوش تو سب تھے دل میں مگر ایک بے نام سی بے بسی کی بدلی گھر آئی تھی سارے گھر پر۔ ایک عجب طرح کا تناؤ آ گیا تھا دوسرے دن لکھنؤ سے روانہ ہو کر جب میں نئی دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر اترا تو رات کے دس بج رہے تھے آخر نومبر کی خوشگوار رات تھی باہر نکل کر میں نے

آٹو لیا اور سیدھا اسی ہوٹل کے کاونٹر پر جا پہنچا جہاں چھوٹے ماموں ٹھہرے ہوئے تھے کاؤنٹر سے نمبر لے کر میں نے فون ملایا فون جس نے اٹھایا وہ بڑی مہذب نسوانی آواز تھی میں نے کہا ،، میں اقبال بول رہا ہوں ہوٹل کی لابی سے ،، دوسرے ہی لمحے ایسا محسوس ہوا جیسے آواز میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہو ،، اچھا اقبال بھائی اسلام علیکم ! آپ آ گئے وہیں ٹھہریے ہم آتے ہیں ،، اور فون بند ہو گیا میرا دل اک دم سے دھڑکنے لگا نسوانی آواز کس کی تھی ؟ کیا ممانی بھی آئی ہیں ؟ ملکوں کے فاصلے نے کیا ظلم ڈھایا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی آوازیں بھی نہیں پہنچانتے میں نے سوچا ۔ روشنی میں ہوٹل کی لابی بعقہ نور بنی ہوئی تھی مگر میرے لیے اب ایک لمحہ بھی گزارنا مشکل ہو رہا تھا اسی وقت سامنے کی لفٹ کا دروازہ کھلا اور چھوٹے ماموں نمودار ہوئے پتہ نہیں ہم کب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے دونوں ملکوں کی سرحدیں درمیان سے معدوم ہو گئی ۳۳ سال کا وقفہ بھی معدوم ہو گیا ہم نے سر اٹھا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو کچھ ایسا احساس ہوا کہ آئینہ دیکھ رہے ہو ہماری شکلیں آپس میں اتنی ہی ملتی جلتی تھیں وہ رشتے میں میرے ماموں ضرور تھے مگر عمر میں مجھ سے دو سال ہی بڑے تھے پھر ماموں نے پیچھے کھڑی خاتون کی طرف اشارہ کیا ،، ان کو پہچانو ،، میں نے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ ان کی آواز کا آئینہ دار تھا اور خوشی سے گلنار ہو رہا تھا میں نے بے ساختہ کہا ،، شکیلہ ممانی ،، اور دوسرے ہی لمحے شکیلہ ممانی کے دونوں ہاتھ

میرے ہاتھوں میں تھے اور میرا سر ان کے ہاتھوں میں جھکا ہوا تھا ہماری آنکھوں سے اشک رواں تھے دوسری صبح واپسی کی ریزرویشن کرانے کے بعد جب میں ان سے ملنے ہوٹل پہنچا تو ماموں جانے کو تیار کھڑے تھے مجھے دیکھتے ہی بولے ،، تم اپنی ممانی کو دلی دکھاؤ میرا تو سارا دن کانفرس میں نکل جائے گا ،، اور وہ چلے گئے میں اور ممانی ہوٹل کے پر تکلف ماحول سے نکل کر ٹہلتے ہوئے باہر آ گئے کناٹ پیلس کا علاقہ دور تک اپنی بانہیں پھیلائے شاد و آباد کھڑا تھا اور دلی کی زندگی ہمیشہ کی طرح رواں دواں تھی سڑک کے کنارے لگی ٹورسٹوں کو لبھانے کے لیے ہر ریاست کا مخصوص سامان بھرا پڑا تھا دنیا کے تقریبا ہر ملک کا ٹورسٹ وہاں موجود تھا اور اتنے اچھے ، خوبصورت اور بہت سارے سامان کو لالچ بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے ہندوستان کے بہترین کاریگروں کے ہاتھ کا بنا ہوا سامان اتنی وافر مقدار میں دیکھ کر ممانی کچھ حیران کچھ پریشان تھیں ایسا میں نے محسوس کیا میں نے کہا آیئے قریب چل کر دیکھتے ہیں مگر وہ اک دم سے بھڑک گئیں ،، نہیں نہیں ! بس یہی ٹھیک ہے ،، میں نے محسوس کیا کہ وہ مجمع کے درمیان جانے کو تیار نہیں وہ چل بھی بہت محتاط انداز میں رہی تھیں جیسے کسی چیز سے خوفزدہ ہوں میں نے پوچھا ،، آپ ٹھیک تو ہیں ،، ہاں ہاں میں بلکل ٹھیک ہوں ،، وہ بولیں ،، دراصل تمہارے ملک کی سڑکوں پر آج پہلی مرتبہ چل رہی ہوں عجیب سا لگ رہا ہے اک دم سے ماضی کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں ،، ماضی کی یادیں ؟اور

یہاں؟ مجھے ان کی بات سن کر کچھ تعجب ہوا کیونکہ بٹوارے کے وقت جب وہ یہاں سے گئی ہوں گی اس وقت ان کی عمر اتنی نہیں رہی ہو گی کہ جس کی کچھ یادیں بھی ہوں میں نے سوچا،، کیوں؟ آپ کو تعجب ہو رہا ہے،، مجھے لگا انھوں نے میرے ذہن میں چلتی ہوئی فلم کو دیکھ لیا ہو،، خیر چھوڑیئے یہ بتایئے یہاں کی جامعہ مسجد اور لال قلعہ کہاں ہیں؟ پہلے وہ دیکھ لیتے ہیں،، انہوں نے بات کا رخ موڑ دیا میں نے بھی کوئی زور نہیں دیا ایک جاتے ہوئے ٹویسٹر کو روک کر ہم لوگ جامع مسجد روانہ ہو گئے راستے میں کئی جگہ ٹریفک جام لگے مہمانی بڑے غور سے دیکھتی رہیں اتنی بھیڑ کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئیں تھیں ان کا دھیان بٹانے کے لیے میں راستے میں پڑنے والے تاریخی مقامات کے بارے میں ان کو بتاتا رہا جامع مسجد کا علاقہ آتے ہی میں نے محسوس کیا مہانی یہاں کی بھیڑ بکریاں اور لمبی لمبی داڑھیاں دیکھ کر نہ جانے کیسے کچھ نارمل ہو گئیں جامع مسجد کے لمبے چوڑے دلان اور کشادہ صحن کو دیکھ کر وہ مطمئن نظر آئیں پھر جب ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے و وہ آہستہ سے بولیں ،، چلئے خدا کا شکر ہے کہ دلی کا ایک علاقہ تو ایسا ہے جہاں کچھ مسلمان نظر آتے ہیں اور اسلام کی عظمت کا احساس ہوتا ہے،، میں نے ان کی طرف چونک کر دیکھا اور سوچا اچھا تو یہ یہاں کے مسلمانوں اور اسلامی عظمت کے لیے اتنی پریشان ہیں مجھے خوشی کہ ان کی سوچ کا ایک سرا تو ہاتھ آیا میں نے کہا ،، یہ دلی کا پرانا علاقہ ہے لہٰذا مسلمان یہاں خاص لباس میں نظر آرہے ہیں

اور لباس سے ان کی مذہب کی پہچان ہو رہی ہے ورنہ یہ ملک تو دنیا کی سب سے بڑی جمہوری ملک ہے یہاں لباس ، بولی ، خورد نوش سے مذہب کی تمیز کرنا آسان نہیں ،، وہ کچھ بولیں نہیں مجھے ایسا لگا ان کو میری بات میں کوئی وزن محسوس نہیں ہوا ظاہر ہے وہ مملکت خداد سے آئی تھیں جہاں فوجی جنرلوں کا دبدہ تھا ان کے لیے یہ بات سمجھنا آسان نہیں تھا لال قلعہ جانے کے لیے جب ہم رکشا پر بیٹھے تو وہ تاسف بھرے انداز میں بولیں ،، اوروں کو تو جانے دیجیے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہاں آپ لوگوں کا مستقبل کیا ہے ؟ ابھی تو آپ کے بچے چھوٹے ہیں کل کو وہ جب بڑے ہوں گے ان کے شادی بیاہ کا مسئلہ درپیش ہوگا روزگار چھوڑیئے شادی بیاہ کا کیا ہوگا ؟ یہاں کتنے گھرانے سید ہیں ؟ کیا غیروں میں کریں گے رشتے ؟ میں نے دیکھا ممانی اپنی بات کے لیے بہت فکر مند نظر آ رہی تھیں مجھے ہنسی آ گئی میں نے کہا ،، ممانی یہ ملک اور یہاں کے لوگ بڑے عجیب ہیں شروع میں ایسا ہی لگتا ہے جب آپ یہاں کچھ دن رہیں گی تب آپ کی سمجھ میں آئے گا کہ یہاں کے لوگوں کے دلوں میں کتنی وسعت ہے یہاں آپس کی محبتیں کتنی گہری ہے ،، ،، بھائی ! یہ سب جذباتی باتیں ہیں ان میں کچھ نہیں رکھا ،، وہ بولیں ،، جب آپ کے فسادات ہوتے ہیں آپ پر کیا گزرتی ہے ؟ کیا اکثریتی فرقے کے ساتھ حکومت بھی آپ کی دشمن نہیں ہو جاتی ؟ تب یہ آپ کا فلسفہ کہاں چلا جاتا ہے ؟ لال قلعہ کے بازار سے گزرتے وقت ممانی وہاں کے دکانداروں کے چہرے بہت غور سے

دیکھ رہی تھیں میں سمجھ گیا وہ ان کے ماتھے پر ان کا مذہب تلاش کر رہی تھیں مجھے لگا مما نی کے دل کا آئینہ ابھی صاف نہیں ہوا جب ہم واپس ہوٹل پہنچے تو ماموں آ چکے تھے مجھ کو دیکھتے ہی بولے یہ بتاؤ تم نے اپنی ممانی کو کچھ کھلایا پلایا بھی یا یہ ابھی تک بھوکی ہیں ؟،، ،، بھوکی ہیں ؟،، مجھے شاک لگا راستے میں کئی مرتبہ میں نے کچھ لینے کے لیے کہا تھا مگر انھوں نے اپنی باتوں سے ہر بار کھانے کی بات ٹال دی تھی مجھے چپ دیکھ کر ماموں کہنے لگے یہ جب سے تمھارے ملک آئی ہے ان کے دل میں ایک خوف سمایا ہوا ہے کہیں یہاں کے کھانے میں کچھ ملایا ہوا نہ ہو دراصل یہ ملک کے بٹوارے کو ابھی تک بھول نہیں پائی.بڑی تلخ یادیں جڑی ہوئی ہیں ان کی بٹوارے کے ساتھ ،، پھر انہوں نے جو بات بتلائی اس سے میرے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے تقسیم کے وقت جب چاروں طرف ہلچل مچی اور ملک چھوڑنے کا ماحول بنا توان کے والد بھی اپنے خاندان کے ساتھ ترک وطن پر مجبور ہوئے مگر راستے ہیں بلوائیوں نے ان کی گاڑی کو روک لیا ان کی والدہ تو کسی طرح ان کو لے کر کراچی پہنچ گئی مگر ان کے والد راستے ہی میں مارے گئے تب سے یہ حادثہ ان کو برابر ہانٹ کر رہا ہے ان کو کسی بھی طرح یہ اعتبار نہیں ہو رہا ہے کہ اب حالات بدل گئے ہیں دراصل ان کو یہاں لانے کا مقصد بھی یہ ہے کہ ان کا یہ احساس ختم ہو جائے انہوں نے میری طرف دیکھا مجھے شرمندگی تو ضرور محسوس ہوئی مگر انھیں کیسے بتاتا کہ یہ المیہ تو اس دور کا ہے جب دونوں طرف آگ لگی ہوئی تھی ایک

دم سے میرے ذہن میں وہ ساری گفتگو ریوائنڈ ہو گئی جو صبح سے ممانی اور میرے درمیان ہوئی تھی فانوس اگر گندہ ہو تو شکلیں بھی گندی نظر آتی ہیں ممانی وہی دیکھ رہی تھیں جو وقت کے فانوس نے ان کو دیکھایا تھا اب میرا فرض تھا کہ میں فانوس کے شیشے کو صاف کروں تاکہ وہ موجودہ وقت کی تصویر دیکھ سکیں مجھے ممانی ایک معصوم گڑیا نظر آئیں۔دلی آنے کے بعد مجھے اپنے بچپن کے دوست پنکج کی یاد ضرور آئی چونکہ مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ چھوٹے ماموں کا پروگرام کیا ہے اس لیے میں نے اس سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا اب جب یہ طے ہو گیا تھا کہ ممانی کو لے کر دوسرے دن کی ٹرین سے لکھنؤ جانا ہے میں نے پنکج کے دفتر فون کیا میری آواز سنتے ہی اس کے اندر ہمیشہ کی طرح زندگی دوڑ گئی میں نے اس کو اپنے دلی آنے کے مقصد سے آگاہ کیا تو وہ اور بھی زیادہ خوش ہوا بولا،، میں آفس میں چھ بجے تک ہوں تم ماموں سے معلوم کر کے بتاؤ وہ کب تک شام کو میرے گھر آ سکتے ہیں میں لینے کے لیے گاڑی بھیج دوں گا،، میں نے کہا،، پہلے ان سے پوچھ تو لوں وہ آئیں گے بھی یا نہیں،، وہ ہمیشہ کی طرح دعویٰ سے بولا،، واہ ! آئیں گے کیسے نہیں کیا وہ میرے ماموں نہیں ؟،، اس طرح رات کو آٹھ بجے ہم لوگ اکی گاڑی میں بھیٹھ کر پنکج کے گھر پہنچ گئے دلی کے پوش علاقے میں اس کا چھوٹا سا مگر بہت خوبصورت گھر تھا پنکج اس کی بیوی دیویانی اور دونوں بچے ہمارے استقبال کے لیے گیٹ پر موجود تھے ہمارے اترتے ہی پنکج نے

بڑے ادب سے جھک کر ماموں ممانی کا پاؤں چھو لیا اس کو دیکھ کر بیوی اور بچوں نے بھی ایسا ہی کیا ماموں نے ہنس کر کہا تم لوگ تو مجھے بڑا بزرگ بنا رہے میں تم لوگوں سے تھوڑا ہی تو بڑا ہوں گا،، ،، وہ تو ہے مگر آپ کا رشتہ ہماری ماتا جی کے بھائی کا ہوا نا اس لیے بڑے تو آپ ہر حال میں ہوئے،، تین گھنٹے کس طرح گزر گئے پتہ ہی نہیں چلا دیویانی اور ممانی میں گفتگو کا نہ جانے کیسے ربط پیدا ہوا کہ وہ اپنے وجود کو بھول کر ڈرائنگ روم سے کب دیویانی کے کمرے میں چلی گئی پتہ نہیں چلا وہ تو جب کھانا میز پر لگایا جانے لگا تو میں دیکھا وہ بھی دیویانی کا ہاتھ بٹا رہی ہیں ان کے چہرے پر عجیب سی آب تھی وہ بھی دیویانی کی طرح ہشاش بشاش نظر آ رہی تھیں کھانے کے بعد جب گھڑی دیکھی تو وہ رخصت ہونے کا وقت بتا رہی تھی پنکج نے بہت زور دیا کہ سب وہیں رک جائیں وہ صبح ناشتے کے بعد سب کو پہنچا دے گا مگر چھوٹے ماموں کے لیے یہ ممکن نہ تھا آخر طے یہ ہوا چھوٹے ماموں اکیلے ہوٹل جائیں گے کل صبح میں دیویانی، ممانی کے ساتھ دلی کی تاریخی عمارتیں دیکھنے کے بعد ہوٹل آ جائیں گے۔ دوسرے دن لکھنؤ جانے کے لیے جب ہم اپنی گاڑی کے ریزرو کمپارٹمنٹ میں پہنچے تو دیکھا دیویانی اور پنکج ہمارا انتظار کر رہے تھے وہ اپنے ساتھ ڈھیر سارا ناشتہ اور کھانا لائے تھے پنکج مجھے دیکھتے ہی بولا ،، بھلے آدمی ! فرسٹ کلاس یا اے سی سلیپر میں ممانی کو لے جانا تھا ان کو عادت ہے اس کی ؟،، اس نے بھیڑ کی طرف دیکھ کر

کہا میں نے کہا ،، یار ! تجھے تو پتہ ہے میں نے اپنی جیب دیکھ کر سیٹ ریزرویشن کراوائی تھی مگر شاہداب اللہ کی مصلحت تھی کہ میں ان کو اس میں لے کر جا رہا ہوں،در اصل میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ دونوں ملکوں کے عوام ایک جیسے ہیں یہ سیاست داں ہیں جو ہمیں انسان سے حیوان بنا دیتے ہیں ہم ایک ہی تہذیبی ورثے کے وارث ہیں بس اللہ سے دعا ہے یہ سفر عزت سے کٹ جائے ،، گاڑی روانہ ہوئی ہم ایک دوسرے کو الوداع کہنے کے لیے ہاتھ ہلاتے رہے۔ ہمار آس پاس کی سیٹوں پر سکھ اور پنجابی بیٹھے ہوئے تھے ممانی کافی دنوں تک پنجاب میں رہی تھیں اس لیے پنجابی بولی اچھی طرح سمجھتی تھی میں نے دھیان بٹانے کے لیے ساتھ لائے رسالے ان کے آگے کر دیئے میں نے یکایک محسوس کیا کہ سامنے بیٹھی گوری چٹی سردارنی جس کے سارے بال سفید تھے ممانی کی صدری کو غور سے دیکھ رہی ہے پھر وہ نظروں ہی نظروں میں ممانی کے پورے سراپے کا جائزہ لینے لگی پھر اس نے گھوم کر اپنے برابر بیٹھے سردار جی سے کچھ کہا اور دونوں مل کر میری طرف تجسس بھری نظروں سے دیکھنے لگے میں دونوں کو دیکھ کر آہستہ سے مسکرا دیا سردار جی کو حوصلہ مل گیا بولے ،، آپ نے لکھنئو جانا ہے ،، میں نے آہستگی سے جواب دیا ،، جی ،، آپ بھی پاکستان سے آ رہے ہو ،، اب اس نے سیدھا سوال کیا اس کا سوال سن کر مجھے تعجب ہوا کہا ، نہیں تو ،،، مگر یہ تو پاکستان کی ہیں پوری ،، اب کی بار بزرگ خاتون بولیں ،، جی ہاں ! میں کراچی سے آ رہی ہوں ،، اس بار ممانی نے خود جواب دیا وہ

بزرگ خاتون کھلکھلا کر ہنس دیں ،، تبھی میں کہوں یہ اپنی مٹی کی خوشبو کہاں سے آ رہی ہے ،، انھوں نے بے اختیار اپنے لمبے ہاتھ آگے بڑھا کر ممانی کے دونوں گال لاڈ سے تھپتھپا دیے وہ لوگ ترک وطن سے پہلے گوجرانوالہ میں رہے تھے مگر کاروبار کے سلسلے میں کراچی، حیدرآباد، سندھ آنا جانا رہتا تھا وہاں کے لباس ، کھانے، بودو باش سبھی سے واقف تھے یوں تو وہ پنجابی تھے مگر سندھ کا وصف بھی ان میں درآیا تھا آہستہ آہستہ پورے ڈبے کو معلوم ہو گیا کہ ان کے درمیاں ایک مسافر پاکستانی ہے پھر تو ایسا محسوس ہونے لگا جیسی وہ اکیلی مہمان ہیں اور باقی سارے میزبان ۔نہ جانے کتنے پر اٹھے ، چٹنیاں ، اچار ، چھولے بٹورے نکل آئے اس کے بعد جو باتوں کا سلسلہ چلا تو پتہ ہی نہیں چلا کہ کب ہم لکھنئو پہنچ گئے پینکج اور دیویانی کا دیا ہوا ناشتہ یوں ہی بندھا رہ گیا ٹرین جب لکھنئو اسٹیشن پہنچی تو اماں، ابا کو چھوڑ کر سارا گھر استقبال کے لیے موجود تھا میرے دوست ندیم، شانتی اوستھی، پرشوتم بھی موجود تھے ڈبے سے اتر کر باہر آتے آتے ممانی کے ہاتھوں میں نہ جانے کتنے کارڈ آ چکے تھے جن میں ان کو اپنے گھر مدعو کرنے والوں کے نام پتے درج تھے اسی وقت میں نے دیکھا میرے باس اگروال صاحب اپنی پتنی شکنتلا دیوی کے ساتھ آ گئے ماموں ممانی سے ملنے کے بعد مجھ سے آہستہ سے بولے ،، میں نے گھر جانے کا انتظام کر دیا ہے گاڑیاں باہر کھڑی ہیں ،، میں نے ان کی طرف دیکھا وہ جو اپنے اصولوں میں بڑے سخت تھے آفس میں

باس ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے آج سر تا پا میزبان نظر آ رہے تھے اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب لکھنؤ میں ممانی کے قیام کی مدت پوری ہوئی اور وہ اپنا سامان سفر باندھنے لگی اتنے تحفے تھے کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا لے جائیں کیا چھوڑ جائیں کوئی آ رہا تھا کوئی جا رہا تھا ناشتے اور پھلوں سے گھر بھرا ہوا تھا مگر وہ ہنسی اور قہقہے جو اتنے دنوں سے گھر میں گونج رہے تھے آج خاموش تھا جاتو ممانی رہی تھیں مگر سفر سب کے ذہنوں پر سوار تھا جب آخری بار رخصت ہوتے ہوئے ممانی نے میری طرف دیکھا تو ان کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں مجھے اک دم وہ لمحہ تیرتا ہوا نظر آنے لگا جب انہوں نے دہلی میں مجھ سے کہا تھا ،، میری سمجھ یں یہ بات نہیں آتی کہ یہاں آپ لوگوں کا مستقبل کیا ہے ؟،، میں بے چین ہو گیا پتہ نہیں اب ان کا دماغ کیا سوچ رہا ہے ؟ اسی وقت وہ آہستہ سے بولیں ،، بھائی میں یہاں پھر آؤں گی بار بار آؤں گی کوئی چیز ہے جو یہاں چھوٹ گئی ہے ،،

قربانی کی حقیقت

عید قربان اور گوشت تقسیم کرنے کے حوالے سے وہ مجھے ضرو یاد آتی ہے وہ میری بہت اچھی دوست ہے ایسا نہیں کہ وہ کسی کم حیثیت گھرانے کی فرد ہو یا پھر وہ کسی غریب گھر میں بیاہی گئی تھی مگر اسے قدرت کی ستم ظریفی کہیے کہ شادی کے بعد ان کے کاروباری حالات انتہائی خراب ہو گئے اس نے اپنی سفید پوشی کی چادر اوڑھے رکھنے کی بہت کوشش کی عید قربان کی کہانی اسی کی زبانی سنیئے " ہمارے گھر میں غربت کا بسیرا تھا ہم اس قابل نہیں تھے کہ قربانی کر سکیں لہٰذا ہم عید سے پہلے ہی گوشت اور کلیجی وغیرہ خرید لیتے تھے تا کہ جو رشتہ دار گوشت لے کر آئیں ان کی خاطر ومدارت کا انتظام رہے یہ بھی میرے لیے دلچسپ بات تھی کہ لوگ جتنا گوشت لے کر نہیں آتے تھے اس سے زیادہ گوشت مجھے ان کی خاطر داریوں میں پیش کرنا پڑ جاتا تھا بچے بھی مجھ سے شاکی اور مہمانوں سے بیزار ہوتے مگر انھوں نے کبھی مہمانوں کے سامنے ماتھے پر بل نہیں ڈالے مہمانوں کے لائے ہڈی چھیچھڑے والے گوشت بھی خندی پیشانی سے قبول کرتے تھے مہمانداری میں گوشت ختم ہو جانے کی وجہ سے ہمارے گھر عید کے دوسرے روز سے ہی دال سبزی پکتی تھی ہمارے بچے نہیں جانتے تھے کہ عید قربان پر باربی کیو کیا ہوتا ہے آج جب ماہ سال کئی برس آگے بڑھ چکا ہے اور رب العزت کی مہربا

نی سے ہم مالی طور پر بہت آسودہ حال ہیں میں غریب رشتہ داروں کو گوشت بانٹا نہیں بھولتی لیکن اس کے ساتھ میں ان کے گھر کھانا کھانے نہیں رکتی کہ جتنا گوشت ہم لے گئے ہیں وہ اتنا ہی ہماری خاطر داریوں میں نہ صرف کر دیں ہو سکتا ہے یہ بہت سارے لوگوں کے لیے معمولی یا مضحکہ خیز بات ہو مگر جو گزار رہا ہوا سے ہی حالات کا پتہ ہو تا ہی۔،، ہم میں سے کتنے ایسے ہیں جو حضرت براہیمؑ کی اس سنت کو سمجھتے ہیں کہ قربانی صرف گائے بکرے ذبح کرکے ڈیپ فریزر بھرنے کا نام نہیں کیا قربانی کی حقیقت ہمارے نزدیک محض مہنگے جانور خرید کر عزیز و اقرباء پر اپنی امارات کا رعب جمانا انھیں متاثر کرنا رہ گیا ہے جب کہ آج سے چودہ سو سال قبل صحابہ کرامؓ نے پیارے نبیؐ سے پوچھا ”کہ اے خدا کے رسولؐ یہ قربانیاں کیا ہے“ آپؐ نے فرمایا” تمھارے باپ حضرت ابرہیمؑ کا طریقہ کہ اللہ کی راہ ییں بلا چوں وچرا کسی حیل و حجت کے اپنا مال جان اور قیمتی سے قیمتی شئے اللہ کی راہ میں قربان کرنے عہد،، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید اضحیٰ کی حقیقت کیا ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کو علامتی طور پر اپنا کر اس کو عملی طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا عہد کر لینا، ہر مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سنت ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی خوشنودی و رضا کی خاطر قربانی پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے عید الضحیٰ ہر سال ذوالحج کی مخصوص تاریخوں ییں منائی جاتی ہے اور حج جو حضرت ابرہیم

اور ان کے خاندان کی زندگیوں کی آزمائش کے مختلف پہلوئوں کا اعادہ کرتا ہے اسی کاایک حصہ قربانی کی شکل میں عید الضحیٰ کے دن منایا جاتا ہے حضرت ابرہیمؑ اور ان کے خاندان نے اپنی پوری زندگی اللہ کی رضاکے لیے وقف کر دی۔6 سالہ برگزیدہ پیغمبر حضرت ابرہیمؑ جنھوں نے خدا کی جانب سے دی گئی ہر آزمائش میں کامیابی کا امتحان پاس کیا ہو بھلااللہ تعالی انکی دعاکیسے رد کر سکتے تھے حضرت ابرہیم علیہ سلام جو اولاد کی نعمت سے محروم تھے آپؑ نے اولاد کے لیے پروردگار رعالم سے دعا کی جو منظور ہوئی اور بی بی حاجرؓہ کے بیٹا پیدا ہوا فرشتے کی بشارت کے مطابق اس بچے کا نام اسماعیلؑ رکھاگیاآپؑ حضرت اسماعیلؑ سے بے حد محبت کرتے تھے ہر وقت
انھیں ساتھ لیے پھرتے انھیں ایک پل کے لیے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے خدا کو ان کا امتحان لینا مقصود ہوا تو حکم ہوا کہ اپنے شیر خوار بچے اور اہلیہ کو مکہ کے بیاباں صحرامیں چھوڑ دو" آپؑ کی فرشتہ صفت اہلیہ کو جب معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے توانھوں نے سر اطاعت خم کیاآپؑ نے حکم خداوندی کی تعمیل کی اپنے رب سے ان کی حفاظت اور امن واطمینان کی دعا کرتے ہوئے انھیں عرب کے لق ودق صحرا میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اکیلا چھوڑ دیا حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بی بی حاجرہؓ کی صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر دیوانہ وار سعی کو پروردگار عالم نے ایسا قبول کیا کہ یہ بے بس خاتون اور بچہ نہ صرف خود آباد ہوئے بلکہ ان کے

طفیل ایک عظیم شہر آباد ہوا اور آج اہل مکہ ان کے صدقے ہر طرح کی نعمتوں سے ما
الامال ہے۔
حضرت اسماعیلؑ کی عمر مبارک جب سات سال ہوئی تو یکم ذوالحج کو حضرت ابراہیمؑ کو
خواب میں اپنی سب سے عزیز چیز قربان کرنے کا حکم ہوا مسلسل نو راتوں کو ایک ہی
خواب دیکھنے پر آپؑ نے بیٹے کو جب یہ بات بتائی تو بیٹے نے کہا ابا جان آپ مجھے ہر آزما
ئش میں کامیاب پائیں گے آپ کو جو حکم ملا ہے کر گزریے ارشاد نبویؐ ہے لوگوں میں
انبیاء کی آزمائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے پھر جو انبیاء کے لیے زیادہ قریب
ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی زیادہ سخت ہو گی جس وقت بیٹے کی قربانی کا حکم آ
یا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی اور کوئی اولاد نہ تھی آپؑ بیٹے کو لے کر قربانی کے لیے
نکلے تو شیطان نے کئی مرتبہ روکنے کی کوشش کی آخر آپ نے اسے کنکریاں مار کر
بھگایا حضرت اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹایا اور قربانی کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اسی لمحے
حضرت جبرئیلؑ آسمان سے خوشخبری لے کر اترے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ قربانی قبول
کی اور آپ ایک بڑی آزمائش سے سرخرو ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا
اتنی پسند آئی کہ رہتی دنیا تک تمام صاحب حیثیت مسلمان پر اسے قائم کر دیا گیا ایک
روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں دیے گئے مینڈھے کے

سینگ حجاج بن یوسف کے زمانے تک محفوظ تھے مگر جب حجاج بن یوسف کے حکم پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حراست میں لیے جانے کے لیے خانہ کعبہ کو مسمار کیا گیا تو اس دوران وہ بے مثل یادگار بھی ضائع ہو گئی٥ ذوالحج کے موقع پر ابراہیمی عمل یوں جو قربانی دی جاتی ہے وہ دراصل جسمانی قربانی کی صورت میں اس بامقصد قربانی کے عزم کو دہرایا جاتا ہے قربانی کے وقت جب یہ دعائیہ کلمات ادا کیے جاتے ہیں کہ ” بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہوگا“ تو درحقیقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وقت کی آباد دنیا میں جو ایثار، عبادت اور اطاعت انجام دیں اسی طرح آج تمام مسلمان اپنے خدا کی پکار پر لبیک کہنے اور اپنے اندر کی روح ایمانی کو زندہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا عزم لیے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ادا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی کی خوشنودی اور مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے جان ومال کی قربانی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے مگر بدقسمتی سے آج قربانی کی یہ مقدس روایت بھی اسٹیٹس سمبل کے بھینٹ چڑھ گئی ہے لوگ باگ فخریہ جانوروں کی تعداد اور قیمتیں بتا کر بلکہ جتا کر نام ونمود کے لیے قربانی کی رسم ادا کرتے ہیں اپنے انفرادی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں محض دکھاوے کے لیے ان لوگوں کے گھروں میں گوشت بھیجنے کا کیا فائدہ جن کے گھر قربانی ہوئی ہو گوشت کے اصل حق دار تو وہ ہیں جو قربانی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تا

کہ وہ بھی ایک وقت سیر ہو کر اس نعمت خداوندی سے لطف اندوز ہو سکیں۔آج کے دن
قربانی کی سنت کو زندہ رکھنے کے ساتھ ساتھ قربانی کی اصل روح کو سمجھنے کی
ضرورت ہے حج اور قربانی کا صحیح مفہوم فرمانبرداری ،خلوص اور ایثار ہے اورآج کا
دن ہمیں اپنے دین اپنے ملک اوراپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل جل کرآپس میں محبت
وایثار کادرس دیتا ہے ۔

خوف آتا ہے

شہر کراچی کا ہر فرد سہا ہوا ڈرا ہوا دکھائی دے رہا ہے یوں محسوس ہوتا ہے گویا دشمن کے نرغے میں ہیں قابض فوج فاتح کی طرح قتل عام کر رہی ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم اپنے مقدر کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتے کہ آخر دہلی بھی تو سات بار لٹی تھی نادر شاہ نے وہاں پر پانچ روز تک قتل عام کا حکم صادر کرایا تھا۔ لیکن ! یہاں تو اپنے ہی اپنے گھر کو آگ لگاتے اپنے ہی گھر کے چراغ ہیں یہ ہمارے ہم وطن اور مسلمان ہیں۔ کراچی میں آگ و خون کا کھیل پھر اپنے عروج پر ہے ارباب اختیار اسے روکنے سے قاصر اور بے بس ہیں وہی سیاسی پارٹیوں سے گفت وشنید اور باہمی مفاہمت اور تعاون کی یقین دہانیاں ہیں تاجر برادری بھتہ خوروں کے ہاتھوں یرغمال ہے سرمایہ دار، ڈاکٹرز، اساتذہ، انجینیرز جو اس ملک کی ترقی میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں اپنا کاروبار سمیٹ کر بیرون ملک منتقل ہو رہے ہیں آخر سب کو اپنی اور گھر والوں کی جانیں عزیز ہیں جب اس ملک کے قانون نافذ کرنے والے ادارے انھیں تحفظ فراہم نہیں کر سکتے تو وہ کیوں یہاں اپنے پیاروں کی لاشے اٹھانے کا انتظار کریں۔ رہ گئے غریب عوام تو وہ نہ وطن چھوڑ سکتے ہیں نہ اس ملک میں محنت سے روزی روٹی کما سکتے ہیں وہ بس بیرون ملک منتقل ہونے والوں کو حسرت سے دیکھ رہے

کہ اب ہمارا کیا ہو گا ہمارے روزگار کا کیا ہو گا بس کسی روز انجانی گولی کا نشانہ بن جانا ان کے مقدر میں لکھا ہے۔

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا "تم میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جب مقتول کو خبر نہ ہو گی کہ اسے کیوں قتل کیا گیا"۔آج ایسے ہی زمانے سے ہم گذر رہیں ہیں یہ ہمارے لیے کسی عذاب سے کم نہیں جب انسان کے دلوں سے انسان کا احترام اٹھ جائے تو سمجھ لیجیے کہ عذاب کا موسم آ پہنچا ایک ہی ملک کے ایک ہی مذہب کے پیروکار ایک ہی ملت کے امین ایک دوسرے کو خوفزدہ کریں یا ان سے خوف زدہ رہیں تو اس سے بڑھ کر عذاب موسم اور کیا ہو سکتا ہے۔ایک ہی وطن کے لوگ ایک دوسرے کو بری نگاہوں سے دیکھیں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہو تو باقی کیا رہ جاتا ہے انسان اپنے ہی دیس میں خود کو پردیسی محسوس کرنے لگے تو عذاب ہے۔ واصف علی واصف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جب زمانہ امن کا ہو اور حالات جنگ جیسے ہوں تو سمجھو عذاب ہے جنازے اٹھ رہے ہوں کندھا دینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہو،،،

آنکھیں نم ہوں اردگرد جشن منانے والے درندے ہوں دلوں سے مروت نکل جائے ایک دوسرے کا احساس ختم ہو جائے کیا ہم وحشی قوم ہیں کیا ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا یوم حساب نہیں آئے گا مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم واقعی ظالم بے حس قوم ہیں ہماری آنکھوں پر نفرت کی پٹی بندھی ہوئی ہے ہم نے

کبھی یہ سوچا کہ ہم اپنے آنے والی نسلوں کے لیے کیسا پاکستان بنا رہے ہیں ہم انھیں کیا
جواب دیں گے۔ ہم نسل، زباں علاقے کی بنیاد پر کب تک خون بہاتے رہیں گے یہ کیو
ں بھول جاتے ہیں کہ جب تعصب کی ہوا چلتی ہے تو پھر انسانیت کوچ کر جاتی ہے۔
کراچی کے بارے میں اب یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اسے مختلف لسانی اور قومیت کے درمیا
ن تقسیم کر دیا گیا ہے ایک قومیت کے فرد کو دوسرے علاقے میں جانے کی اجازت
نہیں یا اسکے لیے خطرناک ہے، کراچی ایک آتش فشاں کا روپ دھار چکا ہے جس میں
وقفے وقفے سے لاوا ابل کر باہر آتا ہے تباہی مچاتا ہے جانوں کا نظرانہ وصول کرتا ہے
اور خاموش ہو جاتا ہے۔ان چار مہینوں میں سینکڑوں شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے
کیا یہ المیہ نہیں ؟کچھ دن امن رہتا ہے پھر وہی بگڑتی صورتحال، روزانہ گھروں سے کا
م پر نکلنے والوں کو کوئی امید نہیں ہوتی کہ واپس صیح سلامت آئیں گے یا خدانخوستہ کسی
ان جانی گولی کا شکار ہو جائیں گے کہیں سے کوئی انسان نما حیوان وارد ہو کئی گھروں
کے چشم وچراغ گل کرکے غائب ہو جائے پھر لاکھ کوشش کریں قاتلوں کے بارے
میں کچھ پتہ نہیں لگتا۔خانہ پری کے لیے بے گناہ لوگ پکڑے جاتے ہیں قانون نافذ کر
نے والے الگ بے بس ہیں گویا اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ایک
دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگے جا

رہے ہیں ۔ درجنوں لوگوں کی ہلاکتوں کے بعد سرکاری مشنری حرکت میں آتی ہے تصفیہ کے لیے پارٹیوں کو ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے سیاست دان اپنی پارٹی کی مظلومیت میں نعرہ لگاتے ہیں کہ یہ سیاسی نعرے ان کی سیاسی اقتدار کو مستحکم کرتے ہیں ان کا سیاسی کاروبار چلتا ہے ان کی فتح کا پرچم بلند ہوتا ہے اور ہماری عوام نہیں جانتے کہ جس جگہ اور جہاں ان کے مفادات وابستہ ہوں وہ اپنی قوم کو قربانی کے لیے آگے کر دیتے ہیں یہ معصوم عوام اپنی قومیت کے زعم میں ماری جاتی ہے تمام سیاسی پارٹیاں خاموش ہیں روزانہ مرنے والوں کا تماشہ دیکھ رہی ہیں میں سمجھتی ہوں کہ پاکستانی ایک قوم بن کر رہنے میں ہماری عظمت اور بھلائی ہے باقی سب باتیں فضول ہیں ہم سب ایک پاکستانی شہری ہیں جو صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے، جہاں تمام قومیت اپنا ایک اعلی مقام رکھتی ہے اس لسانی فسادات میں ہم اپنے ہی مسلمان بھائی خون بہا رہے ہیں ایسی خطرناک صورتحال سے نبٹنے کے لیے ضروری ہے کہ ان ٹارگٹ کلنگ کے اصل وجوہات کو تلاش کیا جائے جب تک اصل مسئلہ کو حل نہیں کیا جائے گا یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اصل مسئلے کا حل سپریم کورٹ نے کراچی امن وامان کیس میں پیش کر دیا ہے عدالتی حکم کے مطابق کے کراچی کے حالات خراب کرنے والے تمام دہشت گردوں کو گرفتار کیا جائے ان کو بھی جو گرفتار ہونے کے بعد پیرول پر رہا ہو گئے تھے ۔ 1996ء سے کراچی میں رینجرز تعنیات ہے ان کی موجودگی کے باوجود اب تک

کراچی کا امن بحال نہیں ہو سکا اس لیے سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ بھی قابل ستائش ہے کہ رینجرز کو ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے واپس بھیج دیا جائے پولیس کے اختیارات بڑھائے جائیں ان پر سے ہر قسم کے سیاسی دباؤ کو ختم کیا جائے جب قانون نافذ کرنے والے ادارے مضبوط ہوں گے تو پھر امن وامان میں بہتری بھی آئے گی ۔ سپریم کورٹ کے احکامات سے اس شہر میں خوف و دہشت گردی کا جو راج ہے خدا کرے کہ اس خاتمہ ہوسکے ۔افتخار عارف کی یہ نظم ایسا لگتا ہے انھوں نے اسی شہر کے تناظر میں لکھی ہو آپ کی نذر ہے۔

اس شہر و خس خاشاک سے خوف آتا ہے
جس شہر کا وارث ہوں اس سے خوف آتا ہے
شکل بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے
نئی مٹی کو چاک سے خوف آتا ہے
وقت نے ایسے گھمائے کہ افق، آفاق کہ بس
محور گردش سفاک سے خوف آتا ہے
یہی لہجہ تھا کہ معیار سخن ٹھہرا تھا
اب لہجہ بے کاک سے خوف آتا ہے
آگ جب آگ سے ملتی ہے تو لو دیتی ہے
خاک کو خاک کی پوشاک سے خوف آتا ہے
کبھی افلاک سے نالوں کے جواب آتے تھے

ان دنوں عالم افلاک سے خوف آتا ہے
رحمت سید لولا پہ کامل ایمان
امت سید لولاک سے خوف آتا ہے۔

فلسطینی ایک بار پھر اسرائیلی جارحیت کا شکار

بے بس مسلمان ملکوں میں غزہ پر اسرائیلی دہشت گردی کے تازہ واقعات پر غم و غصہ کی فضا طاری ہے اب تک کے بحری و فضائی حملے میں 91 فلسطینی شہید کر دئے گئے ہیں ان میں بوڑھے، خواتین اور وہ شیر خوار بچے بھی شامل ہیں جو ابھی اس دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکنے کے قابل بھی نہیں تھے جن کا گناہ صرف یہی تھا کہ انھوں نے ایک فلسطینی مسلمان کے گھر جنم لیا اقوام متحدہ کے چارٹر آف انسانی حقوق میں بھی تمام انسانوں کو اپنی زندگی جینے کا حق حاصل ہے یہ وہ حق ہے جسے کسی طور پر بھی ختم نہیں کیا جا سکتا لیکن فلسطین کی سرزمین پر مسلمانوں کی زندگیاں چھیننے کی جنگ شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔

فلسطین کا شہر جو پیغمبروں اور انبیاء کی سرزمین مانی جاتی ہے جو یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں تینوں کے لیے محترم و مقدس سرزمین کی حیثیت رکھتا ہے جس میں حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کی تعمیر کردہ معبد ہیں جو بنی اسرائیل کے نبیوں کا قبلہ سمجھا جاتا ہے یہی شہر حضرت عیسیٰ علیہٖ سلام کی جائے ولادت ہے اور انھوں نے اپنی تبلیغ کا مرکز بھی اسی شہر کو بنائے رکھا

ہم مسلمانوں کا کامل عقیدہ ہے کہ چٹان سے نیچے معراج کی رات ہمارے پیارے نبی ﷺ حضرت جبرائیل امین کے ہمراہ براق پر سوار ہو کر آسمان پر گئے جہاں اللہ سبحان وتعالیٰ نے انھیں نماز کا تحفہ عنایت فرمایا مسلمانوں نے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے تک اسی طرف رخ کرکے نمازیں ادا کی۔ 2 ھجری 624 ء ھجری تک یہ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا بیت المقدس جسے القدس بھی کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ سلام اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ سلام نے عراق سے ہجرت کرنے کے بعد یہاں بیت المقدس کی تعمیر کی حضرت یعقوب علیہ سلام نے وحی الہیٰ کے حکم سے مسجد بیت المقدس مسجد اقصیٰ) کی بنیاد ڈالی جب نبی کریم ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت الصخرہ پر) پہنچے تو وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ کوئی ہیکل تھا اس لیے قرآن مجید میں اس جگہ کو مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ 17 ھجری 630ء میں عہد فاروقیؓ میں بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو اس علاقے کو صاف کیا گیا وہاں ایک چٹان نظر آئی اس چٹان کے ساتھ ایک مسجد بنا ئی گئی جو مسجد اقصیٰ کہلائی خلیفہ عبدالمالک بن مروان کے عہد میں 685 ء میں 691 ء کے درمیاں کثیر سرمائے سے چٹان کے اوپر صخرہ معراج پر قبلہ الصخرہ تعمیر کیا گیا جو اس وقت کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھی یہ ہشت پہلو عمارت پچھلی تیرہ صدیوں سے دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے۔ 1099ء پہلی صلیبی جنگوں کے مو قع پر یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرکے ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کو شہید

کیا 1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو دوبارہ عیسائیوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ پہلی جنگ عظیم دسمبر 1917ء میں جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لے کر فلسطین عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اس کے نتیجے میں 78 فی صد علاقے پر اسرائیل قابض ہو گیا تیسری عرب اسرائیل جنگ جون 1967 میں اسرئیلیوں نے بقیہ فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا یہ امریکہ اور برطانیہ ہی تھے جنھوں نے پہلی جنگ عظیم سے پہلے اسرائیلیوں کو فلسطین میں بسانے کی کوشش میں پیش پیش رہے اور فلسطینی عوام کو ان کی زمین سے بے دخل کرنے میں ہر طریقہ کی تعاون اور مدد اسرائیل کو دیتے رہے، آج برطانیہ کی اسی شہ کی بناء پر فلسطینی مسلمان اپنے ہی وطن میں مہاجرین کی زندگی گزارنے پر مجبور رہیں۔ 1948ء میں فلسطینی سرزمین پر اسرائیل نے اپنی ریاست بنانے کا اعلان کیا تو امریکہ اور برطانیہ نے بھرپور تعاون کیا برطانیہ کے اسی تعاون کی وجہ سے اسے "اسرئیل کا خنجر" کے خطاب سے بھی نوازا گیا برطانیہ اور امریکہ میں قائم ہونے والی ہر حکومت نے فلسطین، اسرائیل مسئلہ کو حل کرنے کا دعویٰ بڑے زور شور سے کیے، مگر عملی اقدامات پر عمل کبھی نہیں کیا گیا۔ اسرائیل کی ہر ظالمانہ کاروائی کو نظر انداز کرنے کی پالیسی نے اسے اس قدر دلیر بنا دیا ہے کہ اسکا جب جی چاہتا ہے نہتے فلسطینیوں پر بکتر بند ٹینکوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہیں ہم آئے دن ان کی بربریت کا منہ بولتا ثبو

ت ف 3/4سطینی شہید بچوں، نوجوانوں اور روتی التجا کرتی ماؤں کی صورت میں میڈیا اور اخبارات میں دیکھتے ہیں مگر انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اسرائیلی، مغربی قوموں سے اپنی ہر جائز و ناجائز بات منوانے پر قادر ہیں۔

جب تک پوری امت مسلمہ اسرائیل کے خلاف متحد ہو کر فلسطینی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیتی اس وقت تک اسرائیل کے ظلم کم ہونے والے نہیں پوری دنیا یں جب تک ہم خود متحد نہ ہوں گے انسانی حقوق کے علم بردار مغربی ممالک کو اسرائیلی سرپرستی کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے کیسے اقدامات پر اکسا سکتے ہیں ترکی جو اسلامی ممالک میں واحد ملک ہے جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا لیکن کچھ عرصے قبل ترکی کے امدادی سامان پر ہونے والے حملہ کے بعد اس کی طرف سے فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف شدت آئی ہے قاہرہ یورنیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے ترک وزیر اعظم رجب طیبہاردوان نے کہاکہ غزہ میں غیر انسانی طریقے سے شہید کیے جانے والے فلسطینی بچون کے قاتلوں سے جلد یا بدیر ضرور حساب لیا جائے گا اسرائیل نے معاہدہ کیمپ ڈیوڈ اور معاہدہ اوسلو کے تحت مذاکرات میں آزاد فلسطینی ریاست کے حق کو تسلیم کیا تھا وہ اس سے اب منکر ہے دیگر ممالک کے شرکاء میں برطانیہ اور امریکہ

شامل تھے جنھوں نے اس معاہدے کی رضامندی دی تھی آج یہ ممالک بھی خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اس وقت عالم اسلام اہم سنگین مسئلوں سے دوچار ہے قبلہ اول کی آزادی صلب ہوئے مدت ہوئی فلسطین نے آزدی کے لیے ایک طویل جنگ لڑی آج ان کا اپنا وجود لہو لہو ہے نقل مکانی کیے کئی عشرے گذر گئے وہ کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں آج پوری امت مسلمہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے قبلہ اول کو ان کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے متحد ہو کر نتیجہ خیز اقدامات کرنے ہوں گے تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو اسرائیل کی غاصبانہ قبضے سے رہائی دلانے کے لیے سوچنا ہوگا کچھ کرنا ہوگا۔

خون شہادت فنا نہیں

مولانا ابولکلام آزاد نے فرمایا" کہ دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں "میدان کربلا وہ داستان غم ہے جس پر ساری دنیا تا قیامت اشک فشاں رہے گی حضرت امام حسینؑ اور کربلا کے 72 جانثاروں کے حمایت حق، عزم و استقلال اور صبر و ثبات پر ڈٹے رہنے کا سبق تا قیامت سمجھنے والوں کو درس دیتا رہے گا کہ میدان کربلا محض ایک خونی معرکہ ہی نہیں بلکہ اپنے دامن میں ہم سب کے لیے ایک سبق لیے ہوئے ہے کہ کس طرح حضرت امام عالی مقام اور ان کے ساتھیوں نے امر با لمعروف و نہی عن المنکر کے لیے جام شہادت نوش فرمایا ہر سال محرم الحرام کے مہینے میں آپکی داستان شجاعت آپؑ کی طرز زندگی کو یاد کرکے تمام مسلمان درس نصیحت لیتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں دو عظیم انسانوں کے خطبے ایسے ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ تو ہیں لیکن انھیں جب بھی سنیں تو دل پر ایک پر سوز گداز کیفیت طاری ہو جاتی جس کے ہر الفاظ سے حکمت کے موتی برستے ہیں پہلا خطبہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا حجتہ الوداع کا خطبہ ہے جو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے زندگی گزارنے

کا بہترین منشور ہے جب کہ دوسرا حضرت امام حسینؑ کا وہ خطبہ جو آپؑ نے دشمن کے قریب آنے پر قرآن پاک کو سامنے رکھ کر دیا ایک ایسا خطبہ جسے سننے والے آج بھی سنیں تو بے چین و بے قرار ہو جائیں۔ان کے آخری جملوں پر نظر ڈالئے آپؑ فرماتے ہیں "واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی ﷺ کی بیٹی کا لڑکا موجود نہیں میں تمھارے نبی ﷺ کا بلا واسطہ نواسہ ہوں مجھے کس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو !کیا، میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے ؟ کسی کا مال چھینا ہے ؟ کہو کیا بات ہے آخر میرا قصور کیا ہے ؟ "کیا یہ ایسے الفاظ نہیں کہ شقی القلب کا دل بھی دہل جائے لیکن ان ظالموں کو رحم نہ آیا انھوں نے اہل بیت کے پر وہ مظالم ڈھائے جو رہتی دنیا تک کے انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔یزید کا نام قہر و بربریت اور لعنت وملامت کی علامت بن گیا۔

چاروں خلفاء راشدین کے بعد امیر معاویہ تخت نشین ہوئے تو ان کے دل میں نسل در نسل نظام حکومت اپنے خاندان میں منتقل رکھنے کی خواہش کروٹ لینے لگی چنانچہ اس نے اپنے بعد نا اہل بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔یزید کو اپنے اقتدار کے لیے نواسہ رسول ﷺ سے سب سے زیادہ خطرہ تھا کہ وہ ان کے حق میں بیعت نہیں کریں گے تخت نشین ہوتے ہی یزید نے اپنی سازشوں کا جال دونوں بھائیوں حضرت امام حسینؑ اور امام حسنؑ کے گرد بننا شروع کر دیا تھا

سب سے پہلے اس نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوا کر جام شہادت دلوایا اور اسکے فورا بعد اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں لوگ اس کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں کہ اسلام وراثتی حکومت کے سخت خلاف ہے اس کا اقتدار خطرہ میں نہ پڑ جائے اس بات کا بھی اسے علم تھا کہ اس خلافت کے صحیح جانشین حضرت امام حسینؑ ہیں اس نے آپؑ سے بیعت کا مطالبہ کیا حضرت امام حسینؑ یزید کی نا اہلی اور اخلاقی پستی سے واقف تھے اس لیے آپؑ نے اس بیعت سے انکار کیا اور کوشش کی کہ جلد از جلد اس کی پہنچ سے دور نکل جائیں آپؑ نہیں چاہتے تھے کہ آپؑ کی حمایت کرنے والے دوستوں کو کسی قسم کی تکلیف ہو اور خون ریزی میں بے گناہ لوگ مارے جائیں حضرت امام حسینؑ اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ روانہ ہوئے 72 افراد کے اس پرامن قافلے نے جب کربلا کی سرزمین پر قدم رکھا تو یزید نے اپنی چار ہزار فوجوں کو آپؑ کا راستہ روکنے اور شہید کرنے کے لئے بھیجا آپؑ نے ان کو تین شرطیں پیش کی جن کے مطابق آپ نے یزید سے اپنا معاملہ خود طے کرنے، واپس جانے اور کسی مسلمان ملک کی سرحد پر جانے کی پیش کش شامل تھی مگر ابن زیاد نے آپؑ کو یزید کے ہاتھوں بیعت کرنے یا پھر جنگ کے لیے تیار ہونے کی شرط رکھی آپؑ کسی ایسے نااہل کو مسلمانوں کا امیر تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے آپؑ نے دوسری شرط کو تسلیم کیا۔ المختصر دسویں محرم کو بعد نماز فجر عمر بن سعد اپنی چار ہزار فوجیں لے کر نکلا امام عالی مقام نے بھی اپنے ۷۲ ساتھیوں کی مختصر فوج کو صف آرا

کیا پہلا تیر لشکر امام حسینؑ پر عمر بن سعد نے چلایا پھر ایک کے بعد ایک جا نثاران امام حسینؑ شہید ہوتے گئے لیکن شہید ہونے سے پہلے دشمن کے کئی سپاہی داخل جہنم کر دیتے جب عمر بن سعد نے جنگ کا یہ نقشہ دیکھا کہ اس طرح تو میرے سینکڑوں سپاہی ما رے جائیں گے تو اس نے ایک ساتھ حملہ کا حکم دے دیا خاندان اہل بیت نے انتہائی بہا دری سے شہادت کو قبول کیا یہاں تک کے آخری اہل بیت حضرت امام حسینؓ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا عمر بن سعد نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کی نعش مبارک کو گھوڑے کی ٹاپوں سے روند دیا جائے دس سپاہیوں نے گھوڑے دوڑا کر آپؑ کی لاش مبارک کو روند ڈالا دوسرے دن سعد بن عمر نے میدان جنگ سے کوچ کیا تو اہل بیت کی خواتین اور بچوں کو اسیر بنا کر کوفہ جانب روانہ ہوا شہداء کے سر کاٹ لئے گئے امام حسینؑ اور آپ کے خاندان نے اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن ظالم و جابر حکومت کی اطاعت ووفاداری کسی طور قبول نہیں کی نواسہ رسول ﷺ ہونے کی بناء پر یہ آپؑ کی تربیت کا حصہ تھی کہ قانون شریعت کی بقاء اور استحکام کے لیے جان ومال کی قربانی کوئی معنی نہیں رکھتی اگر اسلامی مملکت قرآن کے احکامات کے مطابق نہ ہو تو اس کی اطاعت ہر گز تسلیم نہ کی جائے خواہ حکومت وقت کتنی ہی قوت و شوکت سے مرعوب کرنا چا ہے اس کی طاقت سے کبھی نہیں ڈرنا چاہئے واقعہ کربلا یزید کے دامن حکومت پر وہ بد نما داغ ہے جو قیامت تک کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

آپؑ کی شہادت اور اپنے موقف پر قائم رہنا ہم آج کے مسلمانوں کو کئی درس دیتا ہے
کہ کس طرح آپؑ نے شہادت قبول کر لی مگر دعوت حق و حریت کی راہ نہ چھوڑی آپ
جانتے تھے فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے باطل کو بہ ظاہر تھوڑی دیر کے لیے فروغ حاصل ہو
بھی جائے پھر بھی سچ جاننے و سمجھنے والے کی نگاہ میں حق کو فتح حاصل ہوتی ہے دنیا نے
دیکھا کہ فتح یزید کی ہوئی یا امام عالی مقام کی ہوئی حضرت امام حسینؑ اور ان کے سا
تھیوں کو ایسی فتح نصیب ہوئی کہ مسلم و غیر مسلم سب کے لئے حضرت امام حسینؑ حق
و شجاعت کا سمبل بن گئے ہر سال محرم الحرام کے مہینے میں آپکی داستان شجاعت
آپؑ کے اسوہ حسنہ کو یاد کر کے تمام مسلمان درس نصیحت لیتے ہیں شہیدان کربلاؓ نے
حق و صداقت کی راہ میں جس عزم و ثبات کا ثبوت دیا وہ دنیا میں اپنی مثال آپ ہے
سچ ہے کہ اہل بیت کے خون شہادت کے قطروں کو تا قیامت فنا نہیں ۔

انسانی حقوق کے تحفظ کا عہد

مشہور فرانسیسی مفکر روسو کہتا ہے کہ " انسان آزاد پیدا ہوا تھالیکن ہر طرف وہ زنجیر میں جکڑا ہوا ہے،، کہیں یہ زنجیریں ظلم واستبداد کی ہیں تو کہیں جرم وزیادتی کی ،انسان کو انسان کے حقوق غصب کرنے کی حرص کبھی ختم نہ ہوئی نہ ہوگی، کھیت کھلیان تہس نہس کیے گئے کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے ملک کے ملک تباہ ہوئے لیکن حضرت انسان نے اپنا ظلم نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے نبی اور پیغمبر بھیجے جنھوں نے انسانوں کو انسانیت کا درس دیا احترام آدمیت کی تلقین کی کہ معاشرے میں بناء ایک دوسرے کے حقوق ادا کئے بغیر ہم کسی طور زندگی نہیں گزار سکتے ہمارے آخری نبی ﷺ نے دنیا کا پہلا انسانی حقوق کا منشور خطبہ حجتہ الودع کی صورت میں آج سے چودہ سو سال پہلے پیش کیا یہ وہ خطبہ ہے جو سارے عالم انسان کے لئے مشعل راہ ہے جس کے چارٹر کی کوئی نظیر تا قیامت نہیں ملے گی آپ ﷺ نے فرمایا" جس طرح تم اس دن ،اس مہینے اور اس جگہ کا حترام کرتے ہو اسی طرح تمھاری جانیں ،مال ، عزت وآبرو ایک دوسرے کے لیے صاحب احترام ہیں ، عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں ،غلاموں کے بارے میں فرمایا جو خود کھاؤ انھیں بھی کھلاؤ ،جو خود پہنو انھیں بھی پہناؤ ، رنگ نسل ، ذات برادری ، امیری غریبی کے فرق کو مٹا

کر تمام انسانوں کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اگر کوئی لائق عزت واحترام ہے تو وہ جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس کے احکامات پر سختی سے کاربند ہے سب اولاد آدمؑ ہیں آدمؑ مٹی سے بنے ہیں مٹی کے پتلے کو سرکش اور مغرور ہونا روا نہیں ،، آپ ﷺ نے مہمانوں سے لے کر قیدیوں تک سب سے حسن سلوک کا درس دیا ہم مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس یہ منشور صدیوں پہلے آچکا یہ اور بات کہ ہم اس پر عمل سے گریزاں ہیں ہم اپنے چارٹر آف انسانی حقوق کو بھول کر ہر سال دس دسمبر کو اقوام عالم کے ساتھ مل کر اس کے بنائے ہوئے منشور پر سیمینار اور تقاریر کرتے ہیں شمعیں روشن کرتے ہیں۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے جب اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا تو اس نے پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے جہاں دیگر ادارے قائم کئے وہاں 10 دسمبر 1948ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کا اعلان کیا جس میں چند حقوق سب انسانوں کے لیے مساوی قرار دیئے گے قانون کی نظر میں سب کے لئے برابری کا حق ،زندہ رہنے کا حق ، تعلیم حاصل کرنے کا حق ، نقل وحرکت کی آزادی کا حق شادی بیاہ اور خاندان بنانے کی آزادی کا حق ،کام کی آزادی اور ایک جیسے کام کی برابر اجرت پانے کا حق ، اقلیت کے حقوق کی حفاظت کا حق اور اظہار وآزادی کا حق کہ تمام دنیا کے

انسان بناء کسی مداخلت کے اپنی زندگی گزار سکیں اقوام متحدہ کے قانون کے مطابق کسی آزاد ملک کے اندورنی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی جا سکتی مگر طاقت ور ممالک نے انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر دی ہیں ہر غریب پسماندہ ملک کو اپنی زیر نگین رکھنے کا سلسلہ جاری ہے اس بیں افریقہ کے غریب ممالک، عراق ہو یا افغانستان سب شامل ہے اقوام متحدہ اس بابت محض بے بس خاموش تماشائی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور امریکہ انسانی حقوق کے چارٹر کی کھلی خلاف ورزیوں میں مصروف ہے اس کی سب سے بڑی مثال پاکستان کی بے گناہ بیٹی عافیہ صدیقی ہیں جو اپنی بے گناہی ثابت ہونے کے بعد بھی 80 سال کی سزائے قید کاٹ رہی ہیں انھیں گرفتاری کے بعد افغانستانی جیلوں میں مردوں کے ساتھ رکھا گیا ان پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ نیم پاگل ہو چکی ہیں ،یہی نہیں گوانتے موبے عقوبت خانے میں قید مسلمانوں کو کوئی انسانی حقوق حاصل نہیں انھیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے نماز پڑھنے عبادت کرنے کی آزادی نہیں اس جیل کے قیدی اسے زمین پر قائم ایک جہنم سے تعبیر کرتے ہیں انھیں ہر طرح سے نفسیاتی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے دنیا کے 240 ممالک میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں ان پر بربریت عروج پر ہے وہ خواہ اسرائیل کے زیر حراست 16 لاکھ فلسطینی مسلمان ہوں یا پھر برما میں بدھسٹ کا

شکار روہنگیا مسلمان ، بوسنیا کے مسلمان ہوں ، عراق اور افغانستان میں زیر نگین مسلمان ملک یا پھر گزشتہ 67 سالوں سے بھارت کے مظالم سہتے کشمیری مسلمان ہوں ہم آئے دن کشمیر میں اجتماعی قبروں کے انکشافات کی خبریں سنتے ہیں بے گناہ کشمیریوں کو بھارت عقوبت خانوں اذیت ناک تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے خواتین کی عزتیں محفوظ نہیں دنیا کے ذرائع ابلاغ کو کشمیر جانے کی اجازت نہیں کشمیری آبادی سے زیادہ تعداد میں وہاں بھارتی افواج موجود ہیں جو ہمہ وقت ان پر اپنا قہر و جبر روا رکھے ہوئے ہیں ۔

اگر ہم اپنے ملک کے حالات کا جائزہ لیں تو اس وقت خود ہمارے وطن عزیز کے لوگ بھی دہشت گردی کے سائے میں جی رہے ہیں یہ ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہے آئے دن کے خود کش بم دھماکے ، ٹارگٹ کلنگ ، بھتہ کی رقم وقت پر پہنچانے کا خوف ، اغواء برائے تاوان کی بڑھتی ہوئی صورت حال نے عوام کو ذہنی مریض بنا دیا ہے ہر وقت خوف کی تلوار ہم سب پر لٹکتی رہتی ہے بلوچستان میں امن وامان کی صورت حال بہت تشویش ناک ہے وہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں نے عوام کو بد دل کر دیا ہے لاپتہ افراد کا معاملہ زیر عدالت ہے ان کے لواحقین اپنے پیاروں سے ملنے کو بے چین ہیں اس وقت ہمارے ملک میں انسانی حقوق کے منشور پر کتنا عمل درآمد ہو رہا ہے عام آدمی کس قدر بے بسی اور لاچاری سے جی رہا ہے کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ۔

ہم ہر سال عالمی حقوق کے دن بڑے بڑے سیمینار منعقد کراتے ہیں تقاریر میں عدادو شمار گنوائے جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ تھوڑی دیر کو بحثیت مسلمان حقوق انسان کے اس آخری رہنما کی ہدایت کی روشنی میں خود کو دیکھیں اپنا جائزہ لیں ہماری ترجیحات کیا ہیں ؟ہم کس طرف جارہے ہیں ؟ ہماری اپنی کیا کوتاہیاں ہیں ؟ ہم کیوں خوف ، دہشت گردی ،لاقانونیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ؟ کہیں تو حقوق انسانی کے عظیم منشور میں اس کا حل ضرور موجود ہوگا۔۔

یہ وقت کیا ہے۔۔۔۔

سر آئزک نیوٹن کہتے ہیں "وقت ایک سمندر ہے جس میں زندگی کا جہاز تیر رہا ہے،، یہ وقت کیا ہے؟ جو اتنی تیزی سے ہماری زندگی کے ایک سال بہا کر لے گیا اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی ابھی تو کیلنڈر دیوار پر لٹکایا تھا چند دنوں کی بات ہے کہ ڈائری کے پہلے صفحے پر اپنے نام کے ساتھ سارے سال کی پلاننگ لکھی تھی یہ کرنا ہے وہ اچیو کرنا ہے مگر ہمارے سارے پلان سارے ارادے دھرے رہ گئے زندگی میں ہر شام سورج غروب ہوتا ہے ہمیں احساس نہیں ہوتا یہ احساس یکم جنوری کی صبح اخبارات میں گزرے سال کے غروب ہوتے سورج کی تصویر دیکھ کر ہی کیوں ہوتا ہے ایک سال کے کل آٹھ ہزار سات سو ساٹھ گھنٹے (8760) کہاں گئے کچھ پتہ ہی نہین چلا ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے نیا سال شروع ہو گیا کیا جائے زمانے کی رفتار ہی بہت تیز ہے بقول شاعرِ "زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے،، یہاں بھی طلب اور رسد کا نظام رائج ہے وقت بہت کم اور کام اتنے زیادہ کہ زندگی ہیں فرصت کے لمحات میسر ہی نہیں۔ اگر پورے ملک کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو ہم دہشت گردی، بھتہ خوری اور لاقانونیت کے گورکھ دھندوں میں پورا سال پھنسے رہے رہی سہی

کسر ڈرون حملوں اور اچانک لگنے والی آتشزدگی کے عذاب نے پوری کر دی گزشتہ سالوں کے حالات واقعات اگلے سالوں کے لئے چیلنج بن کر آتے ہیں ہم ایک قرض میں ڈوبی ہوئی قوم ہیں ہمارے حکمرانوں نے ہم پر اتنا قرض لاد دیا ہے کہ ہماری آنے والی کئی نسلیں اس کے سود تلے گروی ہو چکی ہے نوجوان نسل بیروزگاری ، فکری بحران اور احتجاجی مزاج کا شکار ہے سی این جی اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے عام پاکستانی کو اقتصادی مشکلات کا شکار بنائے رکھا جس کی وجہ سے ملک میں کرائم کے واقعات میں اضافہ ہوا سرکاری محکموں سے عام لوگوں تک بدعنوانی، چوری ، رشوت ستانی اور کرپشن میں ریکارڈ اضافہ ہوا دو مختلف تعلیمی نظام انگریزی اور اردو نے حاکم و محکوم کا فاصلہ برقرار رکھا اس سال بھی اس میں کوئی انقلابی کام نہ ہو سکا البتہ پنجاب حکومت میں اس پر تھوڑا بہت کام ضرور ہوا۔ ملک کے حالات خواہ کتنے ہی کیوں نہ خراب ہوں بحیثت مسلمان ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے ہر سیاہ رات کے بعد صبح کا اجالا ضرور ہوتا ہے ہو سکتا ہے ملک جس کرائسس سے گزر رہا ہے اس سے نکل کر اگلے سال کچھ اچھے حالات ہمارے منتظر ہوں کیونکہ وطن عزیز کے کچھ بہی خواہ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ملک کا نام سنوارنے کی کوشش بھی کی چند طالب علموں نے نامساعد حالات کے باوجود تعلیمی میدان میں غیر معمولی کارکردگی دکھا کر ملک و قوم کا نام روشن کیا تو دوسری جانب عدلیہ نے کئی دلیرانہ فیصلے کئے اداروں کے سربراہوں کو عدالت کے کٹھہرے میں لا کھڑا کیا

عدلیہ کے منصفانہ فیصلوں کی بدولت نئے سال یں مثبت تبدیلی آنی شروع ہو گی سب پرامید ہیں کہ آنے والا وقت ایک روشن پاکستان کی ضمانت ہوگا وقت کی کھوج یں مشہور شاعر جاوید اختر اپنی نئی کتاب (لاوا) میں ایک خوبصورت نظم لکھتے ہیں آپ بھی پڑھئے۔

یہ وقت کیا ہے یہ کیا ہے جو آخر مسلسل گزر رہا ہے؟
یہ جب نہ گزرا تھا تب کہاں تھا کہیں تو ہو گا؟
گزر گیا ہے تو اب کہاں ہے کہیں تو ہو گا
کہاں سے آیا کدھر گیا یہ کب سے کب تک کا سلسلہ ہے یہ وقت کیا ہے؟
یہ واقعے، یہ حادثے، تصادم، ہر ایک غم اور ہر ایک مسرت، ہر ایک اذیت، ہر ایک لذت
ہر ایک تبسم، ہر ایک آنسو ہر ایک نغمہ، ہر ایک خوشبو، وہ زخم کا درد ہو کہ لمس کا جادو
خود اپنی آواز ہو یا ماحول کی صدائیں، یہ ذہن میں بنتی بگڑتی ہوئی فضائیں
وہ فکر میں آئیں زلزلیں ہوں کہ دل کی ہلچل تمام حساس سارے جذبے
کہ جیسے پتے بہتے پانی کی سطح پر تیرتے ہیں ابھی یہاں ہیں ابھی وہاں ہیں اور اب ہیں بو جھل
دکھائی دیتا نہیں ہے لیکن یہ کچھ تو ہے جو کہ بہہ رہا ہے؟

یہ کیسا دریا ہے کن پہاڑوں سے آ رہا ہے یہ کس سمندر کو جا رہا ہے؟
یہ وقت کیا ہے؟ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ چلتی گاڑی سے پیڑ دیکھو
تو ایسا لگتا ہے دوسری سمت جا رہے ہیں مگر حقیقت میں پیڑ اپنی جگہ کھڑے ہیں
تو کیا یہ ممکن ہے ساری صدیاں قطار اندر قطار اپنی جگہ کھڑی ہوں یہ وقت ساقط ہو اور
ہم ہی گزر رہے ہوں اس ایک لمحے میں سارے لمحے ساری صدیاں چھپی ہوئی ہوں
نہ کوئی آئندہ نہ گزشتہ جو ہو چکا جو ہو رہا ہے جو ہونے والا ہے میں سوچتا ہوں
تو کیا ممکن ہے کہ صدیوں کے سفر میں ہم ہیں گزرتے ہم ہیں
جسے سمجھتے ہیں ہم کہ گزرتا ہے وہ تھما ہوا ہے
گزرتا ہے کہ تھما ہوا ہے اکائی ہے کہ بٹا ہوا ہے، منجمد کہ پگھل رہا ہے
کسے خبر ہے، کسے پتہ ہے یہ وقت کیا ہے

پری کی بد دعا یا کسی جن کا جادو

پرانے قصے کہانی میں شہزادہ جب ایک نئے شہر میں داخل ہوتا ہے تو اس کی حیران آنکھیں دیکھتی ہیں کہ سارا شہر اجاڑ بیاباں ہو چکا ہے چاروں جانب موت کا سناٹا ہے زندگی ٹہری ہوئی ہے جو جس حالت میں ہے اسی میں بت بنا ساکت کھڑا ہے شہزادہ محو حیرت ہے کہ آخر الہیٰ ماجرا کیا ہے سب اتنے خاموش کیوں ہیں بعد میں شہزادے کو معلوم ہوتا ہے کہ کسی پری کی بد عا یا کسی جن نے جادو کے زور سے سارے شہر کو ساکت کر دیا ہے یہی صورت حال ہمارے شہر کراچی کی اس وقت ہوئی جب حضرت امام حسینؑ کے چہلم والے روز پاکستان کے بڑے شہروں اور حساس علاقوں میں کیٹینر لگا کر آمد ورفت کے راستے بلاک کر دئے گئے ڈبل سواری پر پابندی اور سی این جی بندش کی تو اب عوام عادی ہو چکے ہیں انٹرنیٹ اور موبائل فون سروسز بند کر دی گئی جو جہاں تھا اسکی خبر بقول غالب" ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی، کچھ ہماری خبر آتی نہیں ،، پاکستان میں موت کے سائے تلے زندگی گزارنے والے عوام کے لئے موبائل فون زندگی کا ایک لازمی جز بن چکا ہے گھر سے نکلنے والوں کی خیر وعافیت کا واحد ذریعہ (کہ اب اور کسی پر بھروسہ تو رہا نہیں) بھی بند ہو گیا سب اپنے پیاروں کے لئے پریشان و فکر مند رہے یا خدایا کیا ماجرا ہو گیا اچانک کیا افتاد پڑی کہ اس طرح سے

اچانک موبائل سروسز بند کرنے کی ایمرجنسی لگائی گئی اس سے قبل بھی موبائل سروسز کی بندش سے دہشت گردی کی کامیاب روک تھام کی گئی تھیی سو اسی تیر بہدف کو آزمایا گیا ۔

کراچی کے تمام سیاسی فریق موجودہ حکومت کے اتحادی ہیں پھر بھی کراچی میں لاقانو نیت دہشت گردی، بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ اور بم دھماکے زوروں پر ہے۔ بے گناہ شہری مارے جارہے ہیں ٹارگٹ کلنگ سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد 2011 ء سے پچھلے سال کہیں زیادہ رہی کوئی ایک قاتل بھی سزا کی سولی پر نہ پہنچ سکا مقتولوں کے ورثاء اپنے پیاروں کا لہو کس کے ہاتھوں پر تلاش کریں۔ پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات دن بدن کہیں زیادہ خوفناک کہیں زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کر تے جارہے ہیں خصوصاً کراچی جو کبھی روشنیوں کا شہر کہلاتا تھا جس کی راتیں بھی دن کے اجالوں کی مانند پر رونق اور روشن تھیں آج اندھیر نگری میں تبدیل ہو چکا ہے روزانہ آٹھ دس شہری اس وحشیانہ دہشتگردی کا شکار ہیں اس کھیل میں اسباب چونکہ غیر واضح اور مبہم ہیں اس لیے کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے اس کے پیچھے کیا عوامل کار فرما ہیں یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے اس قتل و غارت گری کے عوامل سے آگاہ ہیں مگر زبان بند رکھنے پر مجبور ہیں۔

کراچی سے ملک کی معاشی ڈور بندھی ہوئی ہے پورے ملک میں سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنے والے اس شہر کراچی کے بارے میں ایک معروف سماجی کارکن اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں کہ اس شہر میں امن وامان کی خراب صورتحال کوئی ایک دوسال کاشاخسانہ نہیں اس میں ہماری ماضی کی حکومتوں کی غیر سنجیدہ پالیسیوں کا بھی بڑا عمل دخل ہے اس کے ساتھ ساتھ موجودہ حکومت کے قومی اور سیاسی مفادات بھی اس کا اہم سبب ہیں جن پر توجہ دی جانی چاہیے دنیاکے بڑے شہروں میں انتظامی ڈھانچہ چھوٹے شہروں کی نسبت بڑے مختلف بنائے جاتے ہیں تاکہ انھیں باآسانی چلایا جاسکے اپنے شہرکے بارے میں مقامی لوگ زیادہ بہتر جانتے ہیں خاص کر جرائم پیشہ افرادکے بارے ہیں وہ زیادہ بہتر آگاہی رکھتے ہیں اس لئے مقامی لوگوں کوشہرکے نظم و نسق میں اہمیت دی جاتی ہے اس کے برعکس اگر ہم کراچی جیسے شہر کی بات کریں جس کی آبادی ڈیڑھ کڑوڑ سے زیادہ تجاوز کرچکی ہے پچھلی تین دہائیوں سے کراچی کے اطراف کچی بستیوں کی تعداد میں کثیر اضافہ ہوا ہے یہاں پر صرف باہر سے آئے ہوئے برمی، بنگلہ دیشی، افغانی اور دیگر قوموں کے باشندوں کی تعداد لاکھوں میں ہے جن کی اکثریت غیر قانونی طورپر رہائش پذیر ہیں پھران کی کوئی مردم شماری یا مستند شہریت و شناخت کا معلوم نہیں جس کی وجہ سے ان کے پاس روزگار سے لے کر رہائش، غذاور سیوریج تک

ہر مسئلہ درپیش ہے کچی بستیوں میں رہنے والے یہ لوگ ایک ہی جگہ اپنے ہم زبان گروپ کے ساتھ رہائش پذیر ہوتے ہیں ان میں موجود جرائم پیشہ لوگ اپنے ہم زبان لوگوں میں باآسانی پناہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ کراچی کے موجودہ حالات پرعوامی سطح پر لوگوں کے خیالات مختلف ہیں کچھ لوگ اسے لسانی بنیادوں پر اور کچھ اسے مذہبی شدت پسندی کی نظروں سے دیکھتے ہیں کیونکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قتل ہونے والے ایک خاص مسلک سے تھے تو دوسرے دن مخالف مسلک کے افراد کی لاشیں گرائی گئی کچھ کا خیال ہے یہ فسادات اختیارات وزمین پر قبضے کی کوششوں کا حصہ ہیں جن میں کئی مافیائیں ملوث ہیں وزیر داخلہ رحمٰن ملک کا موقف ہے کہ باہر سے آئے طالبان وارادات کرکے رخصت ہو جاتے ہیں اب تو صدر صاحب کے کراچی میں موجود ہونے کے باوجود کراچی میں بدامنی کا دور دورہ رہتا ہے دہشت گردوں کے ہاتھوں درجنوں لوگوں کی ہلاکتوں کے باوجود کوئی اس شہر کا پرسان حال نہیں اس شہر کو دہشت گردی کے عذاب سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ شہر کے شراکت دار سر جوڑ کر بیٹھیں اور بطور خاص سیاست سے قطعی پاک لوگوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے جن میں تاجر،برادری ، اساتذہ کرام ، شعیہ اور سنی علماء کرام کو بھی مدعو کیا جائے ان کی تجاویز کی روشنی میں اصلاحات کی جائیں یہاں کے رہنے والے یقیناامن قائم کرنے میں پرخلوص ہوں گے ان کے شہر میں سکون ہو وہ اپنے روزمرہ کے کام کسی خوف یا دباو کے بغیرانجام دے سکیں خواہ اس کے لئے پاک فوج سے مدد لینی پڑ

جائے اس کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نظر نہیں آتا کہ آئے دن پورے شہر کو بند کر کے امن کا قیام اپنی نوعیت میں انوکھی مثال ہے چہلم کے اداس دن آپ تھوڑی دیر کو تصور کریں،اگر کوئی نیا مسافر ہمارے شہر کراچی میں وارد ہو تو کیا وہ اپنی حیران آنکھوں سے موت کے سے چھائے سناٹے کو کسی پری کی بد عا یا کسی جن کا جادو نہ سمجھے گا۔

ایسے ہیں میرے نبی ﷺ

12 ربیع الاول کو وہ بوریا نشین بادشاہ اس ہنگامہ خیز دنیا میں تشریف لائے جنھوں نے فقیری میں بادشاہی کی، آپ ﷺ نے محبت کی تلوار سے ملکوں کو ہی نہیں بلکہ دلوں کو بھی فتح کر لیا، آپ ﷺ کے ماننے والے رشتہ اخوت میں اس طرح بند ھے جس طرح دو ماں جائے بھائی، یہ چیز بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ صرف آپ ﷺ ہی کی زندگی ہے جو پوری کی پوری با تمام و کمال جزئیات، اعمال و کردار کے ساتھ محفوظ ہے اور ہر حال کے انسان کے لیے آئینہ حق رہ نما لیے، جس میں اس کے خدوخال نظر آئیں تاکہ کسی شعبہ زندگی میں کسی دوسرے رہنما کی ضرورت نہ پڑے آپ ﷺ کے بچپن کو ہی دیکھ لیں ایک ایسے بیاباں دور میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کے سر سے باپ، ماں اور دادا کا سایہ عافیت بھی کمسنی میں ہی اٹھ جاتا ہے۔ ایک طرف عرب جہالت کے دلدل میں پڑا ہوا ہے اور دوسری طرف جب اس بچے کا کوئی سرپرست نہ رہا تو تعلیم و تربیت کا کیا ذکر، دائی حلیمہ کے پاس تھے تو ان کے بچوں کو بکریاں چراتے دیکھ کر ان کے کام میں ان کا ساتھ دیا سن شعور سے پہلے ہی چچا ابو طالب کی غربت دیکھ کر بدوں لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے لگتے ہیں۔

معاشرہ ہر طرح سے بگڑا ہوا ہے، بے حیائی بد کلامی جزوزندگی بن چکی ہے، اس ماحول میں رہ کر بھی نہ کبھی جھوٹ بولا، نہ بد کلامی کی، نہ کبھی چوری کی بلکہ سرتاپا مجسم و شرم وحیا نظر آتے ہیں۔ سچے اور دیانتدار ایسے کہ دشمن بھی " صادق وامین " کے لقب سے پکارتے ہیں، جوان ہوتے ہیں مکہ کے تاجروں کے ہاں مزدوری پر اور کبھی کبھی نفع میں حصہ پر کام کرنا شروع کرتے ہیں اس طرح ۲۵ سال کی عمر تک کام کیا اس مزدوری یں کچھ حصہ ملتا تھا، جو یقینا بہت کم تھا اپنی گذوروا وقات کرتے ہیں اسی پر شاکر نظر آتے ہیں مکہ کی ایک مالدار خاتون ان کی ایمانداری سے متاثر ہو کر نکاح کا پیغام بھیجتی ہیں، آپ ﷺ کے پاس کچھ نہیں اس لیے چچا ابوطالب نے بھی جو خطبہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کے موقع پر دیا اس میں حضور ﷺ کے اخلاق اور شرافت کے ذکر کے ساتھ اس بات کا ذکر بھی تھا کہ دولت دنیا آپ ﷺ کے پاس نہیں، آپ کے کنوارے رہنے کی ایک دلیل یہ بھی تھی آپکے پاس مال وزر نہ تھا، ورنہ عرب میں نوجواں 16 سے 17 سال میں شادیاں کر لیتے تھے۔

شادی کے بعد دس سال آپ ﷺ خود بازار میں تجارتی لین دین کرتے ہوئے ملتے ہیں بی بی خدیجہؓ اور قریش کے دوسرے تاجروں کا مال لے کے سفر تجارت کر

تے ہیں اور اپنی اجرت حاصل کرتے ہیں چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی نازل ہوتی ہے قریش کی طرف سے ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں مگر پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی اپنے چچا ابو طالب سے فرماتے ہیں " اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک پر چاند رکھ دیں تو بھی میں حق کے اعلان سے باز نہ آوں گا " سالہا سال کے ظلم و ستم اور تکلیفوں کے بعد بھی کبھی ایک لمحہ کو مایوسی آپ ﷺ کے دل میں جگہ نہ بنا سکی ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "مدینہ کے زمانہ قیام کے دوران حضور ﷺ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر کھانا نہ کھایا"۔

آپ ﷺ جو وعدہ کرتے اسے پورا کرتے ، سچائی اس درجہ تھی کہ دشمن بھی جھوٹا نہ کہ سکے ، سادگی طبیعت بے انتہا تھی ، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے ، رہنے سہنے میں ذرا تکلف نہ تھا۔ گفتگو فرماتے تو ٹھہر ٹھہر کر کبھی بے ضرورت بات نہ کرتے ہنسی آتی تو مسکرا دیتے ۔ نماز میں سراپا نیاز بن جاتے ، نرم دل اتنے کہ کسی کی تکلیف دیکھی نہ جاتی ۔ غرض کہ جس پہلو سے دیکھیے ایک مکمل ذات کا صحیح پیکر۔

اگرآج کی زندگی میں ہدایت لینی ہو توآپ ﷺ ہر شعبہ زندگی میں نمونہ بن کر ہماری ہدایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ بچہ اور نوجوان آپ ﷺ کی ابتدائی

زندگی سے سبق لے ، مزدور دیکھنا چاہیں تو خندق اور مسجد نبوی کے مزدوروں کے سر دار کو ضرور دیکھیں ، زاہد و عابد درس لینا چاہیں تو غار حرا کے متعکف کو دیکھ لیں ، خطیب دیکھنا چاہیں خطبہ حجتہ الوداع دیکھ لیں، اگر کسی فوجی افسر کو طریقہ جنگ کے اصول سیکھنا ہو تو میدان بدر اور خندق کے اعلی افسر کو دیکھ لے ، امرا، لیڈر اور سیاست داں اپنانا چاہیں تو مدینہ کی مثالی زندگی کو اپنے لیے مثال بنالیں ، غریب ومساکین مدینہ کے فاقہ کرنے والے کائنات کے مالک کی ہمت وعزم سے حالات کا مقابلہ سیکھیں۔
غرض زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ نے ہدایت کا سامان پیدا کر دیا جو ہمارے ہر دور کے ہر عمر کے اور ہر طبقے کے لیے مثال کا درجہ رکھتی ہے۔
ان کی تعریف اور خوبیوں میں یہ ایک چھوٹا سا مضمون اسی طرح ہے گویا چھوٹا منہ اور بہت، بہت بڑی بات اور میں سوچنے پر مجبور رہوں کہ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے ہم تمام دنیا کے انسان جہالتوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوتے۔ ہماری دنیا اور آخرت دونوں برباد تھی کہ بحثیت عورت ہمارے لیے عورتوں کے حقوق کی صیح نگہبانی آپ ﷺ نے فرمائی آپ ﷺ نے معمولی غلاموں کی زندگی میں خود مختاری کی نئی روح پھونک دی میری بات سے آپ سب ہی اتفاق کریں گے کہ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے تمام اصول وضوابط آنحضرت ﷺ کے

بتائے ہوئے ہیں اور خطبہ حجتہ الوداع کی تعلیمات کا مظہر ہیں یہ چیز بھی آپ ﷺ کی
ذات اقدس ہی کے ساتھ مخصوص ہے کہ انسانی تاریخ میں صرف آپ ﷺ ہی کی
زندگی ہے جو پوری کی پوری با تمام وکمال جزئیات حافظہ میں ُذہن و فکرُ میں صفحات کا
غذپر، بلکہ اعمال وکردار تک میں محفوظ ہے قدرت کے جانب سے اس تحفظ میں یہ راز
بھی مخفی ہے کہ ہر عمر اور ہر حال کے انسان کے لیے آئینہ رہ نما ہے آج ہم تمام مسلما
نوں کو ان ہدایات پر جو آج سے تقریبا پندرہ سو سال پہلے دی گئ تھیں پیش نظر رکھ کر
اپنے حالات کا جائزہ لینا چاہیے جب میں آپ ﷺ کی تمام صفات پر نظر ڈالتی ہوں
کہ آپ ﷺ کیسے معاشرے کے فرد تھے لیکن ! آپ ﷺ کیا ہو گئے تو آپ ﷺ
مجھے دنیا کی سب سے خوبصورت اور عزیز ہستی دکھائی دیتے ہیں اور میں دل کی گہرائی
سے کہتی ہوں کہ ایسے ہیں میرے پیارے نبی ﷺ ۔

جمہوریت۔ یہ کھیل کیا ہے

پاکستان میں جمہوری الیکشن کی بساط بچھ چکی ہے تمام ماہر سیاست دان اس بساط میں شریک اپنی ماہرانہ چالوں کے جوہر دکھانے میں مصروف ہے ووٹرز کی ووٹ اس بساط کو جیتنے کا اہم مہرہ ہے ووٹرز ایک ایسا مہرہ جو الیکشن سے پہلے اور بعد میں شطرنج کا پیادہ ہی رہتا ہے جو باشاہ و وزیر کو بچانے کی خاطر اپنے آپ کو پٹنے کے لیے آگے کر دیتا ہے کیونکہ ابھی ہماری قوم کے لئے عبرت پکڑنے ضرورت ختم نہیں ہوئی۔ بحیث ایک غریب عوام کے میں سوچتی ہوں (حلانکہ مجھے معلوم ہے کہ غریب عوام کو سوچنے کا حق نہیں) اس ملک میں جمہوری طریقے سے حکومت کرنا کیا واقعی اتنا دشوار کام ہے جس کے لئے ڈھیر سارا بینک بیلنس، سینکڑوں مربعوں کا مالک ہونا، کا رخانے، فیکٹریاں ملیں اور جائیدائیں ہونا لازمی کوالیفیکشنز ہے آگے پیچھے پھرنے والے خوشامدی ٹولے، نوکر چاکر، کمی کمین مزارعے بہت ضروری خوبیاں ہے جو گھر سے گاڑی کے سفر تک باپیادہ دوڑتے خدمت سرانجام دے سکیں۔ لوٹا کریسی ،جو ڑتوڑ، بیوروکریسی سے ساز باز، جھوٹ منافقت اور پیٹھ پر چھرا گھونپنے تک لازمی ڈگریاں میں ڈھیر سارا اسلحہ ہونا ضروری ہے جمہوریت تودوسرے ممالک میں بھی را ئج ہے آخروہاں یہ گھناونا کھیل کیوں نہیں کھیلا جاتا۔

پوری دنیا میں بہترین طرز حکمرانی کے لحاظ سے جمہوری نظام کو اولین حیثیت حاصل ہے جمہوریت کی جائے پیدائش یونان (ایتھنز) کہی جاتی ہے جمہوریت کے لغوی معنی لوگوں کی حکمرانی کے ہیں یعنی عوام کی طاقت کا نام جمہوریت ہے ایک یونانی مفکر ہیروڈوٹس کہتے ہیں کہ "جمہوریت ایک ایسی طرز حکومت کا نام ہے جس میں ریاست کے حاکمانہ اختیارات قانونی طور پر پورے معاشرے کے اختیار میں ہوتے ہیں بابائے جمہوریت ابراہم لنکن جمہوریت کی تعریف یوں کرتے ہیں" عوام کی حکومت، عوام کے لئے حکومت، اور عوام سے حکومت،، معروف مزاح نگار ادیب پطرس بخاری فرماتے ہیں کہ ' پاکستان میں جس قسم کی جمہوریت کا رواج ہے اس کا تلفظ انگریزی میں تو وہی ہے لیکن (Goverment by the pople for the اسپلینگ ہجے میں مختلف ہے people and of the people) یعنی عوام کو خریدتی ہے، عوام کو دور کرتی ہے اور عوام کو ختم کرتی ہے،،۔ الیکشن کمیشن کیجانب سے گھر گھر ووٹرز کی لسٹیں جمع کرنے کا کام جاری ہے موجودہ حکومت کی پانچ سالہ کارکردگی دیکھنے کے بعد ہر باشعور عوام مخمصے کا شکار ہے کس کو ووٹ دیا جائے؟ کون ہے جو اس جمہوریت کی کشتی کو احسن طریقے سے موجودہ حالات سے نکال سکتا ہے کوئی ایسا جو عوام کے لئے مخلص ہو جس کے دل میں قوم کا درد ہو جو جمہوریت کو بہترین انتقام ہے کہتے ہوئے عوام سے انتقام نہ لے۔ جیسے جیسے الیکشن کی تاریخیں قریب آرہی ہیں سیاسی بساط میں تیزی سے

تبدیلیاں دیکھنے یں آرہی ہیں جوڑ توڑ، ساز باز، ماہر سیاسی کھلاڑی اپنی موجودہ سیاسی پارٹی چھوڑ کر مقبول سیاسی پارٹیوں میں شمولیت اختیار کر رہے یں ہمارے کئی سیاسی لیڈرز ایسے یں جن کے بارے میں پتہ نہیں چلتا کب انھوں نے دوسری پارٹی یں شمولیت اختیار کرلی ساست دانوں کی مخالف پارٹی سے شہ اور مات کے کھیل میں عوام اب تک جمہوریت کا کھیل سمجھ نہیں پائے ہمارے سیاسی ناقدین جمہوریت کو شطرنج کی بساط سے تشبیہ دیتے آئے ہیں اور شطرنج کے کھیل کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے جاوید اختر ایک خوبصورت نظم لکھتے ہیں یہ آپ کی نذر ہے۔

یہ کھیل کیا ہے

میرے مخالف نے چال چل دی ہے اور اب میری چال کے انتظار میں ہے
مگر یں کب سے سفید خانوں میں رکھے کالے سفید مہروں کو دیکھتا ہوں
میں سوچتا ہوں یہ مہرے کیا ہیں
گر یں سمجھوں یہ جو مہرے ہیں صرف لکڑی کے ہیں کھلونے
تو جیتنا کیا ہے ہارنا کیا ہے نہ یہ ضروری نہ وہ اہم ہے
گر خوشی ہے جیتنے کی نہ ہارنے کا کوئی غم ہے، تو پھر یہ کھیل کیا ہے
میں سوچتا ہوں جو کھیلنا ہے تو اپنے دل میں یقین کر لو
یہ مہرے سچ مچ کے بادشاہ و وزیر سچ مچ کے ہیں پیادے
مگر میں ایسا جو مان بھی لوں تو سوچتا ہوں یہ کھیل کیا ہے

یہ جنگ ہے جس کو جیتنا ہے یہ جنگ ہے جس میں سب ہے جائز
کوئی یہ کہتا ہے جیسے مجھ سے یہ جنگ بھی ہے یہ کھیل بھی ہے
یہ جنگ پر کھلاڑیوں کی یہ کھیل ہے جنگ کی طرح کا، میں سوچتا ہوں
جو کھیل ہے اس میں اس طرح کا اصول کیوں ہے کہ کوئی مہرہ رہے کہ جائے
مگر جو ہے بادشاہ اس کبھی کوئی آنچ بھی نہ آئے
وزیر ہی کو ہے بس اجازت کہ جس طرف بھی ہو چاہے جائے
میں سوچتا ہوں یہ اصول کیوں ہے پیادہ جو گھر سے نکلے پلٹ کے واپس جانے نہ پائے
میں سوچتا ہوں اگر یہی ہے کھیل تو پھر یہ کھیل کیا ہے
میں سوالوں سے جانے کب سے الجھ رہا ہوں
میرے مخالف نے چال چل دی ہے اور اب میرے چال کے انتظار میں ہے

یک جہتی کشمیر کا دن

کشمیر کے چنار رنگ شہیدوں کے لہو سے سرخ ہیں اس میں سات دھائیوں کا طویل سفر اور تین نسلوں کا خراج شامل ہے جو اس بے نظیر وادی کو آزادی کی قیمت ادا کرتے نہیں تھکتے اور آزادی دلانے تک نہ کبھی تھکیں گے ، پانچ لاکھ بھارتی افواج نے اس جنت نظیر وادی کو اپنے غاصبانہ قبضے سے جہنم بنا رکھا ہے مگر کشمیریوں کے حوصلے بلند ہیں اور وہ بھارت کی ظلم و ستم کا شکار اپنی آزادی کی جنگ میں اپنے لہو کا نذارانہ پیش کر ہے ہیں ۔

۵ فروری کو پاکستانی قوم اپنے کشمیری بھائیوں سے اظہار یک جہتی کے طور پر مناتی ہے اس دن کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ عالمی طاقتیں تحریک آزادی کشمیر کی طرف متوجہ ہوں اور اسکی بھرپور حمایت کریں تاکہ جنوبی ایشیاء میں امن کی ضمانت فراہم ہو سکے ۔ ہم سب کی بحثیت مجموعی یہ ذمہ داری ہے کہ قومی اور سیاسی قوتیں متحد ہو کر اسکی حمایت کریں اور اسکی آزادی کی اہمیت کو پوری دنیا میں اجاگر کریں تاکہ بھارت کے غاصبانہ قبضے سے جلد از جلد رہائی حاصل ہو سکے ۔

16 مارچ 1946 ء کو ایک غلامی کے طوق سے دوسری غلامی اس کا مقدر بنی، جس وقت انگریزوں نے اس جنت ارض وطن کو ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاتوں محض 75 لاکھ نانک شاہی روپیہ کے فروخت کیا، اس وقت کے حساب سے باشندوں کی قیمت سات روپے فی کس پڑی، ڈوگرہ راج میں مسلمانوں کی زندگی ایک گائے کا درجہ بھی نہ پا سکی، شروع میں گاؤ کشی کی سزا موت تھی، ملزم کو رسیوں سے ہاتھ باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا جاتا اور سرعام پھانسی پر لٹا دیا جاتا، عیدالضحی کے موقع پر بھیڑ اور بکریوں کی قربانیوں کے لیے باقاعدہ حکومت سے اجازت حاصل کرنا پڑتی جو کبھی ملتی کبھی نامنظور ہو جاتی، گلاب سنگھ کا جانشیں رنبیر سنگھ بھی باپ کی طرح ان پڑھ جاہل، سخت نکما اور نااہل تھا۔ تقسیم کے بعد اس نے ریاست کو بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا، 24 اکتوبر 1947 ء کو جموں کشمیر کا قیام عمل میں آیا جسے بٹوارے کے بعد پاکستان میں شامل ہونا تھا مگر بدقسمتی سے اس وقت کے وائسرائے اور ہندو لیڈروں کی شاطرانہ منصوبہ بندی نے اس کو غلامی کا طوق پہنا دیا۔ بھارت نے کشمیر پر قبضہ جمانے کے لیے جس مجرمانہ غفلت، مکاری اور سازشی جارحیت کا ارتکاب کیا اس کی حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہے۔ اس حکومت کے قیام کے بعد سے ہی مجاہدین ڈوگرہ حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف رہی شروع میں مجاہدین نے کامیابیاں حاصل کی۔ بھمبر، میرپور، کوٹل، راجوری، مینڈورا اور نوشہرہ کو آزادی دلائی

پونچھ کا طویل محاصرہ بھی کیے رکھا مگر ائیر پورٹ پر قبضہ نہ ہونے کے سبب بھارتی افو
اج کو وہاں سے اتر کر حملہ کرنے کا موقع مل گیا جس کے بعد بھارتی مسلح افواج نے فورا
کشمیر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ جس سازشی جارحیت سے بھارتی فوج نے وہاں اپنا قبضہ جمایا
اس کی حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہو گئی اس پر پردہ ڈالنے کے لیے پنڈت جواہر لال نہر
و نے بین الاقوامی سطح پر یہ جھوٹے وعدے کرنے لگے کہ بھارت جموں کشمیر کے آزا
دی کا فیصلہ غیر جانبداری سے وہاں کے باشندوں کی مرضی سے کرائے گا۔
یو این کمیشن نے تجویز پیش کی کہ کشمیر سے بھارتی افواج کے انخلا کا فیصلہ ایک ثالث
کے ذریعے طے کروایا جائے پاکستان نے اسے قبول کر لیا مگر بھارت نے اس میں ترا
میم کی ایسی بھر مار کی کہ وہ عملی طور پر مسترد کر دی گئی ہر نکات ، ہر تجاویز کو پاکستا
ن خوش دلی کے ساتھ جبکہ بھارت اسے یکسر مسترد کرتا رہا۔ اس دوران 1950
ء میں بھارت نے اپنے آئین میں ایسی ترامیم کی جس کے تحت انڈیا کو مقبوضہ کشمیر
میں اپنی مرضی کے قوانین نافذ کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ اس نے نام نہاد آئین کے
ذریعے کشمیر میں انتخاب کرائے گئے اور کٹھ پتلی صدر شیخ عبداللہ کو صدر بنا کر اس کی
ڈور دہلی کے تخت سے باندھ لی اس دوران پاکستان نے تبادلہ خیال کے لیے کئی کانفر
س کروائی ، آخر کار 1965

ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان نے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے ایک اور کوشش جنگ کی صورت میں کی مگر دوسروں ملکوں کی مداخلت کی بناء پر یہ زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ کشمیری مجاہدین کی مسلح جدو جہد کا پہلا دور 1989ء سے 1980ء کی دہائی سے صیح معنوں ییں شروع ہوا۔

کشمیر بنے گا پاکستان "کے تصور اور آزادی کے اہم ترین علم بردار اور بزرگ سیاستداں سردار عبد القیوم خان نے اپنے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا تھا کہ " کشمیری مسلح جدو جہد کا صیح آغاز ضیاء الحق کے دور حکومت میں عمل میں آیا اور ایک واضع نقشہ اور لائحہ عمل کے نتیجے میں کشمیر کی جدو جہد کا آغاز کیا گیا ایک آزاد اور خود مختار کشمیر کے نعرے کے ساتھ کہ جس پر کسی شرط پر سمجھوتہ نہ کریں گے" اس جدو جہد کو جاری رکھنے میں زیادہ سر گرمی اس وقت بڑھی جب بھارتی افواج نے عام کشمیریوں سے ہتک آمیز سلوک، خواتین کی بے حرمتی، شناخت پریڈ، گھر گھر تلاشی اور کریک ڈاون کے نام پر حقارت بھرا رویہ اپنایا جس نے کشمیریوں کی قومی انا کو زخمی کردیا۔ کشمیر میں بھارت سے نفرت اور سیاسی اضطراب پہلے ہی موجود تھا اکی ان حرکتوں نے صورت حال کو مزید سنگین بنادی کشمیریوں نے بھارت کا یوم جمہوریہ ہمیشہ یوم سیاہ کے طور منایا ہے۔

۱۱۔۹ کے بعد جب حالات نے ایک نئی کروٹ لی، پاکستان نے امریکہ کے دباؤ کی وَ
جہ سے کشمیری نوجوانوں کو یہ کہناپڑاکہ کشمیری عسکری امدادکے سواہر قسم کی امداد پا
کستان سے حاصل کر سکتا ہے۔سارک سر.براہ کانفرس میں پاکستان کااپنی سرزمین بھا
رت کے خلاف استعمال نہ کرنے کااعلان کشمیر کی تحریک کو کمزور کرنے کی بھارتی سا
زش تھی ایسی تحریک جس میں ایک لاکھ سے زائد انسان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے
کشمیر میں سات سو نو قبرستان ان شہیدوں سے مزین اپنے چراغ سحر کاانتظار کر رہے ،
ہیں کشمیریوں کواپنے لیڈروں اور قیادت پر اعتماد ہے وہ پر عزم ہیں کہ انکے لیڈر سید
علی گیلانی ، میر واعظ عمر فاروق ، یاسین ملک جیسے کئی دوسرے لوگ جب تک چین
سے نہ بیٹھے گیں جب تک کشمیر کو آزاد نہ کرالیں ۔اس بھارتی جارحیت کو خود ان کے
اپنے ملک بھارت میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ،اس کا ثبوت دہلی یونیورسٹی کی طا
لبہ کاایک مضمون ہے جوانھوں نے کشمیر میں دو ماہ گذار کرآنے کے بعد لکھا" میرا د
عوی ہے کہ بھارتی جمہوریت کی آخری حد لکھمن پور (کشمیر اور بھارت کو الگ کرنے
والا قصبہ) ہے اس سے آگے ہمیں کہیں جمہوریت نظر نہیں آتی ،اگر کچھ ہے تو جور
وجبر ہے ایک ایسی ریاکاری جو بھارت کے مین اسٹریم میڈیا نے.بڑی خوبی سے دکھائی
ہے ،تاکہ وہ اس خطے میں اپنے خصوصی مقا

صد کو تقویت دے سکے"۔

بھارت کو چاہیے کہ وہ کھلی آنکھوں سے حقیقت کا جائزہ لے، کشمیر کا فیصلہ کرنے کا حق خود اس کے باشندوں کو دے اگر کشمیری تحریک موزوں اور معتدل لوگوں کی ہاتوں سے نکل کر نادیدہ طاقتوں کے ہاتھوں میں چلی گئ تو بھارت کو چراغ لے کر ڈھونڈ نے سے بھی کوئی مذکرات کے لئے دستیاب نہ ہوگا اس وقت پاکستان بھی اسکی کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ یوم یکجہتی کشمیر جیسے دن پاکستان اور بھارت کے لئے ایک اچھے مو اقعے کے طور پر آتے ہیں تاکہ دونوں ممالک مذاکرات کی میز پر بیٹھ کر اس مسئلہ کو جلد از جلد حل کرسکے، کشمیری عوام کی گلے میں بندھی برسوں کی غلامی کے طوق کو اتار کرانھیں آزادی رائے کا حق دیا جائے۔

اجمل خٹک ،بلند پایہ سیاست داں ، صحافی، صاحب طرز شاعر و ادیب

نئی نسل کو ذہنی فکر عطا کرنے والے صاحب طرز شاعر، ادیب، صحافی اور دانش ور اجمل خٹک 7 فروری 2010 کو پچاسی سال کی عمر میں ہم سے رخصت ہوئے یوں تو پختون قوم میں شاعروں کی بہتات ہے لیکن ایک حساس ملک و قوم سے محبت کرنے والے شاعر کم ہی ہیں جنھیں اپنے وطن کے غریبوں سے محبت ان کے دکھ درد کا احساس ہو انھوں نے جس میدان میں بھی قدم رکھا بناء کسی غرض لالچ ، مرتبے اور عہدے کو خاطر میں لائے بغیر رکھا۔ قوم کے دکھ درد کو اپنے شعر کی زبان دینے والے اس شاعر نے 15 ستمبر 1925ء کو اکوڑہ خٹک کے ایک متوسط گھرانے میں جنم لیا اپنے والد حکمت خان خٹک کی طرح قوم کی خدمت کو اپنا شعار بنایا۔ منشی فاضل اور جامعہ دہلی سے بی اے کی ڈگری لی عملی زندگی کا آغاز ریڈیو پاکستان پشاور سے بطور اسکرپٹ رائٹر کیا وہ روز نامہ ' انجام ،، پشاور سے بطور ایڈیٹر بھی وابستہ رہے جس کی جھلک ان کی شخصیت میں بھی نمایاں تھی۔اجمل خٹک اپنے اخباری کالمز اور مضامین میں خیر و شر، قوموں کو ظلم و جبر، استبداد اور استحصالی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کی راہ دکھائی ان کی حوصلہ افزائی کی موجودہ زمینی حقائق کے بارے میں دلائل کے ساتھ جراتءمندانہ اظہار کرتے تھے۔باچا خان کے فکری نظرئے سے بے حد متاثر تھے۔خان عبدلوالی خان کی صدارت

میں عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکڑی مقرر ہوئے مارچ 1973ء بھٹو دور حکومت، لیاقت باغ راولپنڈی میں اپوزیشن (اے این پی) جلسے مین حملہ ہوا اسٹیج پر بیٹھے خان عبدلولی خان پر گولیاں چلیں ان کا ایک ساتھی کارکن گولی کی زد مین آگیا اور اس نے ان کے ہاتھوں میں جان دے دی اس واقعے نے اجمل خٹک پر بہت اثر ڈالا وہ یہ کہ کر کہ "اب یہ ملک رہنے قابل نہیں رہا،،کابل جلا وطن ہوگئے تقریبا سترہ سال کیج لا وطنی کے بعد بے نظیر دور حکومت میں 1989ء میں وطن واپس لوٹے اور دوبارہ سیاست میں حصہ لینے لگے۔اجمل خٹک پاکستان اورافغانستان دونوں ممالک میں قدر واحترام سے دیکھے جاتے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ انھوں نے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری غلطی خان ولی خان کی پارٹی چھوڑ کر پرویز مشرف کے دور حکومت میں شامل ہو کر کی تھی لیکن اپنی غلطی کا ادراک ہونے کے بعد وہ دوبارہ ولی خان کے در پر واپس آگئے پارٹی لیڈروں نے بھی خندہ پیشانی سے انھیں معاف کیا اور گلے لگایا اجمل خٹک کی پارٹی تبدیلی کو اگر دیکھا جائے تو وہ محض اس لئے تھی کہ موجودہ حکومت میں رہ کر وہ عوام کی تکلیفوں کا ازالہ کر سکیں گے اگر انھیں دولت کمانے کی خواہش ہوتی تو ان کے پاس بھی دیگر ساتھیوں کی طرح بینک بینلس کی کمی نہ ہوتی انھوں نے درویشانہ زندگی گزاری اور اپنے اسی گھر میں جہاں انھوں نے آنکھ کھولی تھی ہوش سنبھالا اسی گھر میں زنگی کی آخری وقت تک قیام کیا۔

اجمل خٹک اپنے قلم سے عوام کو بیدار کرنے والے لکھاری تھے بطور شاعر وادیب ترقی پسند تحریک سے متاثراور باغی شاعر مانے جاتے ہیں ایک طرف توجدید پشتو نظم کی بنیاد رکھی تو دوسری جانب پشتولوک گیت کو نیاانداز بیان دیا 1958ء میں جب ان کا پہلا شعری مجموعہ " دغیرت چغہ۔) (صدائے غیرت) منظر عام پر آیا تواس شعری مجموعے کو وہ پذیرائی حاصل ہوئی جو کسی پشتو مجموعے کو حاصل نہیں ہوئی نئی نسل نہ صرف ان کی ذہنی فکر سے متاثر ہوئی بلکہ اس نے اس راہ کو اپنانے کی کوشش بھی کی کاش کہ ان کی انسان دوستی ومحبت کے فکر کی تھوڑی سی کوشش ہم سب کر پاتے۔ اجمل خٹک کی شاعری میں سے ایک خوبصورت انتخاب پیش ہے گو یہ ترجمہ ہے لیکن اس نظم میں ان کی تخلیقی صلاحیت نمایاں ہیں۔۔۔ ' جنت ،

بےلحئے ملا سے پوچھا آپ کو لگتا ہے جنت ہے اور کیسی ہے

ملا نے داڑھی کو خلال کیا اور کہا،تازہ پھل اور دودھ کی نہریں

طالب علم سے پوچھا وہ اطمینان سے کتاب پڑھ رہا تھا

اس نے کہا سبز آنکھوں والی خوبصورت عورت

شیخ نزدیک کھڑے تسبیح پڑھ رہے تھے، ان سے سوال کیا

نہیں اس طرح نہیں،جنت خوبصورت ملازم لڑکوں اورآسمانی موسیقی ہے

خان نے طویل سجدے سے سر اٹھایا، تمھاری کیا رائے ہے خان صاحب ؟

اس نے پگڑی درست کی اور کہا خوبصورت پر تعیش خوشبو مین بسا محل

قریب ہی ایک مزدور اپنے پھٹے کپڑے مین ملبوس تھا اس نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا

اور کہا، جنت ایک مکمل ٹھنڈک اور گہری نیند ہے

فلسفی سے پوچھا اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا

یہ جادو ہے آدمی خواب دیکھ سکتا ہے

میں گو مگو میں تھا نیلے آسمان کی جانب دیکھا، ایک گنگناہٹ تھی

جنت تمھارا گھر ہے اور آزاد ہے، آزادی حاصل کرنے کی مثالی قربانی جنت ہے

پریوں کا تحفہ

کسی زمانے میں ایک بڑے ملک کے دور دراز علاقے میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اس گاؤں لے لوگ بہت غریب تھے جن کے پاس اپنی زمینیں تھیں وہ تو تھوڑی بہت کھیتی باڑی سے اپنی گذر اوقات کر لیا کرتے تھے مگر جو بے زمین تھے ان کو اپنے علاقوں سے دور روزگار کے لئے جانا پڑتا تھا اسی گاؤں کے ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں اعجاز اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا اعجاز اور اس کی دادی کی گزر واوقات گاوں کے دیئے ہوئے تھوڑے بہت اناج پر تھی جب وہ تھوڑا بڑا ہوا تو اس نے اپنی دادی سے دوسرے گاؤں جا کر کمانے کی اجازت چاہی اس کی دادی نے اعجاز کی بڑی منت سماجت کرنے پر اجازت دے دی دوسرے دن جب وہ تیار ہو کر گھر سے نکلا تو دادی نے سات میٹھی روٹیاں پکا کر رومال میں باندھدی وہ روٹیاں لے کر اپنی دادی کی دعاؤں کے ساتھ گھر سے روانہ ہوا پیدل چلتے چلتے جب وہ گاؤں سے بہت دور نکل آیا تو اسے ایک کنواں نظر آیا اس نے سوچا کہ کیوں نہ تھوڑی دیر ٹھر کر کھانا کھا لوں اور کنویں کا ٹھنڈا پانی بھی پی لوں پھر آگے بڑھوں گا اس نے روٹی رومال سے نکال کر سامنے رکھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کون سی روٹی کھاؤں وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا" اس کو کھاؤں، کہ اس کو کھاؤں کہ ساتوں کو کھاؤں ،، اتفاق سے اس کنویں میں سات پریاں

رہے تی تھیں انھوں نے اعجاز کی بات سنی تو ڈر گئیں وہ سمجھیں کہ یہ کوئی بہت بڑا جن جو انسانوں کے بھیس میں ہمیں کھانا چاہتا ہے وہ ساتوں کنویں سے باہر آئیں اور ادب سے ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگیں '' اے رحم دل انسان تم ہمیں نہ کھاؤ ہم نے تمھارا کیا بگاڑا ہے اس کے بدلے ہم تمھیں ایک جادو کی ہنڈیا تحفے میں دیں گے تم اسے چولھے پر رکھوگے اور جس کھانے کی فرمائش کروگے وہ اس ہنڈیا میں پکا ملے گا اعجاز پہلے تو پریوں کو دیکھ کر بہت گھبرایا مگر جب انھوں نے جادوئی ہنڈیا اس کے ،، حوالے کی تو وہ بہت خوش ہوا اور خوشی خوشی گھر کی جانب چل دیا چلتے چلتے راستے میں شام اور پھر رات ہوگئی چاروں طرف گھپ اندھیرا ہوگیا بس دور ایک چھوٹی سی کٹیا میں ایک چراغ جلتا ہوا نظر آیا تو اس نے سوچا کیوں نہ رات اس کٹیا میں گزاری جائے صبح ہوتے ہی گھر روانہ ہو جاؤں گا وہ کٹیا ایک بوڑھی لالچی عورت کی تھی جو آنے والے مسافروں سے منہ مانگے دام وصول لیا کرتی تھی اعجاز کٹیا میں داخل ہوا اور بوڑھی عورت کو ادب سے سلام کرکے کٹیا میں ایک رات ٹھہرنے کی اجازت مانگی ، بڑھیا نے بڑی نخوت سے ایک نظر اس کے پھٹے پرانے کپڑوں پر ڈالی اس غریب لڑکے سے کچھ وصول نہ ہونے کی امید پر اس نے ڈپٹ کر اسے کہا" یہاں سے فورا چلے جاؤ میرے پاس تمھیں کھلانے کے لیے کچھ نہیں ،،اعجاز نے اپنی معصومیت سے کہا" نہیں مجھے آپ سے کچھ کھانا وانا نہیں چاہیئے میرے پاس یہ جادو کی ہنڈیا ہے اس میں جو کہو وہ پک

جاتا ہے میں ابھی آپ کے لئے اور اپنے لیے اس سے لذیذ کھانا پکوا تا ہوں،، یہ کہ کر اعجاز نے ہنڈیا چولھے پر رکھ دی اور کہا" ہنڈیا رے ہنڈیا جلدی سے ہمیں مزے دار پلاؤ کھلا، ، اعجاز نے جب ڈھکن کھولا تو مزے دار پلاؤ تیار تھا دونوں نے مل کر خوب پیٹ بھر کھایا اعجاز نے ہنڈیا اپنے سرہانے رکھی اور سوگیا لالچی عورت نے سوچا کسی طرح اس ہنڈیا کو حاصل کیا جائے اس نے اسی طرح کی ایک ہنڈیا اعجاز کے سرہانے رکھ دی اور وہ ہنڈیا اپنے پاس چھپالی صبح سویرے اعجاز خوشی خوشی اٹھا اور اپنے گاؤں روانہ ہو گیا گھر پہنچنے پر سا قصہ اس نے دادی کو سنایا اور ہنڈیا پکانے کے لیے چھولے پر رکھی کھانے کی فرمائش کی جب ہنڈیا کھولی تو خالی نکلی اب اس نے بہت کوشش کی حتیٰ کہ ہنڈیا چولھے پر رکھی رکھی جل گئی وہ غمگین ہو کر ایک طرف بھیٹھ گیا۔ دادی نے اسے تسلی دی تم فکر نہ کرو تم اپنی محنت کے بل پر اس سے زیادہ کما سکتے ہو کل تم کام پر چلے جانا۔ دوسرے دن اعجاز تیار ہوا دادی نے دوبارہ روٹیاں باندھ کر اعجاز کودیں وہ گھر سے نکل پڑا چلتے چلتے دوبارہ اسی کنویں کے پاس پہنچا اور ستانے کے لیے بیٹھ گیا ر وٹیاں کھولی اسی طرح کہا" اس کو کھاؤں کہ اس کو کھاوں کون سی روٹی کھاؤں ،، کنویں میں رہنے والی ساتوں پریاں پھر خوف زدہ ہو کر باہر آئیں اور اعجاز کو تحفہ میں ایک بکری دیتے ہوئے کہا" یہ جادوئی بکری ہے جب تم اسے گھاس کھلاؤ گے اور سر پر ہاتھ پھیروگے تو یہ سونے چاندی کے سکے دے گی اعجاز

خوشی خوشی بکری لے کر چل پڑا راستے میں رات ہوئی اسے وہی کٹیا نظر آئی وہ کٹیا میں داخل ہوا تو لالچی عورت نے اس کے سامنے اپنی غریبی کا رونا رویا۔ اعجاز نے کہا فکر مت کرو میں تمھیں بہت سارے سونے کے سکے دوں گا، اعجاز نے بکری کو گھاس کھلانا شروع کی اور سر پر ہاتھ پھیرا تو بکری سونے چاندی کے بہت سارے دینے لگی بوڑھی عورت دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہو گئی اس نے جلدی جلدی سارے سکے سمیٹ لئے اور جلدی جلدی اعجاز کے لیے آرام دہ بستر بچھا دیا بکری اس کے قریب باندھ دی رات کو عورت نے بکری پھر بدل دی۔ صبح اٹھ کر اعجاز بکری لے کر اپنے گاؤں چل پڑا دادی اعجا ز کے ساتھ بکری دیکھ کر خوش ہوئیں اعجاز نے دادی کو جادوئی بکری کی خوبی بتائی بکری کو گھاس کھلا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن بکری ٹس سے مس نہ ہوئی اب اس نے بہت کوشش کی کہ بکری سونے چاندی کے سکے دینا شروع کر دے مگر وہ اصلی بکری ہو تی تب نا! آخر وہ ناکام واداس ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا دادی خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں انھوں نے قریب آ کر پیار سے سمجھایا کوئی بات نہیں تم کل پھر کام پر جا ؤ مجھے یقین ہے کہ تم ضرور کامیاب ہوگے۔ تیسرے دن اعجاز پھر اٹھا اور دادی سے سات روٹیاں لے کر کام کے لیے روانہ ہو گیا چلتے چلتے اسی کنویں پر پہنچا اور اسیطرح رومال کھول کر روٹیاں نکالی اور کہنے لگا کون سی کھاؤ ں ،پریاں لڑکے کی آواز سن کر پریشان اور حیران بھی تھیں اپس میں کہنے لگیں " یہ لڑکا بہت معصوم اور سیدھا ہے ہم نے

اسے اتنے قیمتی تحفے دیئے مگر یہ پھر کام پر نکلا ہے اس کا مطلب ہے اس سے وہ تحائف کسی نے چرا لئے ہیں اب ہمیں کوئی ایسا تحفہ دینا چاہیئے کہ اس چور کو مزا چھکایا جاسکے،، انھوں نے کنویں سے باہر آ کر اعجاز کو ایک ڈنڈا دیا اور کہا اس ڈنڈے کی خاصیت ہم تمھیں نہیں بتائیں گے بس تم جہاں پہلے دو دن اپنے تحفے لے کر گئے تھے وہیں اسے بھی لے کر ٹھہر جانا اور کہنا، چل رے ڈنڈے ہو جا شروع، جس نے کی چوری اس کو ٹھیک کر ضرور، اعجاز نے مہربان پریوں کا شکریہ ادا کیا اور اسی لالچی بڑھیا کی کٹیا پہنچ گیا بوڑھی عورت نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت ڈنڈا دیکھ کر پوچھا یہ کہاں سے لیا اعجاز نے کہا اس کی بڑی خوبی ہے" تمھیں ابھی دکھاتا ہوں یہ کہ اعجاز نے ڈنڈے سے کہا۔ چل رے ڈنڈے ہو جا شروع جس نے کی چوری اس کو ٹھیک کر ضرور، ڈنڈا ہوا میں لہرایا اور بوڑھی عورت پر برسنے لگا کبھی سر پر، ٹانگ پر اور کبھی کمر پر، غرض جادوئی ڈنڈے نے بڑھیا کی خوب ٹھکائی کی بڑھیا چلانے لگی "بیٹا اسے روکو مجھے معاف کردو میں تمھاری چیزیں لوٹا دوں گی،، اعجاز نے اس سے وعدہ لیا اور ڈنڈے کو روک لیا بڑھیا نے اعجاز کی ہنڈیا اور بکری واپس کر دی وہ سارا سامان لے کر خوشی خوشی گھر پہنچا دادی کو سارا قصہ سنایا دادی نے خدا کا شکر ادا کیا پھر انھوں نے ہنڈیا سے مزے دار کھانے کی فرمائش کی اور بکری کو گھاس کھلا کر بہت سارے سونے چاندی کے سکے جمع کئے اور ایک خوشحال زندگی ہنسی خوشی رہنے لگے

ڈرون حملے۔پاکستان کی خود مختاری پر حملہ

وائٹ ہاؤس نے اپنا نیا فتویٰ کل ہی جاری کیا جس میں اس نے کہا کہ جاسوس ڈرون طیاروں کے ذریعے دشمن اور ان کے ٹھکانوں پر حملے قانونی ،اخلاقی اور دانشمندانہ ہیں یہ حملے جاری رہیں گے جس کا ثبوت ایک بار پھر گزشتہ روز شمالی وزیرستان پر ڈرون حملے کی صورت میں دیا امریکہ گزشتہ کئی سالوں سے متواتر پاکستان کے شمالی علاقوں پر ڈرون حملے کر رہا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ ڈرون حملے دہشت گردی کے خلاف پکی مصدقہ معلومات پر کیے جاتے ہیں اگر ایسا ہے تو 2010 ء میں ایک شادی کی تقریب پر میزائل سے حملہ کیا گیا جس سے دولھا سمیت کئی مہمان شہید ہوئے 18 مارچ جمعرات کی صبح قبائل کے مابین پہاڑ کی ملکیت پر ہونے والے تنازعہ پر وزیرستان تحصیل دتہ خیل کے علاقے میں امن جرگہ جاری تھا کہ امریکی جاسوس طیارے نے چھ میزائل فائر کیے جس سے 45افرد جاں بحق ہوئے اور80 سے زائد زخمی ہوئے مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ ہلاک ہونے والے افراد بے گناہ تھے ایک طرف امریکہ فکر مند ہے سروے کرواتا ہے کہ اسکے خلاف پاکستانیوں میں نفرت دن بدن.بڑھ رہی ہے دوسری جانب وہ اس نفرت کی سب سے.بڑی وجہ کو ختم کرنے کے لیے راضی نہیں جن لوگوں کے اپنے بے گناہ بے موت ڈرون حملوں میں مارے جارہے ہیں اس کا بدلہ لینے میں ان کے الو

احقین بے بسی و مجبوری میں آخری حد تک جانے کو تیار ہیں ان حملوں سے پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف کاروائیاں متاثر ہو رہی ہیں۔برسوں سے ڈرون حملے ہمارے سرحدی علاقوں میں روز مرہ کا معمول بن چکے ہے وہ قبائلی علاقے جو کبھی پاکستان کے شمشیر بازو تھے فخرپاکستان کہلاتے تھے ڈرون طیارون کا ہدف بنے ہوئے ہیں ڈرون حملوں کے خلاف دفتر خارجہ کی مذمت اور احتجاج کا کوئی اثر نہیں آئی ایس آئی کے سربراہ نے اپنے ہم منصب سے ملاقات کی امریکی حکام نے ڈرون حملوں کو روکنے سے معذرت ظاہر کی ان کا کہنا تھا کہ قبائلی علاقوں میں القاعدہ کی موجودگی ثابت ہو چکی ہے۔

بی بی سی کے مطابق امریکی سی آئی اے کے اہل کار نے کہنا ہے کہ ہم ایسے کسی آپریشن کو ختم نہیں کریں گے انھیں امریکی شہریوں کا دفاع کرنا ہے اگر انھیں اپنے شہریوں کے جان ومال کے دفاع کا خیال ہے پاکستانی ارباب اختیار کو اپنے عوام کے جان ومال کی کیوں فکر نہیں تمام ماہر سیاسیات اس بات پر متفق ہیں کہ حکومتی ادارہ اپنے شہریوں کے جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت ،امن وعامہ اور انصاف کی فراہمی کے لیے بنا یا جاتا ہے عام شہری کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت کا بیڑہ حکومت کے ہاتھ ہے حکومت میرا بدلہ لے گی لیکن ! یہ کیسی حکومت ہے اسکے شہریوں پر میلوں دور سے طیارے آکر میزائل برساتے ہیں اور بے خوف وخطر واپس چلے جاتے ہیں

ان ڈرون حملوں میں سینکڑوں پاکستانی بے گناہ مارے جا چکے ہیں کہیں کسی ذمہ دار نے مذمت نہیں کی کیا یہ لوگ پاکستانی نہیں ؟ بس ایک خبر یوں دے دی جاتی ہے ڈرون حملہ ۲۰ دہشت گرد ہلاک یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ان دہشت گردوں یں کتنی تعداد خواتین اور بچوں کی تھی اب تک کے شواہد بتاتے ہیں کہ ڈرون حملوں پر پاکستانی حکومت اور سلامتی اداروں کو اعتماد میں لیا گیا تھا لیکن کب کہاں اور کس طرح اٹیک کرنا ہے اسکی اجازت لینے کی انھیں ضرورت نہیں۔

ہم اپنے دیگر اداروں میں جمع خرچ میں لاپرواتو ہیں ہی، اب تک ہم ڈرون حملوں کے بارے میں بھی صیح تحیقات نہیں کرسکے ہیں اس کے لئے بھی ہمیں دوسروں کے اعداد و شمار پر اعتماد کرنا پڑے گا جینوا (برطانیہ) کے ایک صحافتی ادارے انوسٹی گیٹو جرنلزم کی اعداد وشمار کی جانب سے جاری رپوٹ میں ان مارے جانے والے بد نصیب لوگوں میں 176 بچے شامل ہیں جب کہ عام شہریوں کے ہلاکت کی تعداد 893 ہے حملوں میں زخمی ہونے والوں کی تعداد 1200 سے 1431 ہے امریکہ نے پاکستانی سر زمین پر 2004ء میں ڈرون حملے کا آغاز کیا یہ حملے سابق امریکی صدر جارج بش، پاکستان کے سابق صدر پرویز مشرف کے زمانے میں شروع ہوئے اور آج صدر بارک اوباما کے صدر بننے کے بعد، پاکستان میں زرداری حکومت قائم ہونے تک ان حملوں کی شدت میں اضافہ ہو

تا گیا جن میں زیادہ تر تعداد بے گناہ لوگوں کی ہے اس بات کا اعتراف خود امریکی آقاوں نے اپنی تقریروں میں کیا ہے امریکی حکمرانوں نے کتنے ہی غریب ملکوں کو امداد اور تحفظ کی آڑ میں خانہ جنگی اور موت کی دلدل میں دھکیل دیا اس کا تازہ ترین شاہ کار "دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ" کی آڑ میں عراق اور افغانستان کو تہس نہس کرنا ہے اب پاکستان اس کے حصار میں ہے ہم امریکہ کو اسکا ذمہ دار ٹھرا سکتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے اس میں شروع دن سے اب تک ہمارے اپنے پالیسی ساز کس قدر ذمہ دار ہیں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم اپنے طالع آزماؤں کی لگائی ہوئی آگ میں خاکستر ہو رہے ہیں امریکہ ایک ایسا ملک ہے جو آزادی چھیننے کا داعی ہے اپنی آزادی اور طاقت کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے اسے مکمل اختیار ہے۔

جعل سازی کو باقی کیا بچے گا

یہ دو عشرے قبل کا واقعہ ہے کہ پنجاب کے ایک گرلز کالج میں گریجویشن کی تقریب اسناد منقعد کی گئی جس میں بطور مہمان خصوصی اس زمانے کے ایک برسر اقتدار رکن اسمبلی کو اسناد کی تقسیم کے لیے بلایا گیاوزیر موصوف جب کالج پہنچے اور باتوں کے درمیان یہ عقدہ کھلا کہ وزیر موصوف خود تعلیم کے میدان میں گریجویٹ سے کئی قدم پیچھے ہیں تو اصول پسند پرنسپل صاحبہ نے ان کے ہاتھوں اسناد کی تقسیم پر ان سے معذرت کرلی اورفرمایا کہ جوانسان خود اس معیار سے کم تعلیم یافتہ ہو اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسناد کی تقسیم کا حق ادا کرے ،وزیر موصوف تو تقریب سے واپس چلے گئے مگر آج بھی اس اسناد کی تقسیم کو یاد کرکے پرنسپل صاحبہ کے اصولی موقف کو سراہا جاتا ہے یہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہے اور اس واقعہ کے کردار وزیر موصوف آج بھی وزارت کے عہدے پر.براجمان ہیں انھوں نے یہ الیکشن کس طرح جیتا۔شایدانھو ں نے الیکشن جیتنے کے لیے عوامی زبان میں پکا کام کرایا ہوگا یا پھر ان کی ڈگری بھی اس وقت تفشیشی مراحل میں ہوگی۔

ہمارے ہاں تو یہ حال ہے کہ ہمارے وزراء ڈاکٹریٹ تک کی جعلی ڈگری ڈھٹا

ئی (اسے ڈھٹائی ہی کہا جائے گا) کے ساتھ اپنے ناموں کے آگے لگاتے ہیں لیڈرز کے چند اقوال زریں جواب ہمارے عوام الناس کے لیے محاورے کی صورت اختیار کر چکے ہیں مثلاً ڈگری، ڈگری ہوتی ہے خواہ نقلی ہو یا اصلی۔ قائداعظم بھی نان گریجویٹ تھے، ہمارے وفاقی وزیر تعلیم جناب سردار آصف علی کے مطابق جعلی ڈگریوں سے کوئی قیامت نہیں آ گئی وغیرہ وغیرہ۔ ۲۰۰۲ء میں حکومت پاکستان کے قانون کے مطابق ارکان اسمبلی کے لیے گریجویٹ لازمی قرار پایا تھا لیکن الیکشن کمیشن کے اس بارے میں زیادہ توجہ نہ دینے کی وجہ سے بڑی تعداد میں جعلی ڈگریوں کے ساتھ اسمبلیوں میں پہنچے تھے بعد میں ان میدوارں کی ڈگریون کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہوا جس میں ہائر ایجو کیشن کے مطابق 65 افراد کی ڈگریاں جعلی نکلی 223 افراد نے ڈگری تصدیق کو خاطر مین نہ لائے اسے اپنی عزت پر حملہ سمجھتے ہوئے کوئی توجہ ہی نہ دی 19 ارکان کے جعلی ڈگریوں کے کیسسز میں عدالت میں زیر سماعت رہیں ان باتوں سے سبق سیکھتے ہوئے کچھ دانش مند سیاست دانوں نے اس کا درست بندوست کر لیا تھا اب جب کہ الیکشن میں دو ہفتے باقی ہیں الیکشن کمیشن کے لئے یہ چیلنج بھی درپیش ہے کسے اہل اور کسے نا اہل قرار دیں۔

جعلی ڈگریوں کے ساتھ نا اہل امیدواروں کے لئے سندھ اسمبلی نے کچھ روز قبل نہایت خاموشی سے ایک قانون پاس کیا جس کے ذریعے صوبائی ہائر ایجو

کیمشن کے قیام کی منظوری دی گئی اب ارکان اسمبلی کسی بھی دنیا کے حصے سے ڈگری حا
صل کریں،انھیں وفاقی ہائر ایجو کیشن سے تصدیق کرانے کی ضرورت نہیں ہو گی
یوں جعلی ڈگری کی جو تلوار وفاق کی منظوری سے مشروط تھی اسے ختم کر دیا گیا ہے اس
سے بااثر اراکین اسمبلی جو جعلی ڈگریوں کے ساتھ پارلیمنٹ میں آئے تھے ان کی راستے
کا پھتر ہٹ گیا ہے الیکشن کمیشن کے عہدے دار سخت سیاسی دباو کی بناء پر اس خدشے کا
بھی اظہار کر رہے ہیں کہ حالیہ انتخابات میں امیدواروں سے ان کی تعلیمی اسناد کہ
تصدیق کا مطالبہ نہ کر سکیں گے۔

دیکھا جائے تواس وقت پاکستان میں کیا چیز جعلی نہیں بلکہ ہم تو پوری دنیا میں ماہر جعل
ساز مانے جاچکے ہیں جعلی دوائیں، جعلی فوڈ آئٹمز، جعلی پانی، جعلی الیکٹرانکٹ کا ساما
ن، جعلی پلاسٹک مٹریل وغیرہ وغیرہ دو نمبر کام ہمارا قومی مزاج بن چکا ہے۔ ہمارے قو
می ونجی ادارے حتیٰ کہ اساتذہ تک بیں جعلی ڈگریوں کے حامل ٹیچرز کی بڑی تعداد میں
موجود ہیں جو جعلی ڈگریوں کی بدولت قوم کا مستقبل بگاڑاور اپنا مستقبل سنوار رہے ہیں
۔ان دو نمبر کام کرنے والے جعل سازوں نے السیکشن کمیشن کو بھی نہیں بخشا،اس
وقت جب کہ الیکشن کمیشن جعلی ڈگری اسکینڈل کی تحقیقات میں مصروف ہے ہر روز
ایک نئی اور دلچسپ صورت حال سامنے آرہی ہے اسے کہتے ہیں کہ آوا کا آوا ہی بگڑا ہوا
ہے۔

ہماری پرنسپل صاحبہ نے اپنے طالب علموں کو نان گریجویٹ منسٹرز سے اسناد دلوانے سے انکار کیا اور وہ احتجاجا اسکی مذمت کرتے ہوئے واک آوٹ کر گئے۔آپ تصور کر یں یہ کس قدر افسوس ناک امر ہو سکتا ہے کہ ایک یونیورسٹی کے سربراہ کو جو وائس چانسلر کہلاتا ہے اور صوبے کا گورنر جو چانسلر بھی ہوتا ہے اسکا کسی سیاسی پارٹی سے تعلق بھی لازمی ہے اگر اس کی ڈگری خدا نخواستہ جعلی نکل آئے تو پورے ملک کو کس قدر خفت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا پھر جعل سازی کو باقی کیا رہ جائے گا۔۔۔

میرا شہر کراچی

میرے کمپیوٹر اسکرین پر اس وقت کراچی کی پچاس اور ساٹھ کے دہائی کی نادر تصاویر جگمگا رہی ہیں جو کراچی لو ورثہ کی ویب سائٹس پر موجود ہیں ان خوبصورت تصاویر کے آئینہ میں آج کے کراچی کو دیکھا جائے تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے کجا وہ تصویریں کہ سکون، امن، محبت کا منہ بولتا ثبوت اور کہاں آج کا کراچی کہ دہشت گردی، لاقانونیت اور خوف کی تصویر بنا یہاں پر بسنے والوں کی لاچاری کا نوحہ سنا رہا ہے پر انے کراچی کی ان تصویروں میں ایک قیمتی تصویر حضرت عبداللہ شاہ غازی کے مزار کی ہے اس زمانے میں یہ مزار ایک بڑے ٹیلے پر نظر آ رہا ہے جس کے آس پاس کوئی عمارت نہیں کوئی ناجائز قابضین نہیںدور دور تک بس سمندر کی لہریں ہیں اور یہ مزار ہے اس تصویر کو دیکھ کر بے اختیار کچھ عرصہ قبل اس مزار پر ہونے والے خود کش بم دھماکے کی یاد آئی کہ کس طرح معصوم زائرین کو خون میں نہلا دیا گیا تھا ان بے گناہ شہریوں کا کیا قصور تھا اس مقدس مزار کے تقدس کو پامال کیا گیا جس کے بارے میں اہل عقیدت کا پختہ یقین ہے کہ کلفٹن کے ساحلوں کی چنگھاڑتی موجوں کے سامنے کھڑے اس مزار کے دم قدم نے ان غضب آلود لہروں کو آگے آنے سے روکے رکھا ہے ورنہ کراچی شہر کب کا ڈوب گیا ہوتا۔

ڈوب تو آج کراچی خون میں رہا ہے اس کے بے گناہ شہریوں کے ساتھ درندے خون کی ہولی کھیل رہے ہیں کیا یہ اسی پاکستان کی تصویر ہے ؟جس کے خواب قائداعظم اور ان کے ساتھیوں نے دیکھے تھے کیا کبھی ان پرانی تصاویر میں موجود لوگوں نے سوچا ہوگا ان کے شہر پر ایسی افتاد بھی آن پڑے گی ۔ شہر کراچی جو سندھ کے سر کا تاج مانا جاتا ہے اس کے برطانوی راج کی عمارتیں جو تاریخی ،تہذیبی ورثہ کہلاتی ہیں کراچی کا پر انا تہذیبی ، ثقافتی ورثہ بندر روڈ ، فیریئر روڈ،برنس روڈ ، رام باغ جسے اب آرام باغ کا نام دیا جاتا ہے ان تصاویر میں ان کے خالق اور ان کی تعمیر کا سن ان کے تاریخی یادگار ہونے کا احساس دلاتی ہیں برطانوی راج میں بننے والی ڈینسو ہال ، میرٹ ہال اور لائٹ ہاوس جس پر دو سال عاشورہ میں آگ لگائی گئی کیا ؟ اہل کراچی اس شام غریبال کو اپنی یاداشت سے محو کر سکیں گیں ۔

کراچی میں تازہ دہشت گردی کا تازہ واقعہ اتوار کی شام عباس ٹاون میں پیش آیا جب دہشت گردوں نے بارود سے بھری گاڑی سے رہائشی علاقوں کو مشانہ بنایا دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ ہمارے گھر جو کافی دور بلاک میں واقع ہیں یہاں کی کھڑکیاں بھی لرز اٹھیں تھیں ہم بھی خوف زدہ ہو کر یا اللہ خیر ہو

کی دعائیں کرتے رہے مگر کیا کریں کہ اس قوم پر ایک کے بعد ایک عذاب نازل ہونا، دستور ہو چکا پہلے سانحہ بلدیہ، کوئٹہ میں ہزارہ زیر عتاب اور اب یہ نیا واقعہ جس میں عباس ٹاون کے معصوم مکین شامل ہوئے اب تک ۵۰ کے قریب ہلاک ہو چکے ہیں قریب لگے بجلی کے ٹرانسفارمر کی آگ نے مزید تباہی مچادی دو سو فلیٹس، مارکیٹ کی دکانیں، گلیاں آگ سے خاک اور انسانی خون سے رنگین دکھائی دے رہی ہے۔ عوام اپنی مدد آپ کے تحت ایک دوسرے کی مدد کو لپک رہے تھے رضا کار تنظیمیں اور شہر بھر کی ایمبولینس دل جمعی سے کام میں مصروف تھیں ہماری گورنمنٹ کی انتظامیہ کھائی نہیں دی۔

شہر کراچی کی سڑکیں عوام کی خون سے رنگی ہوئی ہیں ان حالات کو دیکھ کر پرانے کر اچی کے اس چہرے میں جب صاف ستھری سڑکیں، بارونق بازار اور آلودگی سے پاک ساحل سمندر نظر آتا ہے شہر کراچی جس نے گلگت سے گوادر تک پاکستان کے ہر مذہب، ہر نسل، ہر علاقے کے لوگوں کو اپنے دامن میں جائے پناہ دی لوگوں کو رزق کمانے کے مواقع دیے پر سکون آب و ہوا میں یہاں لوگ چین کی نیند سوتے تھے کہیں کوئی لینڈ مافیا،ڈرگ مافیا، اسلحہ مافیا اور بھتہ مافیا کا کوئی تصور نہ تھا مگر آج شہر کراچی کے سڑکوں پر دن دہاڑے بے گناہ لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے اغوا برائے تاوان کا کاروبار زوروں پر ہے گھر سے روزگار کے حصول کے

لیے جانے والے تعلیم کے لیے نکلنے والے ان کا نشانہ ہیں کوئی پتہ نہیں کب کوئی گولی کہاں سے آئے اور ایک ہنستے بستے گھر کو ویران کر جائے ایک بھی قاتل گرفتار نہیں ہو سکا کراچی کی تباہی و بربادی ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ لگتی ہے کبھی ڈاکٹروں کی باری ہوتی ہے تو کبھی مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کے کھاتے کھو لے جاتے ہیں اور کبھی بے گناہ شہریوں کے نام قرعہ فال نکلتا ہے۔

شہر کراچی لہو لہو ہے یہاں کے رہنے والے ارباب اختیار سے سوال کرتے ہیں آخر کب تک یہ سلسلہ چلے گا؟ وہ کب تک اپنے پیاروں کی لاشیں وصول کرتے رہیں گیں؟ عوام کے ان سوالات کا جواب دینے والوں کے پاس مسلسل بہانے تراشنے کے کچھ نہیں کہ ہر سانحے کے بعد کچھ مصنوعی اقدامات، پرزور بیانات اور انکوئری کمیٹی کا اعلان کر کے قوم کو جھوٹی تسلی و دلاسہ کب تک ان کو بری الذمہ کرے گا ادھر روزانہ دس بیس لاشیں گرتی ہیں آخر اس مسئلہ کو سنجیدگی سے حل کرنے کا وقت کب آئے گا ہمارے حکمرانوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اقتدار بھی ان ہی کے پاس رہتا ہے جو تدبر سے کام لے کر مسائل حل کرتے ہیں محاذ آرائی اور مسلسل محاذ آرائی سے سب کچھ ختم ہو جاتا ہے عرصہ دراز سے سیاسی پارٹیاں آپس دشمنی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اس سے ان کو خیالی فتح تو حاصل ہو سکتی ہے لیکن حقیقی فتح کبھی

نہیں مل سکتی دہشت کا کھیل کئی سالوں سے جاری ہے اور آج بھی کھیلا جا رہا ہے مگر کسی شہر کو کب تک بندوق کے زور پر کوئی یر غمال بنا سکتا ہے مجھے امید ہے اس شہر کو یر غمال بنانے والے ایک دن ضرور ہار جائیں گیں اور ایک دن شہر کراچی امن و سکون کی تصویر ضرور بن جائے گا ہم انسانوں سے نا امید ہو سکتے ہیں اوپر والے سے نا امید نہیں۔

میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں

سعادت حسن منٹو 1952 میں مجلس اقبال کی دعوت پر گورنمنٹ کالج آئے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی یہ تحریر پڑھی، طلبا اور اساتذہ سے مکالمہ کیا۔ بعد ازاں یہ تحریری پہلی بار مجلّہ ''راوی'' کی زینت بنی۔ معزز خواتین و حضرات! مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں یہ بتاؤں کہ میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں۔ یہ 'کیونکر' میری سمجھ میں نہیں آیا۔ 'کیونکر' کے معانی لغت میں تو یہ ملتے ہیں۔ کیسے اور کس طرح۔ اب آپ کو کیا بتائوں کہ میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں۔ یہ بڑی الجھن کی بات ہے۔ اگر میں 'کس طرح' کو پیش نظر رکھوں۔ تو یہ جواب دے سکتا ہوں کہ اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ کاغذ قلم پکڑتا ہوں اور بسم اللہ کرکے افسانہ لکھنا شروع کر دیتا ہوں۔ میری تین بچیاں شور مچا رہی ہوتی ہیں۔ میں ان سے باتیں بھی کرتا ہوں، ان کی باہم لڑائیوں کا فیصلہ بھی کرتا ہوں، اپنے لیے 'سلاد' بھی تیار کرتا ہوں، کوئی ملنے والا آ جائے تو اس کی خاطر داری بھی کرتا ہوں۔ مگر افسانہ لکھے جاتا ہوں۔ اب 'کیسے' کا سوال آئے تو میں یہ کہوں گا کہ میں ویسے ہی افسانہ لکھتا ہوں جس طرح کھانا کھاتا ہوں، غسل کرتا ہوں، سگریٹ پیتا ہوں اور جھک مارتا ہوں۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ میں افسانہ کیوں لکھتا ہوں تو اس کا جواب حاضر ہے... میں افسانہ اول تو اس لیے لکھتا ہوں کہ مجھے افسانہ نگاری

کی شراب کی طرح لت پڑ گئی ہے۔ میں افسانہ نہ لکھوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے کپڑے نہیں پہنے یا میں نے غسل نہیں کیا۔ یا میں نے شراب نہیں پی۔ میں افسانہ نہیں لکھتا۔ حقیقت یہ ہے کہ افسانہ مجھے لکھتا ہے۔ میں بہت کم پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ یوں تو میں نے بیس سے اوپر کتابیں لکھی ہیں، لیکن مجھے بعض اوقات حیرت ہوتی ہے کہ یہ کون ہے جس نے اس قدر اچھے افسانے لکھے ہیں جن پر آئے دن مقدمے چلتے رہتے ہیں۔ جب قلم میرے ہاتھ میں نہ ہو تو میں صرف سعادت حسن ہوتا ہوں۔ جسے اردو آتی ہے نہ فارسی، انگریزی نہ فرانسیسی۔ افسانہ میرے دماغ میں نہیں، جیب میں ہوتا ہے، جس کی مجھے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ میں اپنے دماغ پر زور دیتا ہوں کہ کوئی افسانہ نکل آئے، افسانہ نگار بننے کی بھی بہت کوشش کرتا ہوں۔ سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتا ہوں مگر افسانہ دماغ سے باہر نہیں نکلتا۔ آخر تھک ہار کر بانجھ عورت کی طرح لیٹ جاتا ہوں۔ ان لکھے افسانے کے دام پیشگی وصول کر چکا ہوتا ہوں۔ اس لیے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ کروٹیں بدلتا ہوں۔ اٹھ کر اپنی چڑیوں کو دانے ڈالتا ہوں۔ بچیوں کو جھولا جھلاتا ہوں۔ گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کرتا ہوں... جوتے...ننھے منے جوتے جو گھر میں جا بجا بکھرے ہوتے ہیں۔ اٹھا کر ایک جگہ رکھتا ہوں... مگر کم بخت افسانہ جو میری جیب میں پڑا ہوتا ہے، میرے ذہن میں نہیں اترتا... اور میں تلملاتا رہتا ہوں۔ جب بہت زیادہ کوفت ہوتی ہے تو باتھ روم میں چلا جاتا ہوں۔ مگر وہاں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ سنا ہوا ہے کہ ہر بڑا آدمی غسل خانے

میں سوچتا ہے لیکن مجھے تجربے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ میں بڑا آدمی نہیں ہوں، اس لیے کہ میں غسل خانے تک میں نہیں سوچ سکتا... لیکن حیرت ہے کہ پھر بھی میں پاکستان اور ہندوستان کا بہت بڑا افسانہ نگار ہوں۔ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ یا تو میرے نقادوں کی خوش فہمی ہے یا ان کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہوں۔ ان پر کوئی جادو کر رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا، میں غسل خانے میں چلا گیا... قصہ یہ ہے کہ میں خدا کو حاضر ناظر رکھ کے کہتا ہوں کہ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں کہ میں افسانہ کیونکر لکھتا ہوں اور کیسے لکھتا ہوں۔ اکثر اوقات ایسا ہوا ہے کہ جب میں زچ ہو گیا ہوں۔ تو میری بیوی جو غالباً یہاں موجود ہے آئی اور اس نے مجھ سے یہ کہا ہے ''آپ سوچئے نہیں، قلم اٹھایئے اور لکھنا شروع کر دیجئے۔'' میں اس کے کہنے پر قلم یا پنسل اٹھاتا ہوں اور لکھنا شروع کر دیتا ہوں... دماغ بالکل خالی ہوتا ہے، لیکن جیب بھری ہوتی ہے۔ خود بخود کوئی افسانہ اچھل کے باہر آ جاتا ہے۔ میں خود کو اس لحاظ سے افسانہ نگار نہیں، جیب کترا سمجھتا ہوں جو اپنی جیب خود ہی کاٹتا ہے اور آپ کے حوالے کر دیتا ہے۔ مجھ ایسا بھی بے وقوف دنیا میں کوئی اور ہوگا۔

وہی ظلم کرے۔ وہی ثواب لے الٹا

بیسوی صدی کے نوبل انعام یافتہ شخصیت الیگز ینڈر نے کہا تھا" نیکی اور بدی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے والی لکیر ریاست، سیاست یا طبقاتی جماعتوں کے درمیان نہیں یہ ہر انسانی دل کے درمیان سے گزرتی ہے لیکن ہمارے سیاست دانون کی اکثریت کے دلوں میں لالچ ، ہوس ، بے شرمی اور بے غیرتی کی لکیریں نمایاں نظر آتی ہیں پورے پانچ سال عوام کے خون پسینے کی کمائی پر عیش کرنے سے پیٹ نہیں بھرا تھا کہ ایک نیا بل اسمبلی میں پاس کروالیا۔وہی ظلم کرے، وہی ثواب لے الٹا۔اس ثواب کی بہتی گنگا سے تمام سیاست دانوں نے خوشی خوشی دستخط کئے ایک عام آدمی تو ایسی شاندار نوکری کے بارے مین سوچ بھی نہیں سکتا اپنی مرضی کے الاونس اپنی پسند کی تنخواہ حسب خواہش تا حیات مراعات کیا چاہیۓ مشترکہ باہمی مفادات بل پر کسی نے اجلاس سے واک آوٹ نہیں کیا کسی نے بل کا مسودہ پھاڑ کر نہیں پھینکا کوئی احیجاج نہیں ہوا۔ بھتہ خور تو مفت میں بدنام ہیں ان سے بڑا ڈاکہ تو اسمبلی ممبران کر گئۓ عوامی کمائی سے اب تا حیات مراعات کے لطف بھی لیں گے آخری چند ہفتوں میں جاتے جاتے بھی سرکاری خزانے سے چار کھرب 65ارب روپے کو استعمال کر لیا گیا اربوں روپے کے ترقیاتی فنڈز اراکین اسمبلی کو دیۓ گئے تمام کابینہ کی تنخواہوں اور مراعات میں اضافہ

کیا گیا مفت پٹرول ، مالی ، باورچی ، ڈرائیور ، اردلی ، خاکروب سے لے کر پرائیوٹ سیکر ٹری تک تا حیات سات ملازم جب تک ہے جاں ، بخشا گیا ہے 342 اراکین اسمبلی کے الاوئنس دوگنے کر دئے گئے اسپیکر قومی اسمبلی فہمیدہ مرزا کو اپنے کینسر کے علاج کی زیادہ فکر تھی سو انھوں نے خود سمیت تمام اراکین اسمبلی کا مفت علاج عوام کے پیسوں سے کرانے کو حلال کروالیا جس سے چالیس کروڑ روپے کا اضافی بوجھ سالانہ عوام کے کاندھوں پر پڑے گا۔

پاکستان کی تاریخ میں جس جمہوری سیاسی لیڈر کو سب سے زیادہ شہرت ، عزت اور پذیرائی حاصل ہوئی وہ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو تھے ان کی تقریروں ہیں عوام کو سنہرے مستقبل کی نوید سنائی دیتی تھی وہ سنہرے خواب جو کبھی تعبیر نہ بن سکے بھٹو صاحب کے مشہور زمانہ ' نعرہ روٹی ، کپڑا اور مکان نے انھیں اقتدار کی مسند پر بھٹایا ، پاکستان کی غریب عوام نے انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھا مگر بد قسمتی سے بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد نعرہ ہی رہا غریب عوام ، غریب ہی رہے جو کھلے آسمان تلے رہتا تھا اس کا سر اسی طرح بے سایہ ہی رہا جس کو تن پر کپڑا میسر نہ تھا وہ بد ستور ننگا ہی رہا جو بھوکے پیٹ سونے پر مجبور تھا وہ اسی طرح خالی پیٹ سونے پر مجبور رہا ہاں ! البتہ بھٹو صاحب کے جانے کے بعد انکے نعرے نے ان کی پارٹی کے سیاست دانوں ہیر کامیابی کے دروازے کھول دیے انھیں عوام کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے

کا فن آگیا سو بھٹو صاحب کے بعد جو بھی سیاست داں آیا اس نے عوام کو ' ووٹ دو خواب لو ' کے مصداق خوب استعمال کیا مگر روٹی کپڑا اور مکان ہر دور کی طرح آج بھی عوام کی پہنچ سے دور ہے اب بھی عوام زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں ۔ پیپلز پارٹی پاکستان میں پانچ سال سے برسر اقتدار ہے بھٹو سے زندگی نے وفا نہ کی مگر ان کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کرنے والی موجودہ حکومت اب تک کرپشن لوٹ کھسوٹ ، اقربا پروری اور بے قاعدگی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کی کہ عقل دنگ ہے پیپلز پارٹی ہر وہ کام کر گزرنا چاہتی ہے جس سے عوام میں اسکے خلاف نفرت اور اشتعال بڑھتا جائے اس کی درجنوں مثالیں انکے پانچ سالہ دور حکومت ہیں منظر عام پر آتی رہی ہیں ۔

پیپلز پارٹی کی حکومت برسر اقتدار آنے سے ہمیں کوئی آئیڈل حکومت کی توقع نہ تھی لیکن اتنی امید ضرور تھی کہ ایک جمہوری پارٹی ہونے کے ناطے اسے عوام کے دکھ درد کا کچھ تو اندازہ ہوگا مگر حکومت کے پانچ سالہ دور حکومت میں مہنگائی میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے بجلی، گیس اور دیگر چیزوں میں ہر چند مہینے بعد نئے اضافے منی بجٹ کی صورت میں عوام پر نازل ہوتے رہے ہیں صحیح معنوں میں پٹرولیم مصنوعات میں اضافہ حکومت کے گزشتہ تمام بحرانوں سے شدید ثابت ہوا ہے جس کا براہ راست فائدہ حکومت کو پہنچا سے عوام پر مزید مالی مسائل کا بوجھ بڑھا۔ حکومتی لوٹ کھسوٹ ، کرپشن اور لالچ کو

دیکھتے ہوئے مولانا رومیؒ کی مثنوی سے چند اشعار ایسے ہی لوگوں کی کہانی سناتی ہے۔

وہ کھاوے کے سوا کوئی حکم نہیں سنتی ہے

اس لٹیرے کی طرح جو گھر کو ہی کھودتا ہے

جلد جلد اپنا تھیلا بھرتا ہے، اچھا،برا تھیلے میں ٹھونستا ہے

موتی کے دانے، چاندی کے دانے، ایسا نہ ہو کوئی دوسرا لٹیرا آ جائے

وہ بورے میں خشک وتر ٹھونستا ہے

وقت تنگ ہے فرصت تھوڑی ہے وہ ڈرا ہوا ہے

بے تامل جو کچھ ہے اس نے بغیر سمجھے بوجھے بغل میں دبا لیا ہے

اس کو اپنے شاہ پر بھروسہ نہیں

ایسا نہ ہو کوئی دوسرا لٹیرا آ جائے

ایک عہد ساز دن

پاکستان تو اسی روز قائم ہو گیا تھا جس روز برصغیر میں پہلے مسلمان نے اسلام قبول کیا تھا کبھی کبھی سوچتی ہوں وہ انسان یقینا خوش قسمت ہو گا جس نے اتنی بڑی مملکت میں پہلی مسلم شرف قبولیت کا اعزاز حاصل کیا ہو گا اور ایک علیحدہ قوم کی بنیاد رکھی ہو گی برصضیر میں مسلمانوں کی آمد حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت 15 ہجری میں شروع ہوئی جسے 712ء میں محمد بن قاسم نے ایک مظلوم عورت کی پکار پر لبیک کہا اور سندھ کے راجہ داہر کو شکست دے کر صوفیاء کرام کے لئے برصضیر کا راستہ کھولا ۔اس کے بعد برصغیر میں مسلمان حکمرانوں کے کئی نشیب وفراز آئے سازشیں ،لڑائیاں ، انتقام اور فتوحات کی لمبی داستانیں تاریخ میں رقم ہیں مسلمانوں نے برصغیر پر تقریبا 983 سال حکومت کی پھر اپنوں کی سازشوں اور غلطیوں سے اس ملک کی باگ دوڑ گوروں کے حوالے کر دی انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی آڑ میں مسلمانوں اور ہندوں کی فطرت ومزاج سے خوب فائدہ اٹھایا اسی سازشوں کے ذریعے تقریبا دو سو سال حکومت کرتے رہے ہمارے برصغیر کے عوام غلامی کی زنجیروں مین جکڑے آزادی کی کوششون مین مصروف عمل ہوئے تو کئی بڑے محب وطن آزادی کے لئے مسلمانون کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوششون مین مصروف ہوئے جن مین قابل ذکر نام سر سید احمد

مولانا محمد جوہر ،علامہ اقبال ، مولانا ظفر علی ، حسین شہید سہر وردی اور قائد اعظم ، جیسے جید رہنماؤں کے علاوہ ایک لمبی فہرست ہے جس کا احاطہ ایک کالم میں نہیں کیا جاسکتا .

ان تمام لوگوں کی کوششوں سے لاہور، بمقام منٹو پارک ، موجودہ اقبال پارک میں 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان پیش کی گئی جس میں قائد اعظم نے صدارت کرتے ہوئے فرمایا" قومیت کی رو سے مسلمان ایک قوم ہے اور اس بات کے مستحق ہیں کہ ان اپنا وطن ، اپنا علاقہ اور اپنی مملکت ہو ہماری خواہش ہے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور اتحاد سے رہیں اور اپنی روحانی ثقافتی،اقتصادی اور سیاسی زندگی میں اپنے تصورات ومزاج کے مطابق بھرپور ترقی کریں ،،انھوں نے بلند حوصلے کے ساتھ فرمایا تھا "پاکستان بن کر رہے گا ہمارے دشمن قیام پاکستان میں تاخیر کا سبب بن سکتے ہیں لیکن اس کے قیام کو روک نہیں سکتے مسلمان بھی ایک الگ صوبہ کے مطالبہ کر رہے تھے جس یں وہ اپنی زندگی آزادی کے ،، ساتھ گزار سکیں جہاں ان پر بحیثت ایک مسلمان مذہبی ، سماجی ، روک ٹوک نہ ہو اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمان رہنماوں نے برصضیر کے وہ علاقے جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی ایک علیحدہ ملک کی تجویز پیش کی ۔ مولوی فضل لحق نے اس قرارداد تقسیم ہند میں واضح الفاظ میں یہ مطالہ کیا تھا

کہ "بنگال آسام، پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک آزاد اور خود مختار مملکت قائم کر دی جائے۔ اس قراداد کو بیگم محمد علی جوہر نے قرار داد پاکستان کا نام دیا پاکستان بننے کی منزل میں یہ پہلی سیڑھی تھی جو بخوبی طے ہوئی انگریز حکومت نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو منظور کر لیا جس کے بعد پاکستان محض سات سال کے قلیل عرصے میں معرض وجود میں آیا آج جب ہم اس دن کی افادیت کو یاد کرتے ہیں تو اپنی نئی نسلوں کو اس بات سے صحیح آگاہی دینا بھی ہمارا فرض ہے جنھوں نے آزادی کی فضا میں آنکھ کھولی وہ یادیں، دکھ، جدائیاں اور قربانیاں جن سے گزر کر ہمارے بزرگ علیحدہ وطن بنانے میں کامیاب ہوئے ہمیں آج کے دن ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ منٹو پارک میں بنی وہ عمارت محض ایک یادگار نہیں یہ ہماری تاریخ کا روشن مینار بھی ہے جہاں پاکستان کی بنیاد رکھی گئی۔۔۔

مینار پاکستان پر تاریخ کا ایک شاندار جلسہ

ہفتے کی شام شدید بارش اور طوفانی ہواوں میں مینار پاکستان پر تحریک انصاف کے جلسے سے عمران خان خطاب کر رہے تھے کہ "میں بڑے فیصلے کرنے سے نہیں ڈرتا مجھے کسی کا خوف نہیں اس لئے بے دھڑک فیصلے کرتا ہوں جسمانی طاقت سے کہیں زیادہ اخلاقی طاقت مضبوط ہوتی ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ بڑی ایمان کی طاقت ہے۔،، تحریک انصاف کا یہ جلسہ سیاسی ناقدین کی نظر میں ایک کامیاب جلسہ رہا جو اس قدر طوفانی ہوا اور بارش کے باوجود عوام کی شرکت کو کم نہ کر سکا عوام کی بڑی تعداد پورے جوش وخروش سے آخر تک موجود رہی ۔ عمران خان نے اپنی پارٹی کی جانب سے اقتدار میں آنے کے بعد قرضے معاف نہ کرانے ، جائیدایں باہر نہ رکھنے کا وعدہ بھی کیا، عوام کو سستا انصاف ، روزگار ، اور طبی سہولتوں کی بات کی ان کے لہجے میں عزم و سچائی کی جھلک بھی نظر آئی ۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے لیے جینا پسند کرتے ہیں جن کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی ساری زندگی مخلوق خدا کی خدمت اور فائدے میں بسر ہو یہ اعزاز بھی بہت کم لوگوں کو نصیب میں آتا ہے کہ اکیلے منزل کی جانب چلیں اور پیچھے ایک کارواں شامل سفر ہو جائے عمران خان ایک ایسے ہی محب وطن پاکستانی لیڈر ہیں جنھوں نے صرف اپنی زبان سے ہی نہیں بلکہ اپنے قول وفعل سے بھی پاکستانی

عوام کے دلوں کو فتح کیا وہ کرکٹ کے میدان سے سیاست کے خارزار راستوں تک بڑی ثابت قدمی سے سفر طے کر رہے ہیں وہ ایک مضبوط ارادے کے مالک ہیں انھوں نے جو سوچا وہ کیا جو کہا اس پر عمل کیا کرکٹ سے ریٹائرمنٹ سے پہلے پاکستان کو ورلڈ کپ کا فاتح بنانے کا خواب دیکھا اسے شرمندہ تعبیر کیا۔1992 ء میں عالمی کرکٹ سے ریٹائرمنٹ کے بعد سماجی کاموں میں حصہ لینا شروع کیا اپنی والدہ کے نام سے کینسر کا ایک بڑا جدید ہسپتال ٹرسٹ کے ذریعے قائم کیا پاکستانی عوام کے بھروسے اور اپنے ارادوں کے بل پر ایک شاندار درسگاہ (نمل)کے نام سے قائم کی جو معیار کے اعتبار سے پاکستان کے بڑے سے بڑے تعلیمی ادارے سے کم نہیں خود عمران خان کی تعلیمی گراف پر نظر ڈالیں تو ہماری اکثریتی سیاسی لیڈرزان کے مقابل میں عشر وعشیر بھی نہیں آج بھی آپ برےڈفورڈ یونیورسٹی چانسلر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔عمران خان نے پاکستانی سیاست میں قدم رکھاتو ایک روشن، ترقی یافتہ پاکستان کا خواب دیکھا ہے ایک ایسا پاکستان جہاں امن، عدل وانصاف کا دوردورہ ہو اسی لئے آزاد عدلیہ، ججز کی بحالی میں فعال کردار ادا کیا اور وکلاء تحریک کے ہم قدم رہے وہ مزاج کے اعتبار سے پاکستان کے دیگر سیاست دانوں سے مختلف ہیں وہ ان سیاست دنواں میں شامل نہیں جو وزارت کو کئی ایکڑ زمینوں، شوگر ملوں، نئے ماڈلز کی گاڑیوں اور محل نما حویلیوں کے لالچ میں پارلیمینٹ میں قدم رکھتے ہیں قائد اعظم نے فرمایا تھا" کہ قوموں

کی ترقی میں آدھی جنگ اچھے لیڈر کے انتخاب سے جیتی جا سکتی ہے یہ ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ہمارا لیڈر ایمان دار نہ ہو خلوص نیت، صداقت شعاری اور سچائی کے بغیر یہ ممکن نہیں "

25 اپریل 1996ء میں تحریک انصاف کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی تحریک انصاف اپنے قیام کے بعد کئی نشیب وفراز سے گزری 1997ء کے انتخابات مین بری طرح ناکام اور پھر 2002ء کے الیکشن میں بھی صرف ایک سیٹ حاصل کر سکیلیکن 30 ستمبر 2011 تحریک انصاف کے لئے ایک یادگار دن تھا جب مینار پاکستان پر لاکھون کے اجتماع نے اس جلسے میں بھرپور شرکت جس سے پارٹی کی مقبولیت ثابت بلکہ لاکھوں نوجوانوں نے اس پارٹی میں شمولیت اختیار کی قومی اسمبلی کے چھ اراکین نے اسمبلی کی رکنیت کو خیر آباد کہ کر تحریک انصاف مین شامل ہوئے اپنی اصول پرستی، سچائی اور جدوجہد کی بناء پر پاکستان کی ایک نمایاں سیاسی حیثیت کے ساتھ تحریک انصاف نمایاں مقام بنانے میں کامیاب ہوئی اب اس کا شمار پاکستان کی تین بڑی جماعتوں میں کیا جارہا ہے خاص طور پر جب عوام تمام سیاسی پارٹیوں کو آزما چکے ہیں سیاست دانوں کے جھوٹے وعدے وعید سن سن کر سخت بیزار ہیں پاکستان اپنے قیام کے چھ عشروں کے بعد بھی سیاسی لیڈروں کی کارگزاری صفر رہی ہے مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے بجلی کی لوڈشیڈنگ نے بے روزگاری یں اضافہ کیا ہے

پورا پاکستان دہشت گردوں کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا ہے سیاست دانوں نے پاکستان کو سوائے کمزور کرنے اسے مفت کا مال سمجھ کر سوائے لوٹنے کے کچھ بھی نہیں کیا آج ہماری پہچان ایک کشکول یافتہ بھکاری قوم کے سوا کچھ نہیں عوام ایسے کرپشن یافتہ حکمرانوں سے نجات کا راستہ ڈھونڈھ رہے ہیں اور تبدیلی کی خواہش رکھتے ہیں۔

عمران خان نے سیاسی تبدیلی کی جانب قدم بڑھا دیا ہے ان کی کوشش ہو گی کہ ایک عام آدمی اسمبلی تک پہنچ کے مگر یہ کہنا قبل از وقت ہو گا کیون کہ ان کی پارٹیمیں سیاست کے کئی پرانے کھلاڑی بھی شامل ہیں ہو سکتا ہے الیکٹ ہونے کے بعد پرانے سیاسی کھلاڑیوں کے اصل چہرے سامنے آئیں عوام جان پائیں کہ انھوں نے پرانا مال نئی پیکنگ کا انتخاب کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ سیاسی لیڈر عوام کے معیار پر کھرا اترے اب یہ آنے والا وقت بتائے گا۔جلسے کی شاندار کامیابی اس بات کی دلیل ہے کہ تحریک انصاف کامیابی سے عوام میں اپنے لیے جگہ بنا رہی ہے عمران خان پوری یکسوئی سے اپنیے حریفوں کے مد مقابل ہیں اور آئندہ الیکشن میں قوی امید ہے کہ تحریک انصاف تمیں سیٹیں ضرور جیتے گی۔۔

جوتے سے حملہ

انسانی لباس اور بننے سنورنے میں جوتے کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں انسان قیمتی کپڑوں کے ساتھ ساتھ قیمتی سے قیمتی جوتے خریدنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ اب اسٹیٹس سمبل بھی بن گیا ہے اس بات سے قطع نظر کہ پہننا تو پیروں میں ہی ہے لوگ ہزاروں روپے صرف کرتے ہیں فکشن کہانی میں سنڈریلا کے جوتے نوجوانوں کے لئے خوبصورت دلہن کی تلاش میں ایک محاورے کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جب کہ دوسری جانب ہمارے اسی معاشرے میں کچھ عقل مند مردوں کے نزدیک عورت پیر کی جوتی بھی ہے کہ جب پرانی ہوئی نئی لے لی۔ مگر ان باتوں سے نالاں بھارتی مصور ایم ایف حسین جوتے سے بے نیاز رہنا پسند کرتے تھے وہ خواہ دنیا کے کسی کونے میں بھی سفر کرتے آپ ننگے پاوں ہی دکھائی دئے ہو سکتا ہے ایم ایف حسین صاحب نے مسجد میں جوتے چوری ہونے کے بعد آئندہ جوتا پہنے سے توبہ کر لی ہو مگر بعض اوقات جوتے میں اشیاء چوری کرنے کا کام بھی باآسانی کیا جا سکتا ہے جس طرح اس کہانی میں واضع ہے۔

ایک درزی اپنی چالاکی اور ہوشیاری کی وجہ سے بہت مشہور تھا ایک جگہ بیٹھے لوگ اس کی چالاکی اور عیاری کے قصے بڑھ چڑھ کر بیان کر رہے تھے

کہ کوئی کتنا ہی ہوشیار آدمی کیوں نہ ہو درزی کے سامنے بیٹھ کر اپنا کپڑا کٹوائے درزی پھر بھی اپنی چالاکی سے کام لے کر ضرور کپڑا چوری کر لیتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا قریب بیٹھا ایک سپاہی جو اپنے آپ کو بہت عقل مند اور سمجھ دار سمجھتا تھا وہ درزی کی چالاکیوں کے قصے سن کر چڑ گیا اور بولا درزی اپنے آپ کو کتنا ہی چالاک اور عقل مند سمجھتا ہو اس کی چالاکی اور عیاری میرے سامنے نہیں چل سکتی میں شرط لگاتا ہوں کہ کل اپنے کوٹ کا کپڑا لے کر درزی کے پاس جاؤں گا اور اپنے سامنے کٹواؤں گا اور سلواؤں گا اگر تھوڑا سا بھی کپڑا چوری ہو گیا تو میں یہ گھوڑا تم لوگوں کو دے دوں گا دوسرے دن سپاہی کپڑا لے کر درزی کے پاس پہنچا اور اپنی نگرانی میں کپڑا کٹوانے لگا اس اثناء میں درزی کا چھوٹا بیٹا باپ سے اپنی فرمائش لے کر پہنچا درزی نے اسے ٹال دیا تھوڑی دیر بعد وہ پھر اپنی فرمائش لے کر آیا تو درزی نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا مگر جب بیٹا تیسری بار آیا تو درزی نے اپنا جوتا کھینچ کر اسے مارا جوتا اسکے پاس آ کر گرا تو اس کے بیٹے نے جوتا اٹھایا اور گھر بھاگ گیا۔ سپاہی نے کوٹ تیار ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کو بلا کر شرط جیتنے کی نوید سنائی جس پر درزی نے اسے شرط ہارنے کا فخریہ دعویٰ کیا اور بتایا میں نے کپڑے میں سے کئی گرہ کپڑا کاٹ کر جوتے میں چھپا دیا تھا لڑکے کو میری چالاکی کا علم تھا اس لیے وہ جوتا لے کر گھر بھاگ گیا تھا درزی کو جوتے

کھینچ کر مارنے پر مال غنیمت مل گیا اس کے بیٹے نے بھی اسے عزت و تکریم سمجھا۔ ور نہ دوسرے معنوں میں تو یہ جوتے جس پر پڑتے ہیں اس کو سوائے رسوائیاں اور جگ ہنسائی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

خاص طور پر سیاست دانوں میں جوتے پڑنا سیاسی برادری میں بڑی عبرت اور شرم کا مقام سمجھا جاتا ہے اب یہ جوتا کھانے اور مارنے والے پر منحصر ہے کہ ان کے جذبات کیا ہیں ،ایسے ہی ایک جوتے مارنے اور کھانے کا واقعہ عراق 15 دسمبر 2008 ء میں اپنے آخری خطاب کے دوران اس وقت کے موجودہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو پڑے تھے جب پریس بریفنگ کے دوران ایک عراقی صحافی منتظر الزیدی نے مارتے ہوئے کہا تھا کہ " خدا حافظ عراقی عوام کی طرف سے یہ جوتے کا آخری بوسہ "، قبول ہو (گالی) جس کی بعد میں اسے سزا بھی بھگتنی پڑی اس پر انتہائی تشدد کیا گیا اس کے ہاتھوں اور پسلیوں کی ہڈیاں توڑ دی گیں ، ہاں ! اسکے جوتے کی قیمت میں بے انتہا اضافہ ہوا اسکے جوتے عرب ممالک 10 ملین ڈالرز میں خریدنے کو تیار تھے منتظر الزیدی کے بھائی نے بتایا کہ خاص طور پر منتظر نے جارج بش کو مارنے کے لیے ایک عراقی کمپنی کے مضبوط جوتے خریدے تھے۔

اس وقعہ کے کچھ دنوں بعد اپریل 2009 کو جارج بش سے عبرت لیتے ہوئے لال

کشن ایڈوانی نے تمام جرنلسٹوں کو سیاسی تقریب میں ننگے پاوں آنے کا حکم دیا تھا، مگر شو مئی قسمت بھارتیہ جنتا پارٹی کے لال کشن ایڈوانی کو جوتے کھانے پڑے جب وہ الیکشن کمپین کے سلسلے میں مدھیہ پردیش میں مصروف تھے کہ ایک صحافی نے لکڑی کے جوتے سے ان کا سواگت کیا۔ پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا اور جلد ہی تیسرا واقعہ بھارتی لیڈر چدم برم کے ساتھ پیش آیا جب وہ ایک نیوز کانفرس میں شریک تھے ایک سکھ صحافی نے انھیں اپنے سوال کا صیح جواب نہ دینے پر اپنا جوتا کھینچ مارا۔

اس کام میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ خواتین بھی پیش پیش رہی سویڈن میں اسٹاک ہوم یورسٹی میں تقریر کے دوران میاس ڈیگن فام کو ایک لڑکی نے پہلے جوتے سے اور پھر اپنی نوٹ بک اور کتاب کھینچ کر ماری اور کہا کہ تم قاتل ہو تم دہشت گرد ہو۔

ہمارے پاکستان میں جوتا ماری کا آغاز مشرف دور حکومت کے ارکان پارلیمنٹ جناب ارباب غلام رحیم سے ہوا جب اپریل 2008ء کو سندھ اسمبلی میں ان کے کسی حریف کارکن نے ان کو چپل سے نشانہ بنایا جس کی وڈیو لاکھوں لوگوں نے دیکھی ۔۔ ایسا ہی ایک افسوس ناک واقعہ ہفتہ 7 اگست کو صدر آصف علی زرداری کے ساتھ پیش آیا جب وہ لندن میں پاکستانی کنوینشن سے خطاب

کر رہے تھے تو ایک پاکستانی شخص جس نے سندھی ٹوپی اور اجرک پہنی ہوئی تھی صدر پر اپنے دونوں جوتے پھینکے اور ان پر ملامت کا اظہار کیا کہ پاکستان میں سیلاب اور مشکلات کی گھڑی میں صدر صاحب کو پاکستان میں ہونا چاہیے کنوینشن کے باہر بھی سینکڑوں لوگوں کا ہجوم صدر سے یہی مطالبہ کر رہا تھا اب اسی قسم کا ایک اور تازہ واقعہ سابق صدر جنرل پرویز مشرف کی پاکستان آمد کے چند دن بعد جمعہ کو پیش آیا جب وہ پہلی بار سندھ ہائی کورٹ میں پیش ہوئے وکلاء برادری ان کی آمد پر سخت خائف تھی ان کے خلاف مسلسل نارے بازی ہوتی رہی جس کے دوران ایک وکیل تجمل حسین نے اپنا جوتا پرویز مشرف پر کھینچ مارا جو سابق صدر کی ناک کو چھوتا ہوا گزر گیا وہان موجود رینجرز اہلکارون نے وکیل کی پٹائی کردی چیف جسٹس مشیر عالم نے واقعہ کا سختی سے نوٹس لیا کہ اس طرح کے واقعہ سے عدالت کا تقدس پامال ہوا انھوں نے سی سی ٹی وی فوٹیج بھی منگوا لی ہے۔

اس واقعہ پر مجھے ایرانی شہنشاہ رضا پہلوی کے درباری اور حواری یاد آئے جو عوامی بغاوت اور احتجاج کرتے ہوئے سمندر کو شہنشاہ کے قصیدے پڑھتے ہوئے بیان فرمایا کرتے تھے اور آخر وقت تک شہنشاہ اسی خوش فہمی میں رہا تھا کہ عوام اس کے حامی وہمدرد ہیں آنکھ جب کھلی جب عوام نے اسے جوتے دکھا کر جلا وطن ہونے پر مجبور کیا تھا۔

اے حمید۔۔ میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑ کر

کہنے کو تو بر صغیر پاک و ہند میں کئی بڑے نامور ناول نگار، ڈرامہ نگار، انشا پرداز،کالم نویس اور خاکہ نگار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے مقدور بھر اردو ادب کے علمی خزانے میں اضافہ کیا مگران میں ایک نام ایسا بھی ہے جسے اگر اردو ادب سے نکال دیا جائے تو اس خزانے میں ادھورا پن اور تشنگی محسوس ہوگی جی ہاں ! اے حمید ہماری اردو ادب کا وہ درخشندہ ستارہ ہیں جنھیں اردو پڑھنے والے کبھی فراموش نہ کر سکیں گے اردو نثر نگاری کو اوڑھنا بچھونا بنانے والے اس بڑے ادیب نے بھارت کے شہر امرتسر میں 1928ء کو جنم لیا میٹرک اپنے آبائی وطن سے کیا پھر نوزائیدہ پاکستان کے شہر لاہور کا رخ کیا پرائیوٹ ایف اے کا امتحان پاس کیا 1949ء میں اپنا پہلا افسانہ 'منزل منزل، تحریر کیا اور ادبی دنیا میں راتوں رات مقبول ہوئے ریڈیو پاکستان میں اسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے کچھ عرصے براڈ کاسٹر کی ملازمت کے بعد نوکری کو خیر آباد کہا اور وائس آف امریکہ سے منسلک ہو گئے۔ اے حمید کی شخصیت کے بارے میں احمد ندیم قاسمی فرماتے ہیں " اے حمید سے جو ملتا اس سے پیار کرنے لگتا اس کی شخصیت میں پیار کی اتنی گنجائش ہے کہ اگر کہیں کوئی ایک آدھ خامی ہے بھی تو پیار کے پھولوں سے ڈھکی رہتی ہے،، ان کا شمار ترقی پسند ادیبوں میں ہوتا ہے ان کی ناول نویسی، خاکہ نگاری، مختصر کہانیاں، اورڈرامہ نگاری قاری کو اپنے سحر میں جکڑ

لیتی ہیں انھوں نے 200 کے قریب ناول لکھے ان کی کہانیوں میں تاریخ ماضی کی کہانیوں میں کھو جانا اور اس منظر نامے میں قاری کو بھی شامل کر لینا بہت نمایاں ہے قاری پر ان کا چیزوں کو دیکھنے کا مشاہدہ، رومانی نقطہ نظر، مہم جوئی،اور یاد نگاری کا مضبوط بیانیہ تحریر ایسی خوبیاں ہیں جنھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی مصنف کے ساتھ ساتھ محوسفر ہے جس طرح " داستان گو،، کی یہ تحریر پڑھئے "جب اشفاق مجھے اپنی بنائی ہوئی یہ پینٹنگ دکھا رہا تھا تو مجھے یاد ہے کمرے میں بڑا حبس اور گرمی تھی وہ گرمی اور حبس آج تک یاد ہے ماضی کے دھندلکوں میں ایک روشنی سی چمکتی ہے میں اور اشفاق چوہٹہ مفتی باقر کے ایک تنگ بازار میں جا رہے ہیں اشفاق چہرے پر لگانے والی کریم کی شیشیاں خریدنے یہاں آئے ہیں میں اس کے ساتھ ہوں ہم دکان دکان پھر کر شیشیاں دیکھ رہے ہیں اشفاق احمد اندورون لاہور کے کلچر پر تبصرہ بھی کر رہا ہے یہاں سے ہم شاہ عالمی کی لال مسجد کے پاس نکل آئے ہیں سارا شاہ عالمی ٹوٹا ہوا اور جلا ہوا ہے صرف لال مسجد سلامت ہے جگہ جگہ مکانوں کے ملبے کے اونچے اونچے ڈھیر لگے ہوئے ہیں بانسوں والے بازار سے لے کر رنگ محل تک ملبہ ہی ملبہ ہے لوگوں کے چلنے سے ان ٹیلوں پر پگڈنڈیاں بن گئی ہے ہم دونوں ملبے کی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے واپس جا رہے ہیں رنگ محل اور لوہاری منڈی کی طرف مکان سلامت ہے باقی سارا کا سارا رڑا میدان ہے۔،، ان کی ایک طلسماتی تحریر "مرزا غالب لاہور میں،، اور اردو نثر کی تخلیقات بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

انھوں نے بچوں کے ادب پر بھی بہت کام کیا 100 کے قریب بچوں کے لئے ناول لکھے امبر ناگ اور ماریہ کی سو سے زائد کہانی سیریز پر مشتمل کتابیں بچوں کے ادب میں بیش بہا اضافہ ہیں۔ بچوں کے لئے ہی لکھے جانے والے ٹی وی ڈرامہ سیریل ' عینک والا جن، پاکستان ٹیلیوژن کی تاریخ میں طویل ترین منفرد و مشہور ڈرامہ سیریل کے طور پر یادرکھا جائے گا اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ جن بچوں نے اس ڈرامہ سیریل کو دو دھائی قبل ٹی وی پر دیکھا وہ آج بھی اس کے اثر انگیز کرداروں، کہانیوں اور ڈائیلاگز کے سحر سے نہیں نکل پائے اس ڈرمہ ے نے پوری نسل کو مسمیرائز کئے رکھا۔ عینک والا جن اور '' تھلے تھلے،، کے بعد انھوں نے ٹی وی کے لئے کچھ اور کام نہیں کیا جب کہ کافی گنجائش تھی کہ وہ مزید یادگار کام کر سکتے تھے۔

اے حمید کے ادبی حوالوں میں ایک حوالہ خاکہ نگاری بھی ہے خاکہ نگاری میں ان کے موضوعات کی تعداد دو درجن سے بھی تجاوز کر گئی ہے اتنے بہت سے خاکوں کو یکجا کر دینے سے تکرار کا خطرہ پیدا ہونا لازمی امر ہے مگر اے حمید کے خاکوں کی بابت احمد ندیم قاسمی فرماتے ہیں ''اس طرح کی تکرار اوپری اوپری باتیں کرنے والوں کے ہاں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن اے حمید نے تو ہر شخص کو اس کی انتہائی گہرائی سے جانچا پرکھا ہے وہ تو کسی بھی شخصیت پر لکھتے ہوئے اس کی سوچوں اور امنگوں تک کے موتی ڈھونڈھ لا تا ہے اس لئے اس کے ہاں تکرار کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے،، جس طرح ان

کے لکھے ہوئے تمام کردار خوش گفتار، خوش خوراک اور زندگی سے بھرپور ہیں اسی طرح ان کی اپنی ظاہری شخصیت بھی خوش شکل، وضعدار، خوش اطوار اور خوش گفتا ربنا وٹ سے پاک ہے ان کی دراز قامتی ادبی محفلوں میں نمایاں نظر آتی۔زندگی بھر قلم کی مزدوری کرتے ہوئے کینسر جیسے موذی مرض سے مقابلہ کرتے رہے عمر کی آخری دھا ئیوں میں کالم نگاری کے ذریعے اپنے چاہنے والوں سے جڑے رہے اپنی بیماریاں، دلی کیفیتیں، یادیں، خوشی اور غم تحریر کرتے رہے ان کے پڑھنے والے مداح دعا گو رہتے وہ صحت یاب ہو جائیں لیکن موت وزندگی کے اس کھیل سے کئی سال برسرِ آزما ہونے کے بعد دو سال قبل 29اپریل 2011 کو لاہور میں زندگی کی بازی کینسر کے آگے ہار گئے اور اپنی تحریروں کی صورت میں اپنا دل مداحوں کے درمیاں چھوڑ گئے بقول شاعر

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑ کر۔ تجھے یاد مری دلاتا رہے گا۔

مزدور کی بیٹی کی شادی

یوم مئی کے حوالے سے دختر مزدور کی شادی کا احوال۔
پچھلے دنوں ہمارے ایک سابق وزیر کے بیٹے کی شادی تھی جس ہیں ملک کی تمام اشرفیہ مدعو تھی اس شادی کے حوالے سے کہا گیا کہ ہمارے ہاں وزراء، جاگیرداروں اور سرمایہ دارون کے گھر کی شادیاں کم بڑا سیاسی جلسہ زیادہ محسوس ہوتی ہیں پچھلے سال ایک شادی کا اخبارون مین بڑا چرچا رہا جس میں صدر صاحب نے پانچ لاکھ کی سلامی دی جو یقینا ان کے شایان شان تھی لیکن ! آج جس شادی کا ذکر کر رہی ہوں وہ یوم مئی کے حوالے سے ایک دختر مزدور کی شادی کا احوال ہے اس شادی کا نقشہ احسان دانش نے پیش کیا ہے جو خود شاعر مزدور کہلائے اصل نام قاضی احسان لحق تھا جو علمی ادبی اور شعری حلقوں میں احسان دانش کہلائے والد ایک معمولی سپاہی تھے بقول ان کے گھر ہیں کپڑے رکھنے کو ایک مٹکا تھا مکان نہایت بوسیدہ اور کواڑ ندارت تھے والدہ دوسروں کے کپڑوں کی سلائی اور آٹا پیس کر پیسے حاصل کرتیں تھیں ان کی سوانح عری جہان دانش کے نام سے شائع ہوئی آپ نے 1982ء میں وفات پائی خود بھی عملاً ایک مزدور تھے طویل عرصے تک مزدوری کی بوجھ اٹھائے، گھروں پر

سفیدی کی انہیں مزدوروں کے دکھوں اور تکالیف کا عملی تجربہ تھا اس نظم میں انھوں نے ایک مزدور کی بیٹی کی شادی کی بھرپور ترجمانی کی ہے اس کے اشعار ہم سب کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آخر ایسی بے بسی و بے کسی کیوں ؟ کب تک ایسا ہوتا رہے گا۔

ہے داغ دل اک شام سیاہ پوش کا منظر۔ تھا ظلمت خاموش میں شہزادہ خاور

عالم میں مچلنے ہی کو تھے رات کے گیسو۔ انوار کے شانوں پہ تھے ظلمات کے گیسو

یہ وقت اور اک دخترِ مزدور کی رخصت۔ اللہ قیامت تھی، قیامت تھی قیامت

نوشاہ کا جو سر پہ تھا باندھے ہوئے سہرا۔ بھرپور جوانی میں تھا اترا ہوا چہرہ

اندوہ ٹپکتا تھا بشاشت کی نظر سے۔ مرجھائے سے رخسار تھے فاقوں کے اثر سے

کرتا بھی پرانا سا تھا پگڑی بھی پرانی۔ مجبور تھی قسمت کے شکنجوں میں جوانی

ہم راہ نفیری تھی نہ باجا تھا نہ تاشا۔ آنکھوں میں تھا بے مہری عالم کا تماشا

مجمع تھا جس خستہ وافسردہ مکاں پر۔ تھا جیسں میں شادی کے وہاں عالم محشر
دالان تھا گونجا ہوا رونے کی صدا سے۔ اک درد ٹپکتا تھا عرق ناک ہوا سے
اماں کی تھی بیٹی کی جدائی پہ یہ حالت۔ چیخوں میں ڈھلتے جاتے تھے جذبات محبت
تھا باپ کا یہ حال کہ اندوہ کا مارا۔ اٹھتا تھا تو دیوار کا لیتا تھا سہارا
لڑکی کا یہ عالم تھا کہ آپے کو سمیٹے۔ گڑیا سی بنی بیٹھی تھی چادر کو لپیٹے
تھا نہ پاؤں میں پازیب نہ ماتھے پہ ٹیکا۔ اس خاکہ افلاس کا رنگ تھا پھیکا
آخر نہ رہا باپ کے جذبات پہ قابو۔ تھرانے لگے ہونٹ ٹپکنے لگے آنسو
کہنے لگا نوشہ سے کہ اے جان پدر سن۔ اے وجہ سکوں لخت جگر نور نظر سن
اگرچہ میری نظروں میں ہے تاریک خدائی۔ حاضر ہے میری عمر کی معصوم کمائی
اس سانولے چہرے پہ تقدس کی ضیاء ہے۔ یہ پیکر عفت ہے یہ فانوس حیا ہے

اسکے لیے چکی بھی نئ چیز نہیں ہے۔ بیٹی ہے مری دختر پرویز نہیں ہے
غربت میں یہ پیدا ہوئی غربت میں پلی ہے۔ خودداری و تہذیب کے سانچے میں ڈھلی
ہے
زنہار یہ زیور کی تمنا نہ کرےگی۔ ایسا نہ کرے گی کبھی ایسا نہ کرے گی
شکوہ اسے تقدیر سے کرنا نہیں آتا۔ ادراک کی سرحد سے گزرنا نہیں آتا
ہے صبر کی خوگر اسے فاقوں کی ہے عادت۔ ماں باپ سے پائی ہے وراثت میں قنا
عت
اس کو خوشی ہوگی تمہاری جو رضا ہو۔ تم اس کے لیے دوسرے درجہ پہ خدا ہو
پھر آکے یہ بیٹی سے کہا نرم زباں سے۔ بچی مری رخصت ہے تو اب باپ سے ماں
سے
امید ہے ہر بات کا احساس رہےگا۔ ماں باپ کی عزت کا پاس رہےگا
اے جان پدر! دیکھ وفادار ہی رہنا۔ آئے جو قیامت بھی تو ہنس کھیل کے سہنا
دل توڑ نہ دینا کہ خدا ساتھ ہے بیٹی۔ لاج اس مری داڑھی کی ترے ہاتھ ہے بیٹی

مزدوروں کا عالمی دن

اس سال مزدور طبقہ 126 واں یوم مزدور عالمی سطح پر منا رہا ہے یکم مئی وہ تہوار ہے جو ساری دنیا کے مزدور ایک ساتھ مناتے ہیں مزدوروں کا ایک دن نام کرنے کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ ان لوگوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے جنھوں نے مزدوروں کی زندگی بہتر بنانے کے لیے اپنی زندگی کو خون سے رنگی داستان بنا دیا۔ 1886ء کو شکاگو کے جوشیلے اور انقلابی مزدوروں نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے مکمل ہڑتال کی یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر پاک وہند کے باسی اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے اور دوسری جانب یورپ میں نئی صنعتیں، تعلیمی ادارے قائم ہو رہے تھے کارخانوں کے جال بچھائے جا رہے تھے صنعتی ترقی کے لیے پرانے انجن کی جگہ مشینی قوتیں عمل میں آ رہی تھیں نئے جہاں آباد کیے جا رہے تھے اشرافیہ طبقہ اپنی بقاء اپنے حقوق کی تنظیم نو کر رہا تھا لیکن ! ان سب میں ہمیشہ کی طرح جو طبقہ اپنے حقوق کھو رہا تھا دن رات محنت کے باوجود اسے پیٹ بھر روٹی نصیب نہ تھی وہ طبقہ مزدور طبقہ تھا جو دن بدن بد حالی کی جانب سفر کر رہا تھا جن کے حقوق کا خیال کسی کو نہ تھا سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے مزدوروں کے حقوق کو پامال کرنے میں مصروف عمل تھے۔ دوسری جانب کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کی

تحریریں مزدوروں میں اپنے حقوق کا منشور بیدار کر رہی تھیں انکے حقوق غضب کرنے
والے سرمایہ دار اور حکومتی اراکین کے خلاف مزدوروں میں نفرتیں اور اشتعال بڑ
ھتا جا رہا تھا انھیں اس بات کا بھی غصہ تھا کہ دن رات کی محنت کے باوجود وہ اپنے
خاندان کے لیے اشیائے ضرورت خریدنے سے بھی قاصر تھے ان حالات میں شکا گو
کے جراتءمند مزدوروں نے سر پر کفن باندھا اس مثال کے مصداق کہ " ابھی نہیں تو
کبھی نہیں " ان مزدوروں نے پہلی مکمل ہڑتال کی اور جلوس کی شکل میں شکا گو کی اہم
شاہراہ کی جانب رواں دواں ہوئے اینگلز نے ایک عظیم فقرہ 'دنیاکے مزدوروں ایک
ہو جاؤ' کا نعرہ دیا مزدوروں نے اس عظیم نعرہ کو گرہ میں باندھ لیا اپنے حقوق حا
صل کرنے کے لیے جدوجہد کرنے کا عزم و حوصلہ بلند کرنے کا اقرار کیا مگر حکمرانوں ،
سرمایہ داروں کو ان کی یک جہتی ایک آنکھ نہ بھائی انھوں نے نہتے مزدوروں پر گو
لیوں کی بوچھاڑ کر دی محنت کشوں کے ہاتھوں میں تھامے ہوئے سفید پرچم خون سے
سرخ ہو گئے اسی سرخ رنگ پرچم کو مزدوروں نے اپنا رنگ بنا لیا انھوں نے عہد کیا کہ
جب تک ان کے مطالبات پورے نہیں ہو جاتے وہ کام نہیں شروع کریں گے اپنے سا
تھیوں کی جانوں کے نذارنے کو یوں ضائع نہیں ہونے دیں گے آخر کار سرمایہ دار
وں اور حکومت وقت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے مزدوروں کے جائز مطالبات جو صرف یہ کہ
انھیں آٹھ گھنٹے کے اوقات کار کو تسلیم کیا جائے اس سے زائد کام کروانے کا اختیار کسی
مل مالک یا سرمایہ کار کو نہیں ہوگا۔آج جو اوقات کار آٹھ گھنٹے ساری دنیا میں رائج

ہے شکاگو کے ان محنت کش مزدوروں کے مرہون منت ہے جنھوں نے اپنی جانوں کا نذ ارنہ پیش کر کے مل ملکان اور سرمایہ کاروں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ ان کے کار خانوں کو چلانے والے ملازمین کا بھی کچھ حق ہے۔

اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مزدور وں کی آج تیسری نسل بھی مزدور ہی ہے نسلوں کے اس سفر میں دادا فیکٹری مزدور تھا، باپ کان کن اور اب بیٹا گاڑیوں کی دکان پر کام کرنے والا مزدور ہے۔ کارل مارکس کے بقول " ہر وہ شخص جو اپنی محنت بیچتا ہے وہ مزدور ہے اور جو یہ محنت خریدتا ہے وہ سرمایہ دار اور استحصالی ہے۔" یہ طبقہ شروع دن سے معاشی استحصال کا شکار ہے اگر دیکھا جائے تو ایک مزدور اور سرمایہ کار کا رشتہ روح اور جسم کے مترادف ہے مگر دنیا میں بہت کم ایسے ادارے ہوں گے جہاں مزدور کو ان کے کام کے مطابق مراعات، تنخواہ، سہولتیں اور بہتر ماحول دیا جاتا ہو اس وقت حکمراں طبقہ جو خود کو مزدوروں کی جماعت تصور کرتی ہے جس کا مشہور زمانہ نعرہ روٹی، کپڑا اور مکان مزدور طبقہ کے لیے ایک خوبصورت خواب ہی رہا ہماری حکومتی ادارے مزدوروں کی حالت بہتر کر نے کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں مگر درحققت ان دعووں میں کوئی سچائی نہیں نظر آتی پانچ لاکھ سے زائد لوگوں کو توانائی کے بحران نے بے روزگار کر دیا ہے بے شمار صنعتیں بند ہو چکی ہیں وہ مزدور طبقہ جو دیہاڑی پر کام کرتا ہے سخت کسمپرسی کا شکار ہے

آئے دن کی دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات، ہڑتالیں مہنگائی، لوڈ شیڈنگ نے مستقل بنیادوں پر کام کرنے والوں کو بے روزگار کر دیا ہے پھر ان دیہاڑی مزدوروں کو کام کہاں سے ملے گا اس وقت یہ مزدور طبقہ اور ان کے خاندان سخت مشکل حالات اور فاقہ کشی میں مبتلا ہے ان کے مسائل خطرناک حد تک بڑھ چکے ہیں ملک میں لاقانونیت کی بڑھتی ہوئی وارداتوں کی کئی وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ بے روزگاری بھی ہے آج کے تناظر میں دیکھا جائے تو پوری دنیا مالیاتی بحران کا شکار نظر آتی ہے ایک طرف سرمایہ دار طبقہ عالمی معاشی زاوال کے سبب دیوالیہ ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اسی سبب مزدوروں کو بے روزگاری، سہولیات اور پینشنوں میں کٹوتی جیسے مسائل کا سامنا بھی ہے دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ تمام معاشی بحران کا بوجھ محنت کش طبقہ کو ہی برداشت کرنا پڑ رہا ہے اپنی تاریخ کی سو سالہ جد جہد اور قربانیوں کے باوجود آج تک مزدور طبقے کے حالات بہتر نہیں ہو سکے اس ناکامی کی کئی وجوہات ہیں ایک خود ٹریڈ یونین اور ان کی روایتی پارٹیاں بھی شامل ہیں جو درپردہ سرمایہ داروں سے اپنے تعلقات مستحکم رکھتی ہیں دوسری جانب یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں ۔ کال مارکس کے نزدیک سب سے اہم چیز معیشت ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس کے اوپر انسان کی اخلاقی و مذہبی تصورات اور اسکے تمدن علوم وفنون کی بنیاد کھڑی ہے مارکس کے خیال میں انسان کو سب سے پہلی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوتی ہے اس لیے سماجی انقلاب میں سب سے بڑا ہاتھ ان تبدیلیوں کا ہوتا ہے جو

پیداوار اور دولت کے تبادلے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ پیداوار بڑھانے کا واحد ذریعہ افرادی قوت ہیں جب تک ان کے حالات زندگی بہتر نہیں ہوں ان کی جدوجہد جاری رہے گی دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ مزدور طبقے کے مسائل کبھی بھی حکمراں سرمایہ دار طبقہ حل نہیں کر سکا ہے اسے مزدوروں نے خود انقلابی اجتماعی کوششوں سے حل کیا ہے۔ مشہور انقلابی شہید کامریڈ روز الیگزمبرگ نے سچ کہا ہے کہ یوم مئی اس وقت تک منایا جاتا رہے گا جب تک محنت کشوں کی اپنے حقوق کے لیے سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی اور اگر محنت کش طبقہ عالمی سطح پر اپنے حقوق حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو شائد اس کے بعد اس جدوجہد کرنے والے شہیدوں کی یاد میں یوم مئی منایا جاتا رہے گا۔ یوں تو یوم مئی تمام مزدوروں کے جدوجہد کی داستان ہے لیکن میں آج کا دن اور یہ کالم ان مزدور شہیدوں کے نام کرنا چاہوں گی جو محض غفلت و لاپروائی اور حفاظتی اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ملکی تاریخ کا سب سے بھیانک حادثہ 12 ستمبر 2012ء کو پیش آیا جب بلدیہ ٹاؤن میں لگنے والی فیکٹری کی آگ نے 300 زندہ مزدوروں کو جلا کر بھسم کر دیا تھا۔

حقائق مقدس ہیں، تنقید کی پوری آزادی

اٹھارویں صدی کے بادشاہ اور دیگر حکمراں صحافت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے نا خوش تھے وہ آزادانہ رائے کا اظہار کرنے والے اخبارات کی بے باکی سے نالاں تھے انھیں یہ احساس تھا کہ ایسے واقعات کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہونے لگی تھیں جو عام حالات میں محلوں اور ایوانوں کی چار دیواری میں ہی محدود و پوشیدہ رہنی چاہئے تھی اخبارات کے مدیران کو اعلانیہ رشوت دی جانے لگی جو اخبار نویس رشوت لینے سے انکار کرتے انھیں طرح طرح ستایا جاتا قید خانوں میں ڈال کر سڑایا جاتا کئی ممالک میں بغیر لائنسس آخبار شائع کرنا جرم تھا آمرانہ خیالات رکھنے والے ان حکمران طبقہ کا خیال تھا سرکاری معاملات چند تعلیم یافتہ افراد اور دانشور دلچپی لیں عوام کا ہر معاملہ میں واقف ہونا ضروری نہیں، مگراب وہ زمانہ نہیں رہا آزاد صحافت کے وسلیے سے عام انسان کو بدلتے ہوئے حالات اور نوعیت کی پوری واقفیت دی جاتی ہے ان سب کاموں کے لئے اخلاقی جرائت و بے خوفی ضروری ہے یہ ایسا پیشہ ہے جو کئی قربانیوں کا طلب گار ہے۔آج جب پوری دنیا میں آزادی صحافت کا دن منایا جاتا ہے پاکستان جیسے ترقی پذیر ،دہشت گردی کے نرغے میں پھنسے ملک میں اس دن کی

اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے ہمارے ملک میں ایک صحافی کی زندگی کس قدر مشکل ہے اس کا ثبوت ورلڈ سروے رپوٹ میں کیا گیا ہے جس کے مطابق پاکستان پوری دنیا میں صحافیوں کے لئے سب سے خطرناک ملکوں میں سے ایک ہے ہر سال ہمارے ملک کے کئی صحافی اپنی جانوں کا نذارنہ اس پیشے کی نذر کرتے ہیں لیکن اپنے قلم کا سودا نہیں کر تے ۔ صحافت ایک وسیلہ خدمت ہے یہ خدمت اسوقت صیح و مکمل سمجھی جاتی ہے جب یہ پوری آزادی سے سچ اور جھوٹ کو عوام کے سامنے لا سکے ۔

ایک مشرقی محاورہ ہے کہ "چھوٹے حکمران شہنشاہ اکبر کی تلوار سے زیادہ ابوالفضل فیضی کے قلم سے خوف کھاتے تھے "چھوٹے حکمراں ابوالفضل کے قلم سے کیوں خوف زدہ تھے اس کا جواب بڑا سادہ ہے۔ ابو فضل فیضی، شہنشاہ اکبر کا خاس درباری اور ہما رے جدید دور کی اصلاح میں ایک بڑا قلم کار تھا جو بادشاہ وقت کو پورے ملک کی تما م خبریں پہنچاتا تھا اور اراکین سلطنت کے کاموں کا جائزہ لیتا تھا۔ اسکی تفصیل شہنشاہ اکبر تک پہنچاتا تھا۔ گو اب شہشاہیت دور حکومت نہیں بلکہ جمہوری دور ہے۔ جمہوری د ور میں صدر بھی عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ مگراس محاورے کی صداقت آج کے دور میں بھی لاگو ہیں اسی لئے تو ہماری عدالتون نے صحافیون کی کرپشن اور ناجائز مرا عات سے فائدہ اٹھانے والے صحافیوں کی فہرست جاری کی مگراس کا

ایک افسوس ناک پہلو بھی ہے کہ گھیوں کے ساتھ وہ گھن بھی پس رہے ہیں جو اپنے پیشے اسے ایماندار و مخلص تھے ان کا شکوہ ہے کہ کچھ نا معلوم دشمن اپنے گنا ہوں اور جعل سازیوں کو چھپانے کے لیے ابوالفضل کے ان جانشینوں پر عتاب نازل کرنے کی کوششیں جاری کئے ہوئے ہیں۔

انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے چھپانے کی کوشش کرتا ہے جتنا بڑا آدمی ہو اس کا لالچ اور غلطی بھی اتنی بڑی ہو گی اس کی خواہش ہو گی کہ اس کی غلطیاں اس کا منافقانہ رویہ عوام الناس تک نہ پہنچ سکے اس کے لیے وہ کبھی لالچ دینے کبھی عہدے باٹنے اور کبھی ڈرانے دھمکانے کی سعی کرتا ہے تاکہ اسکی غلط کاریوں سے ملک وقوم کو ن ±قصان اور اپنی ذات کو فائدہ پہنچاتا رہے۔ جس طرح بڑے آدمی کی غلطی بڑی ہوتی ہے اسی طرح اس کا غصہ بھی بڑا ہوتا ہے اور جس کے دسترس میں اپنے غصہ کے اظہار کا موقع ہو وہ کیوں موقع ہاتھ سے جانے دے گا، یہ صحافی ہی ہیں جنھوں نے مارشل لا دور میں جمہوریت کی آزادی کے لیے کوڑے کھائے، جیلیں کاٹی، بے روزگاری کے کھٹن مرحلے طے کیے، ان کے خاندانوں نے بھوک اور تنگ دستی، فاقوں کے عذاب سہے اور بے گھر ہوئے۔

اس کے برعکس ایسے موقع پر سیاسی لیڈرز تو ملک سے باہر فرار ہو جاتے ہیں

سیاسی پناہ کی آڑ میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں جب ملک میں مارشل لا کے خاتمہ اور جمہوری بہار کی آمد ہوتی ہے تو یہ برساتی مینڈکوں کی طرح بہاروں کا مزہ لوٹنے کے لیے میدان میں کود پڑتے ہیں، دونوں ہاتوں سے ملک کی دولت لوٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں، یہ سیاسی پارٹیاں جب اقتدار سے باہر ہوتی ہیں تو یہی صحافی ان کے دوست اور غم گسار اور حق گو کہلاتی ہیں مگر جوں ہی ان پارٹیوں کو اقتدار کی کرسی ملتی ہے تو جمہوری حکومت کو شہنشاہیت میں تبدیل کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں ان کی غلطیوں پر جب انھیں آئینہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو وہی نھیں کرپٹ، الزام تراش اور سازشی نظر آنے لگتا ہے۔ تنقیدی نظر رکھنا عوام کی بھلائی کے لیے کرپشن کو بے نقاب کرنا مختلف اداروں کی غلطیوں کے جانب توجہ مبذول کرانا یہ سب صحافیوں کے فرائض کا حصہ ہیں اس سے کسی صحافی کا حکومت وقت سے کوئی ذاتی دشمنی یا مخالفت نہیں، واضح رہے کہ اختلاف اور مخالفت میں فرق ہے۔ اختلاف ایک مثبت عمل ہے اس کہ برعکس مخالفت ایک سرتاپا منفی عمل ہے پارلیمٹ اور پریس دونوں معاشرے کے مضبوط ستون ہیں اخبارات نہ ہوں تو قانون ساز ادارے خفیہ انجمن مباحثہ بن جائیں عوام کو کیسے پتہ چلے کہ حقائق کیا ہیں گارجین کے مدیر سی پی اسکاٹ کا مقولہ کافی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ Fact are sacreds,Comment is free,, یعنی "حقائق مقدس ہیں، تنقید کی پوری آزادی
''

بجلی کا بحران کب ختم ہوگا

بقول منیر نیازی "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں ہر کام کرنے میں" بحثیت پاکستانی ہم کوئی کام ٹھیک وقت پر مکمل نہیں کرتے کسی مقررہ وقت پر کوئی پروجیکٹ مکمل نہیں کرتے، کوئی سڑک، کوئی پل مکمل نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں ابھی افتتاح میں کئی دن باقی ہیں ہو جائے گا جب دو دن رہ گئے اخباروں میں وزیر صاحب کے تاریخ افتتاح کی خبر لگ گئی تو ہنگامی بنیادوں پر کام شروع ہو گیا مہینوں کا کام دن رات لگا کر ختم کیا جاتا ہے۔ہم ایک ایمر جنسی پسند قوم ہیں ہم نفسیاتی طور پر ایک ایسی قوم ہیں جو آج کا کام کل پر ٹالنے کو اپنا ایمان سمجھ چکی ہے جب بحران اور خطرہ سر پر پہنچتا ہے تب ہی ہم اسے حل کرنے کی طرف دوڑتے ہیں اسکے برعکس دیگر قوموں، چینیوں، کوریاوں، امریکیوں اور جاپانیوں نے اپنے بحرانوں کا اندازہ بہت پہلے لگا لیا انھوں نے بے پناہ محنت کی پنی ذات سے بالاتر ہو کر ملک وقوم کی خدمت کی اور بہت سے مسائل اور بحرانوں کو اپنے ملک سے دور دھکیل دیا ہم تو قدرت کے بنائے ہوئے ایک چھوٹے سے پرندے "بیا" سے بھی گئے گزرے ہیں وہ بھی اپنے گھونسلے کو روشن رکھنے کے لیے ایک جگنو کو اپنے گھر قید رکھتا ہے۔

اس وقت ہمارا ملک انرجی یا توانائی کے بحران کا شکار ہے، ہم الزام دریاؤں ییں پانی کی قلت کو دیتے ہیں، کہ ڈیموں میں پانی کی مطلوبہ سطح نہیں ہے، حلاں کہ یہ چیز تو ہمیں بہت پہلے مد نظر رکھنی چاہیے تھی، اسکا متبادل نظام رکھنا چاہیے تھا آج اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے نہ صرف ہمارے گھروں میں اندھیروں کا بسیرا ہے، بلکہ ہماری نسلوں کا مستقبل بھی تاریکیوں میں ڈوب گیا ہے، صنعتیں تباہی کے دھانے پر کھڑی ہیں، ملک بھر میں ۸ سے ۱۵ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ نے سماجی، کاروباری اور گھریلو زندگیوں کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان کے صنعت کاروں، دکانداروں، ہسپتالوں اور کام کرنے والوں کے مالی خساروں اور ذہنی انتشار نے انھیں سراپا احتجاج بنا دیا ہے وہ غیض وغضب بن کر سڑکوں پر نکل آئیں ہیں، روڈ بلاک کیے ہوئے ٹائر جلائے ہوئے یہ عوام سخت گرمی میں سراپا احتجاج ہیں کسی کی شکایت ہے کہ دو دن سے لائٹ نہیں تو کوئی نوحہ کناں ہے کہ بجلی نہ ہونے سے پمپنگ اسٹشن بند ہے جس کی وجہ سے پانی کی سپلائی بھی منقطع ہے یہ کڑوڑں عوام جو آج بجلی کی بندش سے بلبلا اٹھے ہیں، بجلی جس کے ساتھ ان کی معاشی زندگی کا تار جڑا ہوا ہے اس پر ظلم یہ کہ بل ہے کہ ہزاروں سے کم کا نہیں آتا حکومت نے بھی عوام کے ساتھ مرے کو سو درے اور مارو کے مصادق بجلی سے سبسڈی واپس لے لی ہے لیکن آئے دن بجلی مہنگی سے مہنگی

کرنے کی خبر عوام پر بجلی بن کر گرتی ہے بجلی کے بل پر ٹیکس، میٹر ٹیکس اور بنک سر چارج پہلے ہی بل کے ساتھ لگ کر آجاتا ہے۔

یہ تو شہری زندگی کی تصویر ہے دوسری طرف دیہی زندگی کی طرف نگاہ دوڑایے تو فصلوں پر پانی دینے کے لئے انھیں بجلی کی ضرورت ہے۔ ہندوستان میں کسانوں کو مفت بجلی فراہم کرکے سوا ارب لوگوں کا پیٹ بھرا جا سکتا ہے تو مفت نہ سہی کم از کم ٹیوب ویل چلانے کے لیے تو بجلی فراہم کر دیجیے۔ ہماری حکومتوں کی مجرمانہ غفلت اور نا اہلی ہے، جس کے سبب ہم گذشتہ کئی دہائیوں میں ایک بھی ڈیم نہ بنا سکے اور اس دوران ہ لاکھوں گیلن قیمتی پانی سمندر میں ضائع کر چکے ہیں، لاکھوں ایکڑ اراضی بنجر کر چکے ہیں۔ تربیلا ڈیم کے بعد ہم نے کوئی ڈیم نہ بنایا بس زبانی جمع خرچ کرتے رہے، اگر یہ ڈیم تعمیر کر لیے جاتے تو سرمایہ بھی کم خرچ ہوتا اور توانائی کا بحران بھی نہ ہوتا، اور ہم اربوں روپے کا زرمبادلہ بھی بچا سکتے تھے ڈیموں کے ذریعے جو بجلی حاصل کی جاتی اس سے قدرتی گیس اور تیل کی بچت الگ ہوتی جسے ہم کسی اور کام میں لا سکتے تھے کے علاوہ سیلابوں سے جو جانی اور اربوں روپے کی املاک کا نقصان ہوتا ہے اس سے بھی نجات مل جاتی، اگر اب بھی اس انداز سے سوچا جاتا تو بات تھی کہ خطرہ سر پر پہنچ چکا ہے دوسری طرف کالا باغ ڈیم سیاسی سازشوں کا

شکار ہو چکا ہے پاکستان توانائی کے وسائل سے مالا مال ہے مگر اس کے استعمال کے لیے صیح منصوبہ بندی کی ضروت ہے پاکستان میں قدرتی گیس کے ذخائر موجود ہیں کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کی طرف صیح معنوں میں توجہ نہیں دی گئی حلانکہ ہمارے ہاں دنیاکے اعلیٰ معیار کو ئلہ کے وسیع ذخائر موجود ہیں اگر اس سے استفادہ کیا جائے تو ہم اپنی ضروریات کو کافی حدتک اس سے پورا کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو سورج اور ہوا کی اتنی دولت سے نوازا ہے کہ شائد ہی کسی ملک کے پاس اتنی دولت ہو ہم پورے سال سورج کی روشنی سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں ہماری سات کلومیٹر ساحلی پٹی پر چوبیں گھنٹے تیز ہوائیں چلتی ہیں،اگر ہم اس پٹی پر ہوائی چکی لگائیں تو اس بجلی سے پورا شہر روشن کر سکتے ہیں، مگر یہاں بھی ہماری روائتی سستی اور کاہلی کا دخل ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے مگر محنت کے لیے وقت نہیں، مہذب قومیں مستقبل پر نظر رکھتی ہیں اور جامع منصوبہ بندی کرتی ہیں انھوں نے اپنے بحرانوں سے نبٹنے کے بعد آئندہ کا لائحہ عمل بھی تیار کر لیا ہے وہ توانائی کے متبادل ذرائع پر بھی کام کر رہے ہیں کل جب دنیا میں تیل، گیس کے ذرائع ختم ہو جائیں گے اور ڈیموں کے لیے پانی باقی نہ رہے گا تو اس وقت اس کا متبادل روشنی اور ہوائیں ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی اب وہ اس طرف تجربات میں مگن ہیں۔ ادھر ہم دیر آئید درست آئید کی ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کے عادی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ

گذشتہ حکومت کو کئی بحرانوں کا بیک وقت سامنا ہے مگر جس طرح انرجی سیکٹر پر لا پرواوئی و لوٹ کھسوٹ کی گئی اس کی مثال مشکل ہے خاص کر رینٹل پاور کیس سب کے سامنے ہے نئی منتخب حکومت کے لئے ایک بڑا چیلنج پورے پاکستان کو جلد از جلد بناء لوڈ شیڈنگ بجلی کی فراہمی رہے گا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے بعد حکمت عملی طے کریں اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہم توانائی اور بجلی کے اس ہنگامی بحران پر قابو پا سکیں گے ۔۔۔۔

اور آخر بدلہ پورا ہوا

کیا یہ صرف ایک دیوانے کا خواب ہے ؟ جس کی تعبیر کے لئے کچھ سر پھرے محبت کے مارے دونوں سرحدوں کے درمیاں گزشتہ ۶۵ سالوں سے آتے جاتے رہے ہیں کبھی بس دوستی کے سروس کے تحت ، کبھی مشرف واجپائی دعوتوں کی بنیاد پر اور تو کبھی امن کی آشا کے تحت فنکار وادیب محبتیں باٹنے کی کوششیں کرتے ہیں کیا کبھی اس سے دلوں میں پڑی دراڑایں اور نفرتیں ختم ہو پائیں گی وہ زخم بھر پائیں گے جو نفرت باٹنے والے پیدا کرتے ہیں یا کرتے رہتے ہیں اس وقت میرے سامنے بھارتی جیل میں قید ثنااللہ کی ایک مسکراتی تصویر کے ساتھ اس کی تشدد زدہ میت کی تصویر ہے جو سوال کرتی ہے کیا سربجیت کے بدلے مجھے قتل کرکے یہ دشمنی ختم ہو گئی ۔؟کیا اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ ایک پاکستانی ہے اور ان بااختیار درندوں کے نرغے میں تھا جو کسی طور معاملہ کو سلجھانا ہی نہیں چاہتے اس طرح تو ہندستان کی جیلوں میں قید پانچ سو قیدیوں کی جانیں بھی سخت خطرے میں ہے ۲۶ اپریل کو جب بھارتی جاسوس سربجیت سنگھ کو حملہ کرکے قتل کیا گیا تو ہم سب پاکستانیوں نے اس واقعہ کی شدید مذمت کی اسے ایک غلط اور افسوس ناک فعل گردانا لیکن کیا اس کے بدلے میں جو کچھ بھارتی جموں جیل میں قید ثناء اللہ کے ساتھ کیا گیا اسے بہیمانہ طریقے سے قتل کیا گیا وہ

درست فعل تھا؟ثناء اللہ کو قتل کرنے والے سابق بھارتی فوجی جس پر اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا الزام ہے جیل میں اسے کلہاڑی کہاں سے دستیاب ہوئی۔؟حقوق انسانی کے رہنما انصار برنی کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ بلکل اسی انداز سے دھرایا گیا جس طرح سر بجیت کا واقعہ رونما ہوا تھا سر بجیت کا واقعہ ایک حادثہ تھا اور یہ تو کھلم کھلا عدالتی قتل کے زمرے میں آتا ہے،، ثنااللہ کے انتقال کو چار روز گزر گئے مگر بھارت سرکار اسے زندہ بتاتے رہے اس افسوس ناک واقعہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ایسا کیوں ہے کہ دشمنی کی خلیج کم ہونے کو نہیں آتی ؟کیوں اس طرح کے واقعات کے ذریعے نفرت کو بڑھاوا دیا جاتا ہے ؟کیا بھارتی سرکار کی پالیسی کا حصہ ہے ان کا ووٹ بینک انہی شر پسندوں لوگوں کے ذریعے کامیابی حاصل کرتی ہے پاکستان نے ہمیشہ ایک اچھے ہمسائے کا رول بخوبی ادا کیا ہے مگر بھارت کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکی ڈکشنری میں پڑوسیو ں کے حقوق کا صفحہ سرے سے نہیں ہے وہاں کے اکثریتی عوام ان نفرتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں مگر سفارتی سطح پر ایسا کچھ ہوتا نظر نہیں آتا۔

چند دنوں قبل ہمارے ہاں کچھ مہمان انڈیا سے تشریف لائے پاکستان اور انڈیا کرکٹ میچ کی بات چلی تو وہ فرمانے لگے کہ جب دونوں ملکوں کے درمیاں میچ کھیلا جاتا ہے تو بیشتر مسلم عوام کی دعائیں پاکستانی ٹیم

کے لیے ہو تی ہیں گو یا آج بھی وہاں کے مسلمان پا کستان سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دو نوں ملکوں کے تعلقات بہتر ہوں ویزوں کے مسائل کو دور کیا جا ئے ، باہمی تجارت کو فروغ حاصل ہو مگر چند سیا سی لیڈر ز اپنے ذاتی مفادات کو قومی مفادات کا نام دیکر اپنی سیاست چمکاتے رہے ہیں انھیں اس بات سے کو ئی غرض نہیں کہ دو نوں جانب کے عوام بھوک ، غربت کے ہاتھوں خود کشیاں کر رہے ہیں' وہ ننھے ہا تھ جن میں کتابیں ہو نی چاہیے محنت کر نے کے باعث زخمی ہیں غر بت اور بے روزگا ری کے باعث ایسے ایسے المیے سامنے آ رہے ہیں کہ انسانیت بھی شر مسار ہو جائے ، بھو ک بیماری جہالت نے دو نوں ملکوں کے عوام کو جذبات سے عاری کر دیا ہے حب الوطنی کے نام پر مر نے مار نے پر تل جانے والے اس سے زیا دہ مالی و جانی نقصان اپنے ملکوں میں اپنے ہاتھوں کر رہے ہیں ۔

دو نوں ملکوں میں آ اپس کی دو ستانہ مراسم اور امن کی جب بات کی جاتی ہے تو بھارتی شر پسند عنا صر اسے کا میاب نہیں ہو نے دیتے ،اس بات سے قطعی بے پر وا ہو کر کہ دو نوں ممالک جو ایٹمی طاقت کہلاتے ہیں شر پسند عنا صر کی شہ پر اس آگ میں کو د پڑے ، تو دو نوں طرف باقی کیا بچے گا دو نوں مما لک اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاع پر خرچ کرتے رہے ہیں صرف سیاچن کی جنگ میں اب تک پا کستان اور بھارت تقریبا ارب ڈالر جھونک چکے ہیں یہ ۱۰

دنیا کی بلند ترین اور سخت ترین سرد علاقہ کہلاتا ہے سیاچن میں ہمارے پاکستانی ۱۳۴۴ جوان اور بھارت کے ۱۰۲۵ جوان جاں بحق ہو چکے ہیں دونوں ممالک اس پر سالانہ ۲۰ سے ۳۰ کڑوڑ ڈالر خرچ کرتے ہیں اگر دونوں جانب امن کو یقینی بنایا لیا جائے تو یہ رقم عوام کے فلاح و بہبود پر خرچ کی جا سکتی ہے آج پوری دنیا میں یہ کھلی حقیقت ہے کہ جنگ سے کبھی کسی کا بھلا نہیں ہوا۔ کشمیریوں کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لیے وادی کشمیر میں فوج کشی میں مصرف ہے پورے کشمیر میں ذرائع ابلاغ مکمل بند ہے۔ دونوں ملکوں میں آج تک پانی کی تقسیم اور آزادی کشمیر جیسے اہم مسلوں پر کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا، ماسوائے مذاکرات کے، اس قسم کے درجنوں مذاکرات ان ۶۵ برسوں میں کیے گئے مگر لا حاصل! محض ایک ڈھونگ ایک ناٹک کے سوا کچھ نہیں۔

بھارت میں دہشت گردی کے حوالے سے کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو اس کا الزام سب سے پہلے پاکستان پر لگایا جائے گا اور وہاں کی میڈیا اسے چینخ چینخ کر انڈیا کا نائن الیون گردانے کی کوشش کرتی ہے سربجیت کے قتل پر بھارتی میڈیا و سفارت کاروں نے اپنی مظلومیت کو رونا رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا اب ثناء اللہ کی موت پر کیوں خاموش طاری ہے؟ ہمارا اپنے معاملات کا بھارت سے حل کرنے کی امید رکھنا ایسا ہی ہے کہ بقول میر تقی میر۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جن کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں۔

لیاری کا آج اور کل

شہر کراچی کا نقشہ اگر ہم دیکھیں تو ہر پوش علاقے کے ساتھ ایک گندی ، قبضہ مافیا کی زیر سایہ بستی ضرور نظر آتی ہے جہاں لاچار ، مفلوک حال انسان زندگی کی گاڑی کھینچنے کے لئے ہر قسم کے کام کرنے کو تیار ہوتے ہیں ان میں کچھ ان پوش علاقوں بیں گھر والوں کے کاموں کی ذمہ بھی اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں ایک طرف اس قدر آرام و آسائش کی زندگی تو دوسری جانب اتنی غربت و جہالت یہ کیسا انصاف ہے یہ کیسی تقسیم ہے جو نسل در نسل چلتی چلی آرہی ہے ایک جانب اتنا امن و سکون اس قدر پہرے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تو دوسری جانب پورا علاقہ میدان جنگ بنا ہوا ہے ہم دور کیوں جائیں لیاری سے تھوڑے فاصلے پر ڈیفنس کا علاقہ ، ہوٹلز و سفارت خانے موجود ہیں وہاں بدامنی کا ایک پتہ نہیں ہل سکتا دوسری طرف لیاری اور اس سے ملحقہ اولڈ سٹی ایریاز یہ ہے کہ جہاں بندامنی دہشت گردی اپنے عروج پر ہے بم ز، کریکر ز، سے دو بدو لڑائی جاری ہے گویا دشمن کی دو فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہیں قانون نافذ کرنے والے لیاری میں داخل ہونے سے گریزاں ہیں لوگوں کی زندگیاں محفوظ نہیں مکین نقل مکانی پر مجبور ہیں اخبار و میڈیا کو رنج دکھا دکھا کر تھک گئے مگر قانون کے محافظ امن قائم کرنے میں کامیاب

نہیں ہوسکے یہ ایک دن کی بات نہیں کئی سالوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے قبضے کی اس جنگ میں سب سے زیادہ نقصان انہی غریب مکینوں کو ہوتا ہے جو نہ اپنے روزگار کے لئے باہر نکل سکتے ہیں اور دیگر ضروریات زندگی کے تو کیا کہنے ،حکومت ہے جس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ۔

اگر ہم چار دھائی قبل ماضی میں جائیں تو لیاری والے اس قدر بے بس ولاچار نہ تھے ایک ترقی پذیر معاشرے کی بنیادیں استوار ہو رہی تھیں سیاسی لحاظ سے لیاری کو اگر پاکستان پیپلز پارٹی کا گڑھ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا لیاری کو بھٹو دور حکومت میں ایک خاص اہمیت حاصل تھی وہاں پر ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تھا خاص کر این جی اوز کے توسط سے لڑکیوں کے لئے انڈسٹریل ہومز کا قیام عمل میں آیا تھا اسی لئے اس دوران یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والوں ہیں اچھے اساتذہ ،وکیل ،بینکرز ، اور اچھے کھلاڑی سامنے آئے جنھوں نے سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اپنا نام پیدا کیا ،لیاری میں کبھی ٹیلنٹ کی کمی نہیں تھی ایسے بھی کھلاڑی سامنے آئے جو بناء کسی حکومتی سرپرستی کے اپنی مدد آپ کے تحت ملک کا نام روشن کرنے میں کامیاب ہوئے ان میں باکسنگ کے شعبے میں مہراللہ ، حسین شاہ ، عظیم بلوچ جیسے نامور کھلاڑی اور فٹ بال کے کھلاڑیوں میں کیپٹن محمد عامر ، استاد اقبال بلوچ استاد اکبر اور فالینا،

ریفری جیسے مایہ ناز کھلاڑی شامل تھے لیاری کے لوگوں کا سیاسی شعور دیگر علاقوں کے مقابلے میں زیادہ رہا۔ نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما میر غوث بخش بزنجو نے ساٹھ کی دہائی میں اسمبلی انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدوار میر حبیب اللہ پراچہ کو اسی حلقے سے شکست دی تھی، کئی سیاسی لیڈر انور بھائی جان ، خواجہ کریم داداور رحیم بلوچ اسی علاقے کی دین ہیں جنھوں نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز لیاری سے کیا، قائداعظم کے دست راس اور تحریک آزادی کے مشہور لیڈر محمود ہارون لیاری کے حلقے سے پارلیمنٹ کے رکن بنے تھے ایک اور شخصیت جس کا نام یہاں لینا ضروری ہے ملک کے سابق مایہ ناز چیف جسٹس سجاد حسین شاہ بھی لیاری سے تعلق رکھتے تھے۔

بھٹو دور حکومت میں لیاری میں کچھ ترقیاتی کام ہوئے مکانات کی لیزنگ ، پانی کی فراہمی ، بلوچستان ہائی وے کی تعمیر آر سی ڈی کے تحت شروع کروائی گئی لیاری میں تجارتی سرگرمیاں تیز ہونا شروع ہوئیں تھیں لیکن بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد لیاری مسائل کا گڑھ بنتا چلا گیا بھٹو کا لیاری کو پیرس بنانے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا لیاری کے نوجوانوں نے ضیاالحق مارشل لاء کے خلاف بھرپور مزاحمت کی اس قدر سخت پابندیوں کے باوجود احتجاج بھی کیے قید وبند کی صعوبتیں اٹھائیں کوڑے بھی کھائے کئی نواجون شہید ہوئے جو رہ گئے ان کی کئی نسلوں کو بے روزگاری ، منشیات اور

اسلحے کا تحفہ ملا نتیجہ وہاں کے لوگ حساس محرومی اور مایوسی کا شکار ہوتے چلے گئے غربت ،بے روزگاری، تعلیم کے مواقع نہ ہونے کے سبب نوجوانوں میں بے راہ روی بے چینی ہے جہاں کھانے کہ نہیں بے روزگاری ہے بھوک ہے وہاں اس قدر اسقدر ا، سلحہ لیاری سمیت کراچی میں موجود ہے یوں محسوس ہوتا ہے ہم اپنے ہی لوگوں سے گو ریلا جنگ میں مصروف ہیں لیاری کے عوام اس جنگ سے تنگ آ چکے ہیں وہ سکون و امن چاہتے ہیں،انھیں زندگی گزارنے کے لئے وسائل کی ضرورت ہوتی ہے ووٹوں کے بل پر وہاں سے منتخب ہونے والے نمائندوں نے ماسوائے اس کے کہ اسمبلیوں میں بیٹھ کر اقتدار کے مزے لوٹنے کے کچھ نہ کیا اب یہ ان کی اخلاقی و قانونی ذمہ داری ہے کہ وہ لیاری کے حال پر رحم کریں امن وامان کی بحالی کے لئے فوری اقدامات

کریں رحمان بلوچ قتل کے سانحے سے لے کر ثاقب باکسر تک جو دہشت گردی کے واقعات ہوئے ان کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے ریاستی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملزموں کو قانون کے مطابق سزائیں دیں۔ذاتی مفاد وانا کو بالائے طاق رکھ کر لیاری میں امن کا قیام لانا ہوگا کہ لیاری میں سکون وترقی کے بغیر کراچی میں امن قائم نہیں ہو سکتا ایک ہی شہر میں دو متضاد قانون آخر کب تک چل سکے گا۔

غزوہِ بدر۔ہم سب کیلئے پیغام

بقول مولانا آزاد کہ " دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے فانی ہے مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیات الٰهیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں " پھر ایسے خون شہادت کا کیا مرتبہ کہ جس میں لڑنے والوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو اپنا مرکز عمل سمجھا۔دنیا کی تاریخ میں لڑائیوں اور جنگوں سے بھری پڑی ہے لیکن وہ جنگ جس کا مدعا نہ جہاں گیری ہو نہ اقتدار کا شوق نہ مال غنیمت جمع کرنے کا لالچ ، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو یہ بڑے دل گردہ چاہتی ہے آپ تمام غزوات اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو ان میں دو ہی چیزیں قدر مشترک نظر آئیں گی اول جہاد فی سبیل للہ دوئم اپنی مدافعت اور حق و انصاف کا حصول۔اسلام کی پہلی جنگ بدر بھی مسلمانوں نے اپنی مدافعت میں مشرکین مکہ سے لڑی تھی ۔ 17 رمضان المبارک سن 2 ھجری جمعہ کے دن کفار مکہ اور اہل ایمان کے درمیان بدر کے مقام پر معرکہ ہوا یہ ایک گاؤں کا نام تھا جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا یہ مقام شام سے مدینہ جانے کے دشوار راستے سے ہو کر گذرتا ہے مکہ کے تجارتی قافلے یہاں سے ہو کر گزرا کرتے تھے قریش کے تجارتی قافلہ سے حضرت عبداللہؓ کی جھڑپ ہو گئ جس میں قریش کے ایک رئیس اعظم کا بیٹا قتل ہوا اور دو گرفتار ہوئے اس واقعہ نے

قریش کو مشتعل کر دیا نیز انھیں اطلاع ملی کہ ان کے تجارتی قافلے پر مسلمان حملہ کر نے والے ہیں۔ ادھر جب آنحضرت ﷺ کو ان سب باتوں کا پتہ چلا تو انھیں بہت افسوس ہوا انھوں اس کا خون بہا ادا کر دیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا مگر قریش جو کہ مسلما نوں کی ہجرت اور انکی بڑھتی ہوئی تعداد سے سخت خائف تھے اور موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح ان کو شدید نقصان پہنچایا جاسکے وہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے کیسے جانے دیتے کفار قریش کو بدر کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ تجارتی قافلہ بحفاظت مکہ پہنچ چکا ہے تو کئی سرداروں نے مشورہ دیا کہ اب لڑنا ضروری نہیں لیکن ابو جہل نہ مانا اور فوج آگے بڑھی قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے انھوں نے منا سب جگہوں پر قبضہ کر لیا بخلاف مسلمانوں کی طرف کوئی چشمہ اور کنواں نہ تھا زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ان میں دھنس دھنس جاتے تھے تائید ایزدی سے بارش ہوئی جس سے گرد جم گئی مسلمانوں نے جا بجا پانی روک کر چھوٹے چھوٹے تالا ب بنا لیے تاکہ وضو اور غسل کے کام آسکے اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد مشرکین کے مقابلے میں انتہائی قلیل تھی مشرکین مکہ کی تعداد جو کہ 1000 ہزار تھی 300 گھو ڑے اور 700 اونٹ تھے، جب کہ مسلمانوں کی تعداد 300، 70 اونٹ اور صرف تین گھوڑوں پر مشتمل تھی مگر ان صحابہ کرام کے دل جذبہ ایمانی کی طاقت سے مالامال تھے انھیں اپنے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پر پورا بھروسہ تھا۔

لشکر اسلام کا یہ قافلہ 16 رمضان المبارک کو بدر کے مقام پر پہنچا حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ زمین پر ایک خاص جگہ ہاتھ رکھتے اور فرماتے کہ فلا ں کافر کے مرنے کی جگہ ہے حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں دوسرے روز جنگ ختم ہوئی تو ہم نے ان نشانات کی جگہ کو دیکھا ہر کافر اسی جگہ مرا پڑا تھا جس جگہ آپؐ نے نشانات لگائے تھے اس جنگ میں حضور ﷺ کے لیے جنگی ہیڈ کوارٹر کے طور پر ایک جھونپڑی بنائی گئی تمام صحابہ کرامؓ نے رات بھر آرام کیا صرف ایک ذات تھی جو رات بھر نماز اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کرتی رہی آپ ﷺ نے نہا یت رقت آمیز لہجے میں دعا فرمائی " یا اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر ! اے اللہ اگر آج اہل اسلام کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبا دت نہیں ہوگی " آپ ﷺ کی رقت آمیزی دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا" اے نبی ﷺ اللہ سے آپ کی یہ دعا ہی کافی ہے آپ ﷺ کا رب آپ کی دعا اور وعدہ کبھی رد نہیں کرے گا"۔ دوسرے دن جنگ شروع ہوئی اس جنگ میں زیادہ تر صحابہ کرام اور کفار قریش آپس میں قریبی رشتہ دار تھے مسلمان ہونے کے بعد ان کے لیے یہ خونی رشتے اللہ کی محبت میں بے معنی ہو گئے وہ اپنے بیٹوں بھائیوں اور باپ کے خلاف صف آرا ہوئے صرف ایک رشتہ باقی رہا جو اللہ کی ذات سے تھا اس جنگ میں کافروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا' ابو جہل اور عتبہ

جیسے بڑے سرداروں کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی مسلمانوں نے انکو گرفتار کرنا شروع کر دیا قریش کے بڑے معتبر لوگ گرفتار ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کوئی جا کر خبر لائے کہ ابو جہل کا کیا حال ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابو جہل کی گردن کاٹ کر آپ ﷺ کے قدموں رکھ دی اس جنگ میں مسلمانوں کے 14 صحابہ کرامؓ نے شہادت پائی جب کہ قریش کے بڑے سرداروں سمیت ۷۰ لوگ مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے ۔اس جنگ کے بعد قریش کا نشہ ہرن ہوگیا بدر کی فتح سے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ گیا اب وہ محض دین اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ ایک سیاسی طاقت کی حثیت بھی اختیار کر چکے تھے انھوں نے ظالمانہ قوت کو مٹا کر عدل ونصاف کی سلطنت قائم کرنے کی بنیاد رکھ دی ۔اس جنگ سے مسلمانوں کے لیے کئی پہلو سے سبق اور نئی راہیں موجود ہیں ایک طرف آپ ﷺ نے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا تو دوسری طرف آپ ﷺ نے فدیہ دے کر انھیں چھوڑنے کا حکم بھی دیا جو نادار تھے اور پڑھے لکھے تھے ان کو فدیہ کے طور پر دس دس بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری دی اس سے اندازہ ہوتا ہے آپ ﷺ تعلیم کو کتنی اہمیت دیتے تھے اس معرکہ میں دو صحابہ کرامؓ جنگ کیلیے آرہے تھے تو قریش نے ان کو اس وعدہ پر جانے دیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گیں انھوں نے یہ بات آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ نے افرادی قوت کی کمی ہونے کے باوجود انھیں جنگ میں حصہ لینے سے روک دیا اس سے آپ ﷺ کے وعدہ اور اپنی بات پر

قائم رہنے کی اہمیت کا ندازہ ہوتا ہے۔آج اگر ہم تھوڑی دیر کو یہ سوچیں کہ اس زمانے میں 17 رمضان کو مسلمان کس قدر مشکلات کا شکار تھے نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پہنے کو ڈھنگ کا کپڑا نہ رہنے کو مکان ، نہ زندگی گزارنے کے لیے تحفظ کا کوئی سائبان تھا ہر طرف دشمن ان کی طاق میں تھے کی کس طرح ان کو نیست ونابود کر دیا جائے ان حالات میں انھوں نے محض اپنے جذبہ ایمانی کی بنیاد پر اتنی بڑی فوج سے یہ جنگ لڑی اور فتح حاصل کی آخر ہم بھی تو اسی دین کے پیروکار ہیں اسی اللہ کو ماننے والے ہیں پھر کیوں ہم اس قدر بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اتنے بے بس اور ذلیل و خوار ہیں ہم کیوں آپس میں مسلمان ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو ئے ہیں آج اپنے ہی مسلمان بھائی کو گلا کاٹنے پر فخر محسوس کرتے ہیں کیوں ہم لسانی بنیا دوں پر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں اس سے نقصان تو ہمارے اور ہماری نئ نسلوں کا ہے جو عدم تحفظ کا شکار ہو کر رہ گئی ہے جو نہ اسکول وکالج جا سکتی ہے نہ روزگار کے مواقع تلاش کر سکتی ہے ہم سب کو رہنا اسی ملک میں ہے تو کیوں ان لوگوں کی حما یت میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کو قربان کر رہے ہیں جن کے اثاثے بیرون ملک ہیں جو کسی بھی مشکل وقت میں ملک چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے بھگتنے کے لیے غریب عوام رہ جائیں گے اس بارے میں ہم سب کو سوچنے کی ضرورت ہے اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ یہ محض ایک تاریخی واقعہ ہی نہیں کہ جس میں مسلمانوں نے اپنے خو ن بہا کر فتح حاصل

کی بلکہ ہم سب کے لیے ایک پیغام بھی ہے۔

۱۴ اگست ! ہماری آزادی کا دن

آج 14 اگست ہے تمام پاکستان میں ایک ہی رنگ و ڈیزائن کا پرچم لہرا رہا ہے سبز ہلالی پرچم ! شائد آج تمام سیاسی جماعتوں کے دفاتر اور گاڑیوں پر بھی اسی پرچم کو فوقیت دی گئی ہے بھئی آج چودہ اگست جو ہے ہماری آزادی کا دن !انگریزوں کی غلامی سے نجات کا دن ،اگر ہم تھوڑی دیر کو تقسیم سے پہلے کے برصغیر کو دیکھیں کیوں بنایا تھا؟ایک الگ وطن کیا دنیا کے جغرافیے پر اس کی ضرورت تھی ؟ توجواب ہر صورت ہاں میں ہی ملتا ہے۔1857ء کے غدر کے بعد تو مسلمانوں پر برصغیر میں عرصہ حیات بہت تنگ ہو گئی تھی مسلمان ہندوں اور انگریزوں کے درمیان پس کر رہ گئے تھے مسلمان روزگار سے لے کر تعلیم تک ہر میدان میں ہندوں سے بہت پیچھے تھے سرسید احمد خان جیسے قائدین کی تعمیر کردہ مسلم علیگڑھ یونیورسٹی کے زیر سایہ مسلمانوں نے شعور کی دنیا میں قدم رکھا یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان ہندوں کی شاطرنہ چالوں کو سمجھنے لگے تھے ہندو پورے ہندستان پر قبضے کے خواب دیکھ رہی تھی لیکن قدرت نے علامہ اقبال کے خواب کو پورا کرنے کا اعزاز بخشا وہ خواب جس میں ایک علیحدہ وطن کا قیام تھا جہاں مسلمانوں کو آزادی سے اپنی عبادتیں ، تعلیم ، لباس، سماجی رسومات کی ادائیگی کا اختیار

حاصل تھا1945.46ء کا زمانہ ہے ۔ مسلمانوں کو ایک علیحدہ وطن کا قیام صاف نظر آ رہا ہے سب مسلم لیگی اس طلسم کے اسیر ہوئے ہیں جاگیردارانہ نظام کی لعنت ، کسانوں اور نادار لوگوں پر جابرانہ تسلط ، معاشرے کی ذات ۔برادری ، قبیلے اور ذیلی قبیلوں کے درمیان تقسیم در تقسیم ، ملکوں اور سرداروں کی بالادستی ان باتوں کا کوئی تذکرہ نہ تھا کوئی سنجیدہ بحث یا رسمی بات چیت کسی کے مابین نہ تھی صرف دنیا کا ایک ہی بڑا مسئلہ نظر آتا تھا ایک ہندو دوسرا گورا حکمراں ! سب مطمئن تھے کہ یہ مسئلہ حل ہو گیا تو باقی سارے مسائل بھی قائداعظم اور ان کے رفقائے کار منٹوں میں حل کر لیں گے ۔ ہر مسلمان خواہ پرچون کی دکان ہو پان فروش یا چائے خانہ ہو ایسی تمام جگہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ایک تصویر ان سب کے ہاں نمایاں نظر آتی تھی سر پر تاج پہنے، سفید گھوڑے پر سوار ، ایک ہاتھ میں تلوار لئے اور گلے میں قرآن کریم کا نسخہ لگائے یہ جناح کی تصویر تھی ۔بر صغیر کے مسلمان انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے ان کی عزت و احترام کے آداب والقاب لگ تھے کوئی غلطی سے بھی ان کے نام کے ساتھ القاب و آداب استعمال نہ کرتا تو سخت تنبیہ کا مستحق ٹھہرتا جناح نے بھی اپنے لوگوں کو مایوس نہیں ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا اپنی قوم کو آزادی دلانا وہ اسی کے لئے جدو جہد کرتے رہے ہندوں اور انگریزوں کے سامنے اپنے مطالبات کو منوا لینا ایک الگ ملک کا مطالبہ کوئی معمولی بات نہ تھی یہ بلکل ایسا ہی ہے کہ آپ گر کسی خاندانی

جائیداد کا جائز بٹوارہ میں حق لینے کی بات کریں تو ذرا سی دیر میں تمام خونی رشتے غیر اخلاقی درشتگی اور خود غرضیوں، مطلب براری کے ساتھ سامنے آئیں گے کہ آپ کا جی چاہے گا کہ کاش ساری زندگی جنگل میں گزر جائے کسی کی صورت نہ دیکھنی پڑے اور پھر یہ تو پورے ملک کے تقسیم کی بابت تھی پھر ہندو جو اپنے آپ کو بر صغیر کا والی وارث سمجھتے تھے کیسے اپنی شاطرانہ چالیں نہ چلتے تمام ہمسائیگی کے اصول، گرم جوشی اور میل ملاپ رخصت ہو گئی کشیدگی نے مزید دشمنی کا روپ دھار لیا فسادات پھوٹ پڑے ایک جائز علیحدہ وطن کے مطالبے پر مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم ڈھائے گئے ایک طرف مسلمان قوم پہلے ہی سماجی، اقتصادی اور تعلیمی طور پر پسماندہ تھی مستقل محرومی نے ان کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ایک الگ ملک کا مطالبہ کوئی معمولی بات نہ تھی یہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے کی جلدی تھی انھیں اس بات کی قطعی پروانہ تھی کہ تقسیم منصفانہ ہو گی یا نہیں۔لارڈ وائسرائے نے ہندوستان کی تقسیم میں کئی مسلم علاقے ہندوں کو عنایت کر دیئے پاکستان معرض وجود میں آگیا لیکن جو قیمت انسانی مصائب، کشت و خون اور فرقہ ورانہ م فسادات کے نتیجے میں تبادلہ آبادی کی بناء پر ادا کرنی پڑی وہ بے حد و بے حساب تھی لاکھوں افراد بے دردی سے قتل کئے گئے لاکھوں کو اپنا گھر بار مال ومتاع چھوڑنا پڑا ہزاروں عورتیں اغوا کر لی گئی اور ان کی بے حرمتی کی گئی، آزادی کے کچھ مہینے کے اندر ہی چند سیاست داں جن میں دور اندیشی نہ

تھی اپنی من مانی کرنے لگے پاکستان جو دو قومی نظریے کی بنیاد پر قائم ہوا تھا جس کی رو سے تمام ہندوستان مسلمان ایک قوم کے باشندے تھے اور پاکستان سارے مسلمانوں کا وطن تھا سیاسی رہنماوں نے اسے منسوخ کر دیا پنجابی ، پختون ، بلوچی ، سندھی اور مہاجر الگ الگ قوم بن گئی اور بنگالیوں کو سرے سے اکوئی قوم نہ سمجھ کر سائڈ پر کر دیا گیا 1971 ء کی جنگ میں ہمارا پاکستان دو حصے میں تقسیم کر دیا گیا ادھر ہم ادھر تم مجھے جب بھی 71 ء کا واقعہ یاد آتا ہے تو اس چینی برتن کی یاد ضرور آتی جسے ایک، چینی خاندان بہت سنبھال کر احتیاط سے نسل در نسل اپنے خاندان کو منتقل کرتا رہتا ہے وہ اس چینی برتن کو اپنے خاندان کے لئے قیمتی اثاثہ سمجھتے ہیں مگر پھر ایک لاابالی نو جوان اسے توڑ کر حفاظت کے تردد کو ختم کر دیتا ہے اور فخریہ بزرگ سے کہتا ہے کہ اب اس کی حفاظت کا جو کھم ختم ہوا سکون ہو گیا جواب میں بوڑھے بزرگ کہتے ہے بلکل ٹھیک کہا حفاظت کا تردد ختم ہوا پشیمانی کا دور شروع ہوا۔اسی طرح ہم بھی اپنا ایک بازو گنوا کر اور نجانے کتنے غلط فیصلوں پر پشیمانی سے گزر رہے ہیں مگر ایک بات مسلم ہے کہ ہم پاکستانی قوم کبھی مایوس نہیں ہوتے لاکھ پشیمان سہی لیکن آنے والی صبح سے پر امیدی ختم نہیں ہوئی ہر سال 14 اگست کو اسی پر امیدی کے سائے ہم اپنا پرچم لہراتے رہیں گے اپنا جشن آزادی مناتے رہیں گے۔

دنیا کی سب سے بڑی اور قیمتی کتاب بھی ضرور پڑھئے

جس طرح ہم اپنے اسکول کی کتابیں پڑھتے ہیں اسی طرح ہم سب کو لازمی دن میں ایک بار کسی بھی وقت قرآن پاک کی تلاوت بھی ضرور کرنی چاہیئے خواہ چار لائنیں ہی پڑھیں سب سے بہترین وقت تو صبح کا ہے جب ہم اسکول کی تیاری کرتے ہیں اوراس سے صرف تھوڑی دیر پہلے اگراس بات کا معمول بنالیں اور دس منٹ جلدی اٹھ جائیں تو دنیا کی اس بیش قیمت اور سب سے بہترین کتاب کو پڑھنے کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی برکت سے ہمارا سارا دن بھی اچھا گزرے گا بہت سے لوگ کہتے ہیں محض قرآن کی تلاوت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو سمجھنا بھی لازمی ہے تو یہ بات بھی بلکل درست ہے لیکن !اگر ہم اسے تلاوت بھی کریں تو اس کے بے حد اجر و فوائد حاصل ہوں گے اسی بات سے مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ بہت دور پہاڑوں کے دامن میں ایک بوڑھے دادا جی اپنے نوجوان پوتے کے ہمراہ رہا کرتے تھے دادا جی کی عادت تھی کہ وہ روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے ان کی خوبصورت آواز میں قرآن کی تلاوت ایک پر نور فضا بنادیتی تھی دادا کو دیکھ کر پوتے کے دل میں بھی خواہش ہوئی کہ وہ بھی اسی طرح تلاوت کیا کرئے ایک دن اس نے دادا جی سے کہا" دادا جی میرا جی بھی چاہتا ہے کہ

میں قرآن کی تلاوت کروں مگر جب میں تلاوت کرتا ہوں تو مجھے اس کی کوئی بات سمجھ نہیں آتی پھر بنا سمجھے اسے پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا،، دادا نے پوتے کی بات کا جواب نہیں دیا اور پاس رکھی ٹوکری میں سے کوئلے نکال کر انگیٹھی میں ڈال دئے اور ٹوکری خالی کرکے پوتے کو دیتے ہوئے کہا جاؤ'' نیچے پہاڑ سے نیچے ندی ہے اس سے پانی ٹوکری میں بھر کر لے آؤ،، پوتے نے ٹوکری اٹھائی اور پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔ لیکن یہ کیا پہاڑ پر پہنچنے تک ساری ٹوکری پانی سے خالی ہو گئی سارا پانی بہ گیا تھا۔ دادا جی یہ دیکھ کر مسکرائے اور کہا دوبارہ جاؤ اس بار ذرا جلدی جلدی آنا، پوتے نے دوبارہ کوشش کی اور بارہ تیز تیز دوڑتا ہوا واپس آیا لیکن پھر بھی سارا پانی بہ گیا اب پوتے نے دادا جی سے کہا دادا جی ٹوکری میں پانی لانا ناممکن ہے اس لئے میں بالٹی میں پانی لادوں مگر دادا جی مصر رہے کہ پانی ٹوکری میں ہی لانا ہے، اس بار پھر پوتے نے کوشش کی اور نہایت تیزی سے پانی بھر کر واپس ہوا مگر دونوں مرتبہ کی طرح پھر سے سارا پانی بہ گیا ساری کوششیں بے کار گئیں پوتے نے مایوسی سے کہا یہ ناممکن کام ہے، دادا جی نے مسکرا کر کہا بیٹا ذرا ٹوکری کو غور سے دیکھو لڑکے نے ٹوکری پر طائرانہ نظر ڈالی اور اسے محسوس ہوا ٹوکری اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی بلکہ پرانی اور گندی ٹوکری سے صاف ستھری ٹوکری بن گئی تھی۔ دادا جی نے کہا' 'بیٹا جب ہم قرآن پڑھتے ہیں خواہ ہم اس کا کوئی لفظ بھی نہ سمجھ پا

رہے ہوں پھر بھی اسکی تلاوت ہمیں اس ٹوکری کی طرح پاک صاف اور پرسکون کر دیتی ہے اس کا پرنور عکس ہمارے زندگیوں پر بھی ضرور اثر انداز ہوتا ہے ۔۔ یہ بات بھی قابل افسوس ہے کہ ہم سب کے پاس اسے پڑھنے کا ٹائم ہی نہیں ہم دنیا کی درجنوں موضوعات پر کتابیں پڑھ ڈالتے ہیں انھیں یاد کرکے امتحان بھی دے لیتے ہیں مگر جو اصل کتاب ہدایت ہے اس کا ترجمہ کھول کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کرتے اور تلاوت نہ کرنے کی بڑی پر مغز دلیل چن کر اس سے بھی کنارہ کش ہونے کی کوشش کرتے ہیں کیا قرآن محض حلف برداری کی رسم ادا کرنے ور طاق میں سجانے کے لیے رہ گئے ہیں اس بارے میں تھوڑا وقت نکال کر ضرور سوچنا چاہیے ۔

داستاں۔۔۔اس دیس کا جو تقسیم ہوا

بر صغیر بٹوارے کے بعد جہاں سرحدیں تقسیم ہوئیں وہاں مسلمانوں کی بڑی اسلامی جماعت بھی تقسیم کی زد میں آئی اس جماعت کے کچھ اراکین ہندوستان میں ، تھوڑے پاکستان میں اور چند بنگلہ دیش میں بٹ گئے بنگلہ دیش جماعت اسلامی کے ممبران سن اکہتر میں کسی طور نہ چاہتے تھے کہ پاکستان دوبارہ تقسیم ہو جس کے لئے انھوں نے یقینا کوششیں بھی کی ہوں گئیں لیکن جہاں بہت سارے عوامل اس علیحدگی میں کار فرما رہے وہاں جماعت اسلامی کی کوششیں بھی رائیگاں گئی آج جب اس واقعہ کو گزرے چار دھائی سے زیادہ ہو گئے اور بات محض لکیر پیٹنے کی حد تک رہ گئی تو بنگلہ دیش کی حکومت کا چن چن کر جماعت اسلامی کے اراکین کو سزائیں دینا کہاں کا انصاف ہے شائد ابھی تک دلوں سے نفرت کے بادل چھٹے نہیں، دور بیں شاعر فیض احمد فیض بہت پہلے کہ گئے ہم ٹھہرے اجنبی کتنی مداراتوں کے بعد۔۔۔۔۔۔۔ ڈھاکہ حکومت کا بغض اب تک ختم نہیں ہوا امیر جماعت اسلامی کو سزائے موت دینا وہ بھی ایسے موقع پر جب سقوط ڈھاکہ کا مہینہ ہو قابل مذمت ہے ہم پاکستانی کس طرح بھول سکتے ان واقعات کو جن کے چشم دید گواہوں نے کتابیں لکھ لکھ کر آنے والی نسلوں کے لئے چشم عبرت کی تاریخ رقم کر دی ہو۔

دسمبر کے سیاہ دن میجر جنرل ناگرایک گولی فائر کئے بغیر ڈھاکہ میں داخل ہو گیا 16
اس کے ساتھ مٹھی بھر بھارتی فوج اور ڈھیر ساری فاتحانہ نخوت تھی عملا یہ ڈھاکہ کا
اختتام تھا اگرچہ اس کو دفن کرنے کی رسم ابھی باقی تھی ڈھاکہ یوں چپ چاپ سو
گیا جیسے اچانک حرکت قلب بند ہو گئی ہو وہاں نہ کوئی ہاؤ ہو ہوئی نہ کوئی مار کٹائی ہو
ئی ، سنگاپور ، پیرس ،برلن کے سقوط کی کوئی کہانی نہ دھرائی گئی دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹرن
کمانڈ کے ہیڈ کواٹر کو سمیٹ لیا گیا دیواروں سے جنگی نقشے اتار لیے گئے ٹیلی فون کی روح
قبض کر لی گئی بھارتی ماتحتوں کے لیے پرانے ہیڈ کواٹر کو جھاڑا پونچھا گیا۔ میجر جنرل
جیک اپنے ساتھ ایک دستاویز لائے جسے '' سقوط ڈھاکہ کی دستاویز ،، کہا جاتا ہے جسے
پاکستانی جنرل امیر عبد اللہ نیازی جنگ بندی کا مسودہ کہنا پسند کرتے تھے تھوڑی دیر میں
بھارتی کمانڈر جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے استقبال کے لیے جنرل نیازی ڈھاکہ ائیر پو
رٹ گئے بھارتی کمانڈر جنرل اپنی فتح کی خوشی میں اپنی شریمتی کو بھی ساتھ لایا تھا جو
ں ہی یہ میاں بیوی ہیلی کاپٹر سے اترے، لاکھوں بنگالی مردوں اور عورتوں نے اس نجا
ت دہندہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا پھولوں کے ہار پہنائے شکریہ کے جذبات سے خوش آمدید
کہا جنرل نیازی نے سلوٹ کیا یہ نہایت ہی دلدوز منظر تھا فاتح اور مفتوح ۔ وہاں سے
دونوں جنرل رمنا ریس کورس گراونڈ آئے جہاں سر عام جنرل نیازی سے ہتیار ڈالنے
کی تقریب

کا نظارہ کرنے کے لیے لاکھوں بنگالی موجود تھے چھوٹی سی میز پر بیٹھ کر جنرل نیازی نے سقوط مشرقی پاکستان پر آخری مہر ثبت کی۔ اس اقتباس کے خالق بریگیڈیر صدیق سالک اس تمام سانحہ کے چشم دید گواہ ہیں ہماری نئی نسل اور ہمارے قائدین کے لیے ان کی کتاب ''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' چشم عبرت سے کم نہیں اس تاریخ کے حقائق کو جاننا ان غلطیوں کی روشنی میں اپنی اصلاح کرنا 16 دسمبر کی اصل بنیاد ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی ایک گھمبیر اور وسیع موزوں ہے جس کے کئی تاریخی، سیاسی اور معاشی پہلو ہیں مگر بھارت کی جارحیت اور سازش نے اہم کردار ادا کیا شروع دن سے بھارتی سیاست دانوں اور حکمرانوں نے پاکستان کو دل سے قبول نہیں وہ مشرقی پاکستان میں دبی چنگاری کو شعلے میں تبدیل کرنے کی تگ ودو میں لگے رہے ایک طرف تو وہ بنگالیوں میں قوم پرستی کے جذبہ کو ابھار رہے تھے تو دوسری طرف انھوں نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان حائل جغرافیائی فاصلے کو اپنی مفاد میں استعمال کرنے کو ششیں بھی جاری رکھیں بظاہر 30 جنوری 1970ء کو دو کشمیری نوجوان ہندوستان کا فوکر طیارہ اغوا کر کے لاہور لائے بعد کی عدالتی تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ ہندوستان کی سازش تھی اس نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر ہندوستان کے اوپر سے گزرنے والی پی آئی اے کی پروازیں بند کر دیں اسکا نتیجہ یہ

نکلا دونوں صوبوں میں جو فاصلہ دو گھنٹے میں طے ہوتا تھا اب (براستہ سری لنکا) چھ گھنٹے لگتے تھے اغوا کی یہ اسکیم ہندوستان نے بہت پہلے تیار کی تھی مگر اس پر عمل درآمد بھٹو مجیب مذاکرات کی ناکام ہونے پر کیا اس طرح اسے ڈھاکہ سے قریب ہونے کی وجہ سے کھلم کھلا مشرقی پاکستان میں مداخلت کی موقع ملا ملا۔

سقوط ڈھاکہ کے اسباب واقعات میں غیروں نے تو اپنا کردار ادا کیا ہی تھا اپنوں کا کیا حصہ تھا کہاں کہاں اور کیا کچھ سازشوں کے تانے بانے بنے گئے تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں تو اصلاح احوال کی کہیں کوئی صورت نظر نہیں آتی حمود الرحمان کمیشن رپوٹ کا ایک حصہ شائع ہو گیا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے اسے بھی شائع کر دیا جائے تاکہ تمام حقائق بے نقاب ہو جائیں اور قوم کو معلوم ہو جائے کہ اصل مجرم اور سازشی کون تھے۔ قیام پاکستان میں مشرقی پاکستان نے اہم کردار ادا کیا 1930ء میں مسلم لیگ اسی صوبے میں قائم ہوئی جب 1940ء میں پاکستان کی قرارداد منظور کرنے کے لیے ووٹ ڈالے گئے تو بنگال کے مولوی عبدالحق نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا قیام پاکستان کے بعد مغربی پاکستان کے سیاسی کرداروں نے مشرقی پاکستان کے لیڈروں سے ہتک آمیز سلوک روا رکھا اسمبلیوں میں ان کے کسی مشورہ اور تجویز کو خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا اردو کو سرکاری زبان قرار دینے

کا فیصلہ بھی اس نفرت میں اضافہ کا سبب بنا بنگالی قومیت کے جذبات کو ابھارا گیا مشرقی پاکستان کے وسائل اور آمدنی مغربی پاکستان پوری طرح استعمال کر رہا تھا اس کے احساس محرومی کا بیج آہستہ آہستہ نفرت کے تنا آور درخت میں تبدیل ہو رہا تھا ایسے سنہری موقع سے بھارت نے خوب فائدہ اٹھایا بنگالی عوام کو اپنی ہمدردیوں کے فریب میں جکڑ کر بنگالی بہاری فسادات کرائے گئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمود الحسن جو وفاقی وزیر بھی رہ چکے تھے ان کا کہنا تھا ''کہ مشرقی پاکستان میں فسادات کا اصل سبب مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان وہ غلط فہمیاں ہیں جن سے نفرت پیدا کی جارہی ہے'' ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اختلافات ختم کیے جاتے مگر ان سے لاپروائی برتی گئی جنرل یحییٰ خان کی آمریت کے سائے میں 9 دسمبر 1970ء کو الیکشن کرائے گئے نتائج سامنے آئے تو مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ نے اور مغربی پاکستان سے ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔ مارچ کو قوانین کے مطابق ڈھاکہ میں اجلاس منعقد ہونا تھا مگر پیپلز پارٹی نے بیٹھنے سے انکار کر دیا ان معاملات کو سلجھانے اور دونوں لیڈروں کو متحد کرنے کی خوبی یحییٰ خان میں نہ تھی ان کی اپنی مصروفیات اور دلچسپیاں تھیں انھیں کوئی غرض نہ تھی کہ پاک فوج کس قدر نامساعد حالات میں مشرقی پاکستان کو سنبھالا دیے ہوئے ہے بار بار کے ٹیلفون اور پیغامات دینے کے با

وجود جنرل یحییٰ کوئی جواب نہ دیتے تھے بالاخر شیخ مجیب الرحمٰن کی شر انگیزی اور بغاوت کے باعث پاک فوج اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکی اور ملک دو حصوں میں بٹ گیا۔ زندہ قومیں ماضی کی غلط فیصلوں سے سبق سیکھ کر اپنے مستقبل کو بہتر بناتی ہیں لیکن ہما ری بد قسمتی یہ ہے کہ ہماری بیورو کریسی نے ماضی کی غلطیوں سے چشم پوشی کی حمود الرحمٰن کمیشن رپوٹ کبھی منظر عام پر نہ آسکی اس بارے میں بھی کچھ حقائق قوم کے سا منے آنے چاہیے اور سانحہ مشرقی پاکستان کی غلطی کو یاد کرکے اس بات سے پر امید تھے کہ اب حالات پہلے جیسے نہیں رہے آزاد عدلیہ اور میڈیا کی آزادی نے عوام کو صیح حقائق کا ادراک دیا عوام جانتے ہیں آج بھی صوبے اپنے وسائل کو استعمال کے لیے وفاق کے دست نگر ہیں اب بھی ہم لسانی قومیتی فسادات کا شکار ہیں دہشت گردی کے آسیب نے پورے پاکستان کو اپنی لپیٹ میں جکڑ رکھا ہے بھارت وزیرستان اور بلوچستا ن میں کھلی مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہے ان مسائل سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی اور 16دسمبر کو ہم پاکستانیوں کو تقسیم کے عوامل پر تھوڑی دیر کو سہی غور ضرور کرنا چا ہئے کہ برصغیر بٹوارے اور سقوط ڈھاکہ کے بعد ملک موجودہ حالات میں تقسیم در تقسیم کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے بچپن کے وہ سہانے دن

ہمارے بچپن کے وہ سہانے دن جب راوی چین ہی چین لکھتا تھا ان یادوں میں سب سے قیمتی وہ کہانیوں کی کتابیں اور رسالے ہیں جو ہمیں نصابی کتابوں سے زیادہ عزیز تھیں۔ ان کہانیوں کی دلچسپی اپنی جگہ لیکن ان کے سرورق بھی کیا شاندار تھے کہ جب یہ کتابیں ہمارے ہاتھ آتیں تو کئی لمحے محض ٹائٹل دیکھنے میں گزر جاتے اس وقت کی حیرت و خوشی کے محسوسات آج بھی دلوں کو گدگداتے ہیں۔ اپنی جان سے پیاری ان کہانیوں کو جلد سے جلد پڑھ لینے کی دھن سوار رہتی۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے ہمارے دور کے بچوں کے لیے یہ دنیا کہیں کھو گئی ہے۔ آج بچے ہمیں اپنے آس پاس ننھے منے ہاتھوں سے سائیکلوں میں ہوا بھرتے، ورکشاپوں میں اپنے ہاتھ سیاہ کرتے، ہوٹلوں میں کڑچھا مانجھتے ہوئے، کوڑے کے ڈھیر سے کچرا چنتے اور گھروں میں مالکوں کا سودا سلف لاتے بھاری بوجھ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

باشعور ہونے کے لیے خواندگی ضروری ہے مگر ہماری آبادی کا اسی فی صد حصہ انگوٹھا چھاپ ہے۔ درسی کتب سے ہٹ کر اگر ہم بچوں کی فکشن کتابوں پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خاص فارمولے کے تحت کہانیاں لکھی تو جا رہی

ہیں مگر ان کرداروں میں چالاکی و عیاری یا پھر جادو کے زور سے سب کچھ ٹھیک ہونے پر زور ہوتا ہے جن سے بچوں کے اندر جدوجہد سے کچھ کرنے کی لگن پیدا ہونے کے بجائے شارٹ کٹ کا راستہ اختیار کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ ہمیں ایسی کہانیوں کی اشد ضرورت ہے جن میں پری کا نام آتے ہی بچے کا ذہن خواب بننے لگے، جہاں طلسم ہوش ربا کی حیرت ناکیاں سائنسی دنیا کی ترقی پر ابھاریں، لکڑہارے کی ایمانداری اعلیٰ اخلاقی قدروں کی جانب راغب ہونے میں مدد دے۔

یہ ہمارا المیہ ہے کہ بچوں کے ادیبوں کو وہ مقام اب تک نہیں مل سکا جس کے وہ اہل تھے نہ عزت و مقام عطا ہوا نہ مالی لحاظ سے ان کی معاونت کی گئی۔ موجودہ عہد کے بچے بھی کافی باشعور ہیں ان کے لیے ادب تخلیق کرنا آسان نہیں رہا اب یہ ادیبوں، دانشوروں، شاعروں اور حکومتی اداروں کے لیے چیلنج ہے کہ وہ کس طرح ان کی علمی پرداخت کرتے ہیں۔بڑے ادیب اور شاعروں سے استدعا ہے کہ وہ اس جانب ضرور توجہ دیں۔بڑے ادیب و شاعر اگر سال میں دو چار نظمیں اور کہانیاں بچوں کے لیے بھی لکھ دیں تو یہ مالی لحاظ سے گھاٹے کا سودا سہی لیکن ہماری نئی نسل کے لیے نعمت غیر مترکبہ ثابت ہوگی ہو سکتا ہے کوئی مسعود احمد برکاتی، اشتیاق احمد، صوفی تبسم، یا علامہ اقبال جیسے تخلیق کردہ شاہکار وجود میں آجائیں۔ بچوں کے فروغ ادب سے غفلت خود ان کے

لیے بھی تو نقصان دہ ہے یہ نسل جب بناء کسی ادبی ذوق کے پروان چڑھے گی تو آگے جا کر بڑے ادب کی صورت میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے اسے پڑھنے والا کون ہو گا کہ بچپن سے جو ذوق انھیں ودیعت ہی نہیں کیا گیا اس جرم کی سزا بھی تو ہم ہی پائیں گے۔
اس وقت ایسی کہانیوں کی اشد ضرورت ہے جو ان کے نوخیز ذہنوں میں ایک سچے پاکستانی قومیت کے جذبے کو پروان چڑھانے کے ساتھ اس کی تہذیبی انفرادیت کو بھی کہانیوں کی شکل دے سکیں چند دن قبل جب ہمارے ہاں صوبوں میں تہذیبی ثقافتی ورثے کے حوالے سے شاندار پروگرام پیش کیے گئے۔ کروڑوں روپے کا بجٹ خرچ کیا گیا تو کیا ہی اچھا ہوتا کہ نامور ادیبوں اور شاعروں سے اپنے تہذیبی ورثے پر شاندار نظمیں و کہانیاں لکھوائی جاتی ایک قوم و مذہب کے حوالے سے ان میں ثقافتی تہذیب کا بھی ذکر ہوتا یہ کتابچے بچوں میں مفت نہ سہی ارزاں قیمت پر ہی تقسیم کرائے جاتے ان میں ہماری ہزاروں برس پرانی تہذیبوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کے بعد بناء کسی فرقہ، رنگ، نسل، ذات برادری سے ہٹ کر ایک قومی جذبے کو بھی ابھارا جاتا کہ آج ہم پاکستانی روز بروز تقسیم در تقسیم کی لپیٹ میں ہیں۔ دہشت گردی افرا تفری نے بڑوں کے ذہن مفلوج کر دیے ہیں مگر اس میں ان بچوں کا کیا قصور ہے ہمیں سوچنا ہو گا کہ دس، بیس سال بعد ہمارے بچے اپنی بچپن کی خوبصورت یادوں کے

حوالے سے کیا تصور لے کر خواب دیکھا کریں گے

عید قربان پر گوشت کی تقسیم اور ہمارا مزاج

سندھ کے لوک داستانوں کے کردار وتایو فقیر کا جی خربوزہ کھانے کا چاہا وہ پھل فروش کے پاس گئے اور کہا "سائین اللہ کے نام پر ایک خربوزہ تو دے دو،، پھل والا گاہکوں میں مصروف تھا جب فقیر نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے ان کی جانب توجہ دی اور ایک گلا سڑا ہوا خربوزہ دے دیا یہ دیکھ کر وتایو سائیں نے دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی جھولی سے ایک سکہ نکالا اور خربوزے والے سے کہا ایک ٹکے کا خربوزہ دے دو اس بار پھل فروش نے فوراً ہی ایک اچھا تروتازہ خربوزہ وتایو فقیر کو دے دیا وتایو فقیر نے دونوں خربوزے ہاتھوں میں لے کر آسمان کی جانب دیکھا اور کہا "اللہ سائیں! تو تَو ان لوگوں کے نزدیک ایک ٹکے سے بھی کم تر ہے،، دیکھا جائے تو ہم میں سے اکثریت کا دل اسی خربوزے بیچنے والے جیسا ہے ہم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں ایسا ہی رویہ اپناتے ہیں خاص کر عید قربان پر گوشت بانٹنے کے حوالے سے ہمارا رواج ایسا ہی ہے ایک طرف بڑا صحت مند جانور خریدنے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری جانب فل سائز ڈیپ فریزر نہ ہو تو اس کی کمی بھی محسوس کرتے ہیں قوت خرید ہے تو خرید لاتے ہیں ورنہ خریدنے کا مصمم ارادہ خلوص نیت سے ضرور باندھتے ہیں پھر کسی مولانا سے یا کسی صاحب الرائے سے یہ فتویٰ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ قربانی کا گوشت ہم زیادہ سے زیادہ

خود استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں بلکہ بہت سے تو پورے وثوق کے ساتھ یہ کہتے پائے جاتے ہیں سارا سال کا اسٹاک رکھ کر ہم اپنی شکم پروری سے بھی اجر و ثواب کماتے ہیں ہم یہ بلکل بھول جاتے ہیں کہ یہ اللہ کی راہ میں کیسی قربانی۔ہے اس رب نے محض اونٹ، بیل، گائے، بکرے قربان کرنے کا حکم ایسے ہی نہیں دیا کہ قربانی کرکے گوشت فریج میں بھر لو اس قربانی کے پیچھے جو اصول کارفرما ہے اس کی جانب بھی توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ پیارے رب! کل کو تیری راہ میں اپنی عزیز از جان کو قربان کرنا پڑا تو دریغ نہیں کریں گے اپنے نفس کو داؤ پر لگانا پڑا تو بناء کسی حجت کے کردیں گے مگر ہم یہ کیسے مسلمان ہیں جو محض چند ٹکڑے گوشت کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کرتے ہیں۔

ذوالحج کا مبارک مہینہ عظیم عبادت اور قربانی کا مہینہ ہے اسلام کا اہم پانچواں رکن حج اسی ماہ مبارک میں ادا کیا جاتا ہے حضرت ابرہیمؑ نے اپنے عزیز بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے پیش کیا جسے بارگاہ خداوندی میں اس قدر پسند کیا گیا کہ اللہ تعالٰی نے اسے دینی فریضہ بنا دیا جانوروں کی قربانی ہمیں ایک اہم فریضے کی جانب توجہ دینے پر مبذول کرتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ قربانی کا گوشت مستحقین میں تقسیم کریں اور کم از کم اتنا ضرور دیں کہ وہ دو وقت سیر ہو کر نعمت خداوندی سے لطف اندوز ہو سکیں اس وقت پورے ملک میں سیلاب کی تباہی اور آپریشن عضب کی وجہ سے لا

کھوں پاکستانی خاندان کیمپوں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں ہماری کوشش ہونی چا
ہئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ گوشت ان تک پہنچانے کی کوشش کریں اس کے لئے حکو
متی سطح پر اور رضاکارانہ بھی یہ کام مل کر کیا جا سکتا ہے مصیبت کی اس گھڑی میں ہمیں
ان کی مدد کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہئے اللہ ہم سب کو متحد ہو کر اس کار خیر میں
حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے

پس زنداں میں لکھی تحریریں

ماہر سماجیات انسان کو ایک سوشل جانور قرار دیتے ہیں سماج سے کٹ کر رہنا اس کی فطرت میں شامل نہیں اس کے لئے کسی سزا سے کم نہیں کہ اسے اپنوں سے اور معاشرے سے الگ تھلگ کر کے رکھا جائے اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قانون و حکمران سزا کا نفاذ قید تنہائی کی صورت میں مجرموں کی دیتے آئے ہیں ان قیدیوں میں خطرناک مجرموں سے لے کر وہ سب شامل ہوتے ہیں جو حق کی آواز اٹھانے کے جرم میں جابر حکمرانوں سے ٹکر لے بیٹھے ہیں ایسے با اصول انسانوں کا جرم اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ اپنی ملک و قوم کے لئے با آواز بلند نعرہ حق بلند کرنا ہوتا ہے جیل کی چار دیواری میں محبوس یہ لوگ اپنی ذات کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھی قیدیوں کا مشاہدہ بھی جاری رکھتے ہیں سوچ و فکر ان ادیبوں کا خاصا ہوتی ہے وہ پس زنداں بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے قلم وقرطاس کا سہارا لیتے ہیں کیونکہ لفظوں سے ان کا رشتہ سانسوں کی ڈور تک قائم رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ پس زنداں میں رہنے والوں کی تخلیقات پوری آب وتاب کے ساتھ ادب کی دنیا میں اپنا مقام بنائے ہوئے ہیں۔

برصغیر پر انگریزوں کے قبضے کے بعد مغل دور حکومت کا خاتمہ ہوا آخری مغل

بادشاہ بہادر شاہ ظفر حوالہ زندان ہوئے اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرتے ہوئے وہ شاعری میں اپنے درد کو سموتے ہیں رنگون قید خانے میں کی گئی شاعری ان کے دیگر کلام سے یکسر مختلف نظر آتی ہے اسیر بادشاہ کو مرنے کے بعد دو گز زمین کوئے یار میں ملی نہ ملی مگر افسوس کہ معمولی کا غذاور قلم کی سہولت بھی فرنگی میسر نہ کر سکے بعد از مرگ بادشاہ کے کلام کا کافی حصہ زندان کی دیواروں پر کوئلے سے لکھا ہوا پایا گیا۔اسی دور میں بڑے شاعر جو نواب اور بڑے جاگیر رادروں کے دست سایہ رہ کر معاشی پریشانیوں سے آزاد تخلیقی کام کیا کرتے تھے ان پر کڑا وقت آن پڑا تھا جنھوں نے حکومت وقت سے باآواز بلند احتجاج کیا کالے پانی کی سزاوں سے لیکر قید و بند کی صعو بتیں ان کا مقدر ٹھہریں ۔ مولانا حسرت موہانی کو دور فرنگی میں سب سے پہلے قید خانے جانے کا شرف حاصل ہوا یہ وہ دور تھا جب قید خانے میں کسی قسم کی اخلاقی و سیاسی درجہ بندیاں نہ تھیں انھیں الہ آباد جیل میں قید کیا گیا تو دوران اسیری روزانہ ایک من گندم پینے کی مشقت کرتے تھے ان کی شاعری میں حکومت وقت کے مظالم کا شکوہ جا بجا ملتا ہے مولانا کی کتاب ''مشاہدات زندان'': جیل کی ڈائری سے کم نہیں جیل میں لکھے گئے ادب میں اہم درجہ رکھتی ہے۔ مولونا محمد علی جوہر نے بیجا پور جیل میں دو سال اسیری کے گزارے انھوں نے ''کلام جوہر'' کا کافی حصہ اسی دوران لکھا اپنی سوانح حیات لکھی ،بیٹی کی شادی پر غیر حاضر باپ کے جذبات پر ایک پر سوز

نظم اردو شاعری میں اپنی مثال آپ ہے آپ کے بڑے بھائی مولانا ظفر علی خان نے اپنے مجموعے کا بہت سارا کام اسیری کے دوران انجام دیا منٹگمری کی قید تنہائی میں مضامین بھی لکھتے رہے جو قلمی نام سے نقاش اور زمیندار میں شائع ہوتے تھے۔ گاندھی جی نے اپنی سوانح حیات ''تلاش حق۔روودا جیل میں تحریر کی، پنڈت جواہر لال نہرو نے میری کہانی'' اور تلاش ہند''اسیری کی لمحات میں لکھی۔''

جیل خانے انسانوں کے لئے جائے عبرت ہیں ان اذیت ناک لمحوں کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں معروف ادیب مہر کا چیلوی عمر قید کی سزا پانے کے بعد اپنی آپ بیتی داستان زندان''لکھتے ہیں جس کا انتساب بھی منفرد ہے کہتے ہیں ''یہ کتاب اس کے نام'' جس نے مجھے جیل کی اذیت ناک صعوبتیں جھیلنے پر مجبور کر دیا'' یقیناً ان قلم کاروں کے لئے تلخی زندان سے ذہنی فرار کا بہانہ یہ تحریریں بنتی ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے بھی سوچ کے نئے دروازے کھولتی ہے ان میں خواہ شورش کاشمیری کی قید خانے میں لکھی کتاب ''پس دیوار زنداں'' ہو، معروف سندھی شاعر شیخ ایاز کی ساہیوال جیل میں لکھی ڈائری ہو یا پھر سید علی گیلانی کی روداد اسیری کا حال سناتی ان کی کتاب ''روداد قفس'' ہو۔

قیام پاکستان کے بعد ملک میں زیادہ تر آمریت کا راج رہا جس نے اپنے سامنے سر اٹھا نے والوں کو کچلنے کی بھرپور کوشش کی قلم سے جہاد کرنے والے جلاوطن بھی ہوئے محبوس بھی ہوئے اس صدی کے بڑے شاعر فیض احمد فیض راولپنڈی کانسپریسی کیس میں افسروں کے ساتھ گرفتار کئے گئے ساڑھے تین سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی مصیبت کا یہ دور ختم ہوا بری ہوئے ان کے جیل جانے کا فائدہ انھیں ہوا ہو یا نا ہوا ہو ناشر کو ضرور ہوا کہ ان کے منظومات کے دو مجموعے ''زندان نامہ''اور ''دست صبا انھیں مل گئے۔ معروف شاعر حبیب جالب نے آمریت کے دستور کو ماننے سے'' انکار کیا تو زنداں بھیج دیئے گئے انھوں نے اسیری میں شاعری کا ساتھ نہ چھوڑا جالب کی جموریت، فکر مساوات سے بھرپور پرجوش نظمیں آج بھی نوجوانوں کے دلوں کو گر ماتی ہیں دوران اسیری میں بیٹی کے لئے شفقت پدری کا اظہار خطوط میں پر اثر نظموں سے کرتے رہے حبیب جالب کے ہمت واستقامت کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اتنے کڑے ماحول میں انھوں نے ایسی باغیانہ شاعری ڈنکے کی چوٹ پر کی۔ ''ہاں میں باغی ہوں'' جیل میں لکھی گئی اس آپ بیتی کا تذکرہ ہے جو مخدوم جاوید ہاشمی ''پس زنداں'' کی صورت لکھتے رہے سیاسی منظر نامے کے ساتھ ساتھ اپنا حال دل اور شب وروز کی روداد اپنی صاحب زادی بشریٰ سے کہتے رہے اس طرح انھوں ایک خوبصورت کتاب پڑھنے لائق ہے یوسف رضا گیلانی بھی زندگی کے تلخ تجربوں کو جھیلتے قید کی تنہایوں میں ''چاہ یوسف سے صدا'' قلم بند کی۔

قید خانے میں مختلف زندگی سے واسطہ پڑتا ہے تمام قیدی بھی مختلف مزاج و کلچر کے ملتے ہیں مختلف مزاجوں کے مشاہدات کے بعد راجہ انور نے جیل کی زندگی کے تلخ حقائق پر کتاب تحریر کی ''قبر کی آغوش'' نامی یہ کتاب پل چرخی جیل میں افغانستان پر سویت یونین کے قبضے کے بعد اپنوں کی سازشوں کے تانے بانے سناتی ایک دستاویز ہے جو ہمیں ایک الگ دنیا سے متعارف کرتی ہے۔ کاغذ قلم سے لگاؤ رکھنے والوں کے لئے جیل کی تنہائی اپنوں سے تو دور کر سکتی ہے لیکن قلم سے رشتہ کسی طور نہیں ٹوٹ سکتا یہ وہ لوگ ہیں جو سچائی سے کبھی پیچھے نہ ہٹے جیل کی سخت زندگی میں بھی عوام کی ذہنی نشوونما کی آبیاری کا کام انجام دیتے رہے۔

جیل کی تنہائی انھیں اپنوں سے تو دور کر دیتی ہے

ہمارا دھرنا، ہمارا جلسہ، ہمارا مسئلہ

گئے وقتوں کی بات ہے کسی ملک میں شدید قحط پڑ گیا عوام بھوک سے بلبلا اٹھے بچوں کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی لوگ اپنا سب کچھ دے کر چند دانے اناج حاصل کرنے جستجو کرتے پھر رہے تھے امراء و وزراء طبقہ جب تک اپنے بھرے گوداموں سے استفادہ کر سکتے تھے کرتے رہے جب ان کے سروں پر بھی قحط کے بادل منڈلانے لگے تو فکر پڑی اس کے تدارک کے لئے دور دیسوں کے ماہر معاشیات اور دانشوروں کو اکٹھا کیا گیا وزیروں مشیروں کی رائے مانگی گئی لیکن مسئلے کا حل سمجھ میں نہ آیا پھر کھلے آسمان کے نیچے دعائیں کرائی گئی بات پھر بھی نہ بنی انہی میں ایک بوڑھا دانا تجربہ کار پنڈت جو ملک کی صورت حال اور عوام کے مزاج سے بھی واقف تھا اس نے گہری جانچ کے بعد مشورہ دیا فلاں مندر کے آگے جو خشک کنواں ہے اس میں ایک ،ایک گلاس دودھ بادشاہ سمیت تمام پر جا ڈالیں، کنواں بھر جائے گا تو شائد دیوی مہربان ہو جائے ملک میں پھر ہریالی ہو جائے دن مقرر ہوا بادشاہ سمیت تمام خلقت رات کے اندھیرے اپنے حصے کا کنویں میں دودھ ڈالنے پہنچی صبح ہوئی سب لوگ کنواں دیکھنے پہنچے تو کنواں دودھ کے بجائے پانی سے بھرا ہوا تھا۔اس ملک میں اتنی کرپشن افرا تفری، خود غرضی پھیلی ہوئی تھی کہ سب نے سوچا ایک گلاس دودھ کون ضائع کرئے سب لوگ ہی تو دودھ ڈال

رہے ہیں اگر میں نے پانی ڈال دیا تو کیا پتہ چلے گا آج ہمارے ملک کا بھی یہی حال ہے ہر ایک اپنی ذمہ داری سے جی چرا رہا ہے اپنے حصے کی ذمہ داریاں سمجھنا ہی نہیں چاہتے یا پھر دوسروں پر ڈال کر خود بری الذمہ ہو جانا چاہتے ہیں اس طرٗح کی غلط عادات اطوار جو ہمارے اندر بچپن سے پیدا ہو کر اب ایک تناور درخت بن چکی ہے اسے ہم ختم کس طرح کریں اپنے آپ کو ایک اچھا فعال شہری کس طرح بنائیں نشے کی طرح ہمارے وجود کو جکڑے اس مرض سے چھٹکارہ تو ہمیں خود ہی حاصل کرنا ہوگا پھر یہ بھی کہ آنے والی نسلیں جو ابھی اسکولوں میں اور ہمارے آس پاس چھوٹے کی صورت (چائلڈ لیبر) میں کام کر رہی ہیں اس کی تربیت کس طرح کریں آخر سو سال بعد سہی صیح ہمیں ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں تو آنا ہی ہوگا اس کے لئے کچھ کام تو ابھی سے انفرادی طور پر بھی کرنا پڑے گا اپنی غلطیاں سدھارنا ہوں گی۔

صبح گھر سے نکلتے ہوئے سب سے پہلے جس کوفت کا سامنا ہم کرتے ہیں وہ ہمارا ٹریفک نظام ہے ہر ایک جلدی میں گاڑی بھگانے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے غلط سمت گاڑیاں چلانا، سگنل توڑنا، اوورٹیک کرنا ہمارے لئے اب ایک عام سی بات بن گئی ہے اور جو سب قانون توڑ کر آگے نکل جائے یہ اس کی اضافی قابلیت مانی جاتی ہے بسوں میں قطار بنا کر سوار ہونا ہم سو سال بعد شائد سیکھ جائیں گے مگر یہ کیا کہ لیڈیز کمپارٹمنٹ میں مرد حضرات کھڑے ہو جاتے

ہیں بلکہ زیادہ تر لیڈیز گیٹ ہی اترنے چڑھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اس سے خواتین کو کتنی کوفت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہ کبھی نہیں لگا سکتے اگر کسی خاتون سے ٹکراتے ہوئے یا چھو جائیں خاتون کچھ کہنا چاہیں اسے غلطی کا احساس دلانا چاہیں تو خاتون کی حمایت کرنے والا کوئی نہی ہوتا خاتون کی سرزنش سے سب محظوظ ہوتے ہیں نہ کہ خاتون کا ساتھ دیں اور مردوں کو لیڈیز کمپارٹمنٹ سے باہر نکالیں بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ چھوٹی سی بات ہے مگر اس کا اثر سارا دن کی کارکردگی پر پڑتا ہے کہتے ہیں گھر تربیت کی پہلی سیڑھی ہے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے گھر کے مردوں کو یہ بات سمجھائیں وہ لیڈیز کمپارٹمنٹ میں نہ بیٹھیں لیڈیز گیٹ نہ استعمال کریں ان مسافر خواتین کو ہماری طرح ہی عزت دیں۔ پڑوسی ملک میں نئے وزیر اعظم نے صاف ستھرا بھارت کے نام سے مہم کا آغاز کیا ہے جب اس بارے میں کوئی خبر نظر سے گزرتی ہے دل اداس ہو جاتا ہے کیا اتنا بڑا ملک صفائی مہم کے صاف ستھرا ہو جائے گا اور ہم اپنے ملک میں جگہ جگہ پڑے کوڑے کے ڈھیر گندگی بہتے نالوں کے ساتھ ان پر ستائش بھری نظریں ڈالتے رہ جائیں گے ہم تو اسلامی ملک کے باسی ہیں نبی کریم ﷺ کی ذات ہمارے لئے زندہ قیادت ہے آپ ﷺ نے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے طرز زندگی کو مثال بن کر مشعل راہ دی ہے ہمارا دین بھی صفائی کو نصف ایمان کا درجہ دیتا ہے پھر ہم کیوں اپنے نصف ایمان سے اب تک محروم ہیں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جگہ جگہ تھوکتے

گندگی پھیلانے گھر کا کوڑا باہر پھینکنے سے باز آجائیں سگنل توڑنا، ماحول کو صاف ستھرا، رکھنا، جگہ جگہ پان کھا کر دیواروں پر نقش و نگار بنانا، بچوں کو بھی صفائی کی عادت ڈالیں سو سال بعد ہی سہی ہمارا ملک صاف تو ہو جائیگا ناں ! کہتے ہیں گھر تربیت کی پہلی سیڑھی ہے ہم اپنے بچوں کو اسکول جانا سکھاتے ہیں کلاس میں سب سے زیادہ نمبر لینے کی ترغیب دیتے ہیں اگر اس کے ساتھ تہذیب یافتہ قوم کی طرح لائن لگانا سکھائیں، سچ، ایمانداری دیانت و قناعت کی تعلیم دیں خود سادگی اپنائیں تو شائد بچے بھی بڑوں سے سیکھیں اب تک ہونے والے تمام دھرنوں جلسوں میں کبھی بھی عام لوگوں کو سادگی اپنانے کی، دیانت داری، سچ صاف ستھرا ماحول رکھنے کی بابت کوئی بات نہیں کی گئی حالانکہ عوام اپنے ان لیڈروں کے لئے ہڑتال کرنے، گولیاں، لاٹھی، ڈنڈے، سب کھانے کو تیار ہیں شائد اس بات پر عمل کرنے کی کوشش بھی کریں تو سوچ بدلنے سے ہی بڑی تبدیلی آئے گی اس کے ساتھ پھر حکمرانوں کی کرپشن پر بھی بات کریں تنقید کریں انھیں آڑے ہاتھوں لیں تو اپنے مقصد میں جلد کامیاب ہوں گے ابھی تو ہم صرف تھر کے قحط سے پریشان ہیں اگر ہم نے اپنی عادات واطوار درست نہ کی تو پورا ملک بھی اس کی لپیٹ میں آسکتا ہے۔

یہ وقت کیا ہے

سر آئزک نیوٹن کہتے ہیں ’’وقت ایک سمندر ہے جس میں زندگی کا جہاز تیر رہا ہے‘‘ یہ وقت کیا ہے؟ جو اتنی تیزی سے ہماری زندگی کا ایک سال بہا کر لے گیا ہمیں خبر بھی نہ ہوئی ابھی تو کیلنڈر دیوار پر لٹکایا تھا۔ چند دنوں کی بات ہے کہ ڈائری کے پہلے صفحے پر اپنے نام کے ساتھ سارے سال کی پلاننگ لکھی تھی یہ کرنا ہے وہ حاصل کرنا ہے مگر ہمارے سارے پلان سارے ارادے دھرے رہ گئے زندگی میں ہر شام سورج غروب ہوتا ہے ہمیں احساس نہیں ہوتا یہ احساس یکم جنوری کی صبح اخبارات میں گزرے سال کے غروب ہوتے سورج کی تصویر دیکھ کر ہی کیوں ہوتا ہے۔ ایک سال کے کل آٹھ ہزار سات سو ساٹھ گھنٹے (8760) کہاں گئے کچھ پتہ ہی نہیں چلا ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے نیا سال شروع ہو گیا۔ کیا کیا جائے زمانے کی رفتار ہی بہت تیز ہے۔ بقول شاعرِ ’’زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے،، یہاں بھی طلب اور رسد کا نظام رائج ہے وقت بہت کم اور کام اتنے زیادہ کہ زندگی میں فرصت کے لمحات میسر ہی نہیں آتے۔

اگر پورے ملک کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو ہم دہشت گردی، فرقہ واریت، لاقانونیت اور دھرنوں کے گورکھ دھندوں میں پورا سال پھنسے رہے۔

رہی سہی کسر سیاسی لیڈروں کی طنزیہ و تضحیک آمیز بیانات نے پوری کی جس کے نتیجے میں ماڈل ٹاون کشت خون کا بازار بنا رہا۔ ابھی اس سانحے کو بھول بھی نہ پائے تھے کہ نابینا افراد کے جلوس پر پولیس کا وحشیانہ تشدد پوری دنیا نے دیکھا۔ اچانک لگنے والی آگ کے واقعات نے پوری قوم کو ہیجان میں مبتلا رکھا، جس میں قیمتی جانوں کا زیاں ہوا۔ قوم بے بسی کا مجسمہ بنی اپنے پیاروں کو آگ میں جلتا دیکھتی رہی۔ یہ واقعات ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہیں۔

سال کے آخر ماہ پشاور آرمی اسکول میں بچوں پر دہشت گردوں کے حملے کو سال کے بد ترین دن کے طور پر یاد کیا جائے گا۔ گزشتہ سالوں کے حالات واقعات مستقبل کے لیے چیلنج بن کر آتے ہیں ہم ایک قرض میں ڈوبی ہوئی قوم ہیں۔ ہمارے حکمرانوں نے ہم پر اتنا قرض لاد دیا ہے کہ آنے والی کئی نسلیں اس کے سود تلے گروی ہو چکی ہیں۔ نوجوان نسل بیروزگاری، فکری بحران اور احتجاجی مزاج کا شکار ہے۔ سی این جی اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ نے عام پاکستانی کو اقتصادی مشکلات کا شکار بنائے رکھا۔ جس کی وجہ سے ملک میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہوا، سرکاری محکموں سے عوامی سطح تک بدعنوانی، چوری، رشوت ستانی، سفارش اور کرپشن میں ریکارڈ اضافہ ہوا، دو مختلف تعلیمی نظام انگریزی و اردو نے حاکم و محکوم کا فاصلہ برقرار رکھا۔ اس سال بھی اس میں کوئی انقلابی

کام نہ ہو سکا۔

البتہ پنجاب حکومت میں اس پر تھوڑا بہت کام ضرور ہوا۔ ملک کے حالات خواہ کتنے ہی کیوں نہ خراب ہوں۔ بحیثت مسلمان ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، ہر سیاہ رات کے بعد صبح کا اجالا ضرور طلوع ہوتا ہے، ملک جس کرائسس سے گزر رہا ہے اس سے نکل کر نئے سال میں کچھ اچھے حالات ہمارے منتظر ہوں گے کیونکہ وطن عزیز کے کچھ بہی خواہ ایسے بھی ہیں، جنھوں نے ملک کا نام سنوارنے کی کوشش بھی کی چند طالب علموں نے نامساعد حالات کے باوجود تعلیمی میدان میں غیر معمولی کارکردگی دکھا کر ملک و قوم کا نام روشن کیا۔ کھیل کے میدان میں ہاکی کے کھلاڑیوں نے بھارت کی سرزمین پر ان کو مات دی۔ اسٹریٹ چلڈرن ورلڈکپ میں پاکستانی بچوں نے شاندار کھیل کا مظاہرہ کیا، کسی قسم کے وسائل نہ ہونے کے باوجود تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ہنزہ سے تعلق رکھنے والی ثمینہ اور ان کے بھائی مرزا علی بیگ نے دنیا کی سات بلند ترین چوٹیوں کو سر کیا ثمینہ نے پہلی مسلمان اور پاکستانی خاتون کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ ملالہ نے نوبل انعام پا کر اقوام عالم میں پاکستان کے وقار میں اضافہ کیا تو دوسری جانب سانحہ پشاور نے پوری قوم کو متحد ہو کر دہشت گردی سے نمٹنے کا عزم عطا کیا۔ فوج کے دلیرانہ فیصلوں کی بدولت ہم

سب پر امید ہیں کہ نئے سال میں مثبت تبدیلی آنی شروع ہو گی۔ آنے والا سال ایک روشن پاکستان کی ضمانت ہو گا۔ اس وقت کی کھوج میں مشہور شاعر جاوید اختر اپنی کتاب لاوا) میں ایک خوبصورت نظم لکھتے ہیں آپ بھی پڑھیے۔)

یہ وقت کیا ہے یہ کیا ہے جو آخر مسلسل گزر رہا ہے؟
یہ جب نہ گزرا تھا تب کہاں تھا کہیں تو ہو گا؟
گزر گیا ہے تو اب کہاں ہے کہیں تو ہو گا
کہاں سے آیا کدھر گیا یہ کب سے کب تک کا سلسلہ ہے یہ وقت کیا ہے؟
یہ واقعے، یہ حادثے، تصادم، ہر ایک غم اور ہر ایک مسرت، ہر ایک اذیت، ہر ایک لذت
ہر ایک تبسم، ہر ایک آنسو ہر ایک نغمہ، ہر ایک خوشبو، وہ زخم کا درد ہو کہ لمس کا جادو
خود اپنی آواز ہو یا ماحول کی صدائیں، یہ ذہن میں بنتی بگڑتی ہوئی فضائیں
وہ فکر میں آئیں زلزلیں ہوں کہ دل کی ہلچل تمام حساس سارے جذبے
کہ جیسے پتے بہتے پانی کی سطح پر تیرتے ہیں ابھی یہاں ہیں ابھی وہاں ہیں اور اب ہیں
بوجھل

دکھائی دیتا نہیں ہے لیکن یہ کچھ تو ہے جو کہ بہ رہا ہے؟
یہ کیسا دریا ہے کن پہاڑوں سے آرہا ہے یہ کس سمندر کو جارہا ہے؟
یہ وقت کیا ہے؟ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ چلتی گاڑی سے پیڑ دیکھو
تو ایسا لگتا ہے دوسری سمت جارہے ہیں مگر حقیقت میں پیڑ اپنی جگہ کھڑے ہیں
تو کیا یہ ممکن ہے ساری صدیاں قطار اندر قطار اپنی جگہ کھڑی ہوں یہ وقت ساقط ہو
اور
ہم ہی گزر رہے ہوں اس ایک لمحے میں سارے لمحے ساری صدیاں چھپی ہوئی ہوں
نہ کوئی آیندہ نہ گزشتہ جو ہو چکا جو ہو رہا ہے جو ہونے والا ہے، میں سوچتا ہوں
تو کیا ممکن ہے کہ صدیوں کے سفر میں ہم ہیں گزرتے ہم ہیں
جسے سمجھتے ہیں ہم کہ گزرتا ہے وہ تھما ہوا ہے
گزرتا ہے کہ تھما ہوا ہے اکائی ہے کہ بٹا ہوا ہے، منجمد کہ پگھل رہا ہے
کسے خبر ہے، کسے پتہ ہے یہ وقت کیا ہے